تاریخ الحرمین الشریفین

عبدالسلام ندوی

۱۳۶۲ھ

۲۳۲ص

فہرست مضامین

۷۸۶

از مولانا الحاج سید سلیمان صاحب ندوی، ناظم دار المصنفین۔

اُس عہد سے جب سے خدا نے اس "وادی غیر ذی زرع" کے ویرانہ کو اپنی بستی فرمایا اور عالم کے بتکدہ مین اپنا یہ سب سے پہلا گھر بنایا، اور اپنے سب سے پہلے عاشق ابراہیمؑ کی زبانی آیندہ تمام دنیا کے عشاق کے نام یہ پیام بھیجا کہ سال مین ایک دفعہ یہان کی گلیان اور پہاڑیان ان کے ہجوم و ازدحام کا روز بازار بنین، خدا جانے حسنِ ازل کے کتنے شیدائی، یہان آئے اور چلے گئے، اور "محبوب نادیدہ" کے کتنے طلبگار، اس کو ڈھونڈھنے آئے، اور واپس پھرے، ہر ایک کو یہان جو کچھ نظر آیا، اُس نے چاہا کہ وہ دوسرون کو بھی دکھائے، اور جو اُس پر گذری ہو وہ دوسرون کو بھی سنائے، طور کا جلوہ دنیا نے ایک ہی دفعہ دیکھا ہی، تاہم اسکی داستانِ حسن و عشق ابتک دہرائی جارہی ہی، اور ہمیشہ دہرائی جائیگی، مگر یہان تو یہ جلوہ ہر سال نظر آتا ہی، پھر اگر اس کی داستان ہر ملک، ہر زبان اور ہر طریقۂ ادا مین سال بسال دہرائی جاتی رہے تو تعجب انگیز کیا ہی؟

مسلمانون نے دنیا کے ہر علم و فن کو حاصل کیا، مگر جس کو حاصل کیا اپنے دین و ملت ہی کی راہ سے حاصل کیا، انکا نقطۂ نظر ہر علم و فن کی خدمت مین کتاب الٰہی ہی کی خدمت اور اسی کے حکم کی تعمیل رہی، مسلمانون نے جغرافیہ کے فن کو بیحد وسعت دی،

دنیا کے گوشہ گوشہ کو جہان تک اسلام کی روشنی پہونچی وہ اُس کے پرتو مین آگے بڑھتے گئے، مگر اُن کی یہ تمام کوششین اور سرگرمیان قل سیروا فی الارض کے تحت مین تھین اور اس کے بعد جو جاذبہ شوق اُن کو بیتاب رکھتا تھا، اور دیوانہ وار اُن کو اپنے گھرون سے بے قرار نکال لیتا تھا، اور سفر کی تمام مشکلات کو ان کی نگاہون کے سامنے ہیچ بلکہ اس راہ کی تمام تکلیفون کو راحت بنادیتا تھا، وہ وہ ندائے عام تھی جو حضرت ابراہیم کی زبانی سنائی گئی تھی، وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ (الآیتہ)

جب سے یہ ندا دی گئی، ہر زمانہ مین لاکھون شیدائیون کی زبانون نے اُس پر لبیک کہا، اور جب موسم آیا لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اپنے گھرون کو اپنے اہل و عیال، اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر مسافرانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحرا و بیابان دشت و جبل، دریا اور سمندر کو طے کرکے بادیۂ حجاز پہونچے اور اس بے آب و گیاہ صحرا کی زیارت سے اپنی روح کی پیاس بجھائی،

مسلمانون مین جو بھی بڑا سے بڑا سیاح گذرا ہے، اُس کے دل کی اصلی منزل اور سفر کا کعبۂ مقصود یہی سرزمین تھی، وطن سے حج و زیارت کے لئے نکلے، راستہ کے عجائب و غرائب، ملکون کے دلکش مناظر، اور قومون کے عجیب و غریب احوال مشاہدہ کرتے ہوئے اس خطۂ پاک مین پہونچے، فرائض سے فرصت پائی، تو آگے کا رستہ لیا، اور پھر موقع ملا، تو اسی مرکز پر لوٹ کر آگئے، اور پھر کسی دوسری سمت کو نکل گئے، ابن حوقل بغدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن جبیر اندلسی، ابن بطوطہ مغربی، اور سیکڑون سیاح اسی قسم کے ہین، جنھون نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیت سے کیا، اور

پھر جب سیر و سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفرنامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا،

تمام دنیائے اسلام میں ہر سال ہزاروں حاجی کرۂ زمین کے مختلف دائروں سے بخط مستقیم یہاں آتے ہیں اور جاتے ہیں، اُن میں سے بیسیوں صاحب قلم ہر سال اپنے اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالۂ قرطاس کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہر سال مشاہدات ارضی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہر سال دنیا میں اضافہ ہوتا ہے،

ہندوستان سے کم و بیش بیس ہزار حاجی ہر سال مکہ معظمہ جاتے ہیں، ان میں دو چار ایسے صاحب ذوق ضرور ہوتے ہیں جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسروں کو سناتے اور دکھاتے ہیں، اور اُن سے اہل ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہیں،

ہندوستان میں شاید شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ۹۹۸ھ میں اس سفر کی یادگار میں "جذب القلوب الی دیار المحبوب" کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ یہاں آکر دوسروں کو دکھایا، اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۴۳ھ میں "فیوض الحرمین" وغیرہ رسائل میں اپنے روحانی مناظر و مشاہدات کی کاغذ کے صفحوں پر تصویر کھینچی، لیکن سفرنامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مرادآبادی قابل ذکر ہیں جنھوں نے ۱۲۰۱ھ میں حرمین کا سفر کیا، اور احوال الحرمین کتاب لکھی،

اس عہد میں ہر سال حاجیوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہیں، اور ان میں مختلف پہلوؤں سے ہر صاحب ذوق اپنی

پسند اور دلچسپی کی باتین لکھتے ہین خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی مرحوم کا سفرنامہ سبیل الرشاد، اور برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید ذکر کے قابل ہین

ہمارے صاحب دل اور درد آشنا دوست مولنا عبد الماجد صاحب دریا بادی کی زندگی مین مدت سے بتدریج جو انقلاب ہو رہا تھا، میرے خیال مین اسکی تکمیل ۱۳۴۸ھ مین ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور جو احوال و مشاہد انھون نے کتابون مین پڑھے تھے، انکا سفر حج مین جاکر برای العین مشاہدہ کیا، اور وہان جو عینی مشاہدات قلبی کیفیات، اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے، انھون نے اپنے اخبار سچ کے صفحات مین خطوط کی صورت مین منعکس کیا، موجودہ مجموعہ انھین مسلسل مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے،

اس سے پہلے جو سفرنامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالم جذبات کی باتین تھین یا محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامچے تھے، یا فقیہانہ مسائل اور حج و مناسک کے ہدایت نامے تھے، یا حجاز و سفر حج کے لئے مسافرون کی گائڈ بکین تھین، اس سفرنامہ کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتون کی دلکش جامعیت ہے، سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث مین اسکا مصنف کہین مورخ ہے، کہین فقیہ، کہین محدث، کہین صوفی کہین شاعر اور کہین سیاسی، غرض اس کتاب مین وہ سب کچھ ہے جسکی حاجی کو اپنے سفر کے اتار چڑھاؤ کی مختلف حالتون اور کیفیتون مین ضرورت پیش آتی ہے، سفر کے واقعات، حج و مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائین، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی حالات، آمد و رفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ، مکانات، مطوفین، راستے مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، اماکن مقدسہ، اور وہان کے ضروری اوقا

یہ تمام معلومات اس مین یکجا ہین،

لیکن اس سفرنامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عزت میری نگاہ مین دو باتون سے ہے، ایک اسکی انشاپردازی کہ مصنف کے قلم نے اسمین انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہی، سہل الفاظ، سادہ ترکیبین، اور پھر شاعرانہ تخیل، اس لیے انشا کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہی، دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہین، جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایان ہین، ایسا معلوم ہوتا ہی کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہین،

مین تو سفر حجاز کی یہ بھی برکت سمجھتا ہون کہ اُن کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہی، اور روح نے جسم کا ایسا قالب اختیار کیا ہی، کہ باطن ظاہر، محجوب منکشف، اور نادیدہ، دیدنی ہوگیا ہی، مجھے امید ہی کہ فاضل مصنف کی تصنیفات مین ان کے قلم کی یہ سرسری تحریرین، سب سے زیادہ دیرپا، سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول ہونگی،

مسئلہ حجاز مین موصوف کے سیاسی مسلک سے ہرچند ہمکو پورا اتفاق نہ ہو تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا، کہ انھون نے یہ صفحات لکھکر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ، اور تصوف سب پر احسان کیا ہی، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہی، کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے،

ہمارے فاضل فلسفی، اور لایق انشاپرداز دوست کا مذہبی رنگ و ذوق

پختہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ کہیں کہیں صوفیانہ "رواداری اور صلح کل" کی وسیع شاہراہ سے نکلکر فقیہانہ تشدد کے تنگ کوچے میں کھڑے نظر آتے ہیں، کیا عجیب بات ہے کہ ایک پرانی تعلیم گاہ کا مولوی دوست نئی تعلیم گاہ کے گریجویٹ دوست کی حد سے زیادہ "مولویت" کی شکایت کر رہا ہے، وتلک الایام نداولہا بین الناس،

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ، اپنے حبیب کے صدقے ان صفحات کے لکھنے والے کو اجر جمیل اور پڑھنے والوں کو بیش از بیش توفیق نیک عطا فرمائے، آمین

سید سلیمان ندوی

۴ رشوال ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوداع[1]

واتموا الحج والعمرۃ للہ (بقرہ ع ۸) الحج اشہر معلومات (بقرہ ع ۹) ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وہدی للعالمین فیہ آیاتٌ بیناتٌ مقام ابراہیم ومن دخلہ کان آمناً وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین (آل عمران۔ رکوع ۱)

عن عائشۃ انہا قالت یا رسول اللہ نری الجہاد افضل العمل افلا نجاہد قال لا لکن افضل الجہاد حج مبرور (بخاری) عن ابن مسعودؓ قال رسول اللہ صلعم تابعوا بین الحج والعمرۃ فانہما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذہب والفضۃ ولیس للحجۃ المبرورۃ ثواب الا الجنۃ (ترمذی) عن ابی امامۃ قال رسول اللہ صلعم من لم تمنعہ من الحج حاجۃ ظاہرۃ او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یہودیا وان شاء نصرانیاً (جمع الفوائد)

لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک

---

[1] منقول از سچ، مورخہ ۸ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

یہ الوداع، ماہ رمضان کی سالانہ الوداع نہیں، ناظرین سچ سے ان کے خادم مدیر سچ کی الوداع ہے،

حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہوجانے پر، ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہے جسطرح ہر روز پانچ وقت کی نماز، یہاں نماز ہی کا فریضہ کب ادا ہو پاتا ہے؟ جسمین نہ کچھ خرچ ہے اور نہ کوئی خاص محنت، کہ فریضۂ حج کے نہ ادا کرنے کا رونا رویا جائے! عمر کی گھڑیاں خاموشی اور تیزی کے ساتھ گذرتی ہیں، دن ہفتوں مین، ہفتے مہینوں مین، مہینے برسوں مین تبدیل ہوتے رہے، اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا، کلام مجید کی آیات مین اور رسول برحق کی احادیث مین، خدا معلوم کتنی بار ادائے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گذری، اور عدم ادائے حج کی وعیدین بار بار پڑھیں، پر قلب کی غفلتوں نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ کاریوں نے ہمیشہ مشورہ یہی دیا، کہ یہ اوامر و احکام دوسروں ہی کے لئے ہین، اپنے کو ان سے کیا تعلق! اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتین، اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے والی مہلتین، اسی غفلت، اسی بے حسی، اور اسی قساوتِ قلب کی نذر ہوگئین!

ہندوستان کے طول و عرض مین بے شمار سفر، بےضرورت اور بلا ضرورت کر ڈالے لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی، وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے بل بھی جانا نصیب مین نہ آیا! بنگلوں اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے مین ایک عمر گذر گئی، پر وہ آستان پاک، جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے مین ساری عمر تمام کردی جاتی، اور اسی پر پروانہ وار اپنی جان نثار کردی جاتی، گردشِ تقدیر نے محروم رکھا تو اسی کی جبین سائی سے! ملک کے گوشہ گوشہ کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی تو ایک اس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی، جس کی سربلندی پر آسمان کو بھی رشک

ہے، جہان کھڑے ہو کر اللہ کے خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے رب کی توحید کی منادی کی تھی، اور جس کی ریگ کے ذرون پر اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقشِ قدم آج تک ثبت ہین!

محرومیون کی حکایت دراز، اور کوتہ سنجیون کا سلسلہ طویل، لیکن رحمت باری بے حساب اور فضل خدا وندی بیکران، بڑے بڑے مجرم اپنی سیہ کاریون کی پوٹ لیکر آئے اور اور بحرِ کرم کے ایک قطرہ نے سارے دفترون کی سیاہیان دم بھر مین سفیدی سے بدل دین، روتے کانپتے آئے اور ہنستے کھلکھلاتے واپس گئے، اقلیمِ سخن کے تاجدار خسروِ نامدار نے اسی مضمون کو یون ادا کیا ہے، ؎

قطرۂ زآب رحمت توبس است　　شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ!

اور ایک دہقانی کج مج زبان نے اپنی بولی مین یون عرض کیا ہے، ؎

سمجھے تھے سیہ کاری اپنی ہر فرد ون حد سے　　دیکھا تو کرم تیرا اس سے بھی سوا پایا!

بالآخر، جس کی رحمت ابرِ کرم بنکر سوکھی کھیتیون کو آن کی آن مین سرسبز و شاداب کر دیتی ہے، اسکی مشیت اسکی متقاضی ہوئی، کہ ایک محرومِ عمل، مردہ قلب کو اپنے حرم محترم کی حاضری و طواف، اور اپنے حبیب پاک صلعم کی آرامگاہ کی زیارت سے مشرف فرما دے، چنانچہ ارادہ ہوا، منصوبہ بندھے، اور زبان پہلی بار لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک کے تلفظ پر کھلی!

اللہ اللہ! کجا ایک ننگِ خلایق اور کہان وہ قدوسیون اور نورانیون والی سرزمین! کہان ایک روسیاہ کے ناپاک قدم اور کہان وہ معصومون اور ملکوتیون کی سجدہ گاہ!

ایاز قدرِ خود بشناس عقل اس خوش قسمتی پر دنگ، خرد اس بوالعجبی پر حیران!

ہے آرزو کہ ابروِ پُر خم کو دیکھئے!
اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

لیکن ربوبیت کے عجائب کاروبار ہین، اپنا نام رب العالمین ارشاد فرمایا ہی، رب الصالحین نہین فرمایا، مرتبۂ کمال پر صرف اتقیاء و صالحین، ابرار و اخیار ہی نہین پہونچائے جاتے، ربوبیت کا تعلق اشرار و فجّار سے بھی ہے، دستگیری صرف نیکون ہی کی نہین، بدون اور بدتر سے بدتر بدون کی بھی ہوتی رہتی ہے، ہواے بہار جب چلتی ہے تو چمن کے خوشبو دار پھولون اور چراگاہ کی گھاس کی پتیون دونون کو مہکا دیتی ہے، ؎

اے بدر ماندگی پناہِ ہمہ، کرمِ تست عذر خواہِ ہمہ!

غرض نیت قائم ہو چکی ہے، حج کے مہینے تین ہین، شوال، ذیقعدہ، عشرۂ اول ذی الحجہ، الحج اشھر معلومات، جس تاریخ کو ماہ مبارک رمضان ختم ہوتا ہی، ٹھیک اسی تاریخ سے موسمِ حج کی ابتدا ہو جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یکم شوال کو گھر سے نکلنا ہوگا اور ۳ر شوال کو ۸ بجے شب کے اکسپرس سے لکھنؤ سے بمبئی کے لئے روانگی، اور ۵ر شوال کو بمبئی پہونچکر مغل کمپنی کے پہلے جہاز سے عزمِ سفر، پہلے زیارت دیارِ حبیبؐ و حاضری روضۂ انور، جتنے دنون تک بھی قسمت یاوری کرے، پھر آغازِ ذی الحجہ مین فریضۂ حج کیلئے مکہ معظمہ، بعد اداے فریضہ قصدِ مراجعت، اور اگر زندگی باقی ہے، تو انشاء اللہ اول عشرۂ محرم مین واپسی وطن، یہ سارے ارادے اپنے ہین، اور بندون کو اپنے ارادون کے نفاذ پر جو قدرت ہی، اُس کا حال معلوم! ہوگا وہی جو کچھ بندہ کا چاہا نہین، بلکہ بندون

کے پروردگار و مالک کا چاہا ہوگا، کیا ایک مشتِ خاک اور کیا اُس کے ارادے! ارادہ کا حق تو اُسی کو ہے جس کے ہاتھ مین موت و زندگی، عافیت و سلامتی کی کنجیان ہین، مولا کی شانِ کریمی دیکھئے، کہ مولانا مناظر احسن صاحب جیسے صاحبِ ذوق و صاحبِ علم بزرگ اور بعض اور عزیزون اور مخلصون کی معیت کی سعادت اور رفاقت کی دولت بھی نصیب مین آرہی ہے، انشاء اللہ العزیز،

سچ اس مدت مین کیونکر جاری رہ سکے گا؟ افسوس ہے کہ اسکی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہ نکل سکی، مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا، کہ اسکی اشاعت بارہ تیرہ ہفتون کے لئے بند رہے، وسطِ جون تک اس خادم کی واپسی کی توقع ہے، ایک آدھ ہفتہ کے آرام کے بعد شروع جولائی سے پھر اسی خدمت کا اجراء ہوسکتا ہے، البتہ وسطِ مارچ سے آخر مارچ تک کے پرچون کے مضامین فراہم کئے جاتا ہون، میری عدم موجودگی مین مولوی ظفر الملک صاحب ان پرچون کو شایع فرمادین گے، اس حساب سے ناظرین کو صرف تین مہینے کے لئے زحمتِ انتظار برداشت کرنی ہوگی، سچ سے محبت و حسن ظن رکھنے والے بھائیون کے لئے یہ مدت بھی بہت ہی، اور خوب جانتا ہون، کہ انھین اس قدر انتظار بھی نہایت شاق گذریگا، لیکن سچ پوچھئے، تو التوا کی مدت کون ایسی بڑی مدت ہی، اور سچ کا نکلتے رہنا ہی کیون اتنا اہم اور ضروری فرض کرلیا گیا ہے، جو اس کی سہ ماہہ التوا پر اس قدر رنج و غم کیا جائے! آخر

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین!

دورانِ سفر مین کچھ لکھنے کی نوبت ہی کیون آنے لگی، لیکن اگر کچھ لکھنے کی نوبت آئی تو اسکی اشاعت کے اولین حقدار روزنامہ ہمدرد (دہلی) کے صفحات ہین،

آدابِ سفرِ حج سے ہے، کہ اس سفر کو سفرِ آخرت کا نمونہ سمجھے، احرام کی چادرون کو کفن کی چادرون کا نمونہ تصور کرے، اور چلتے وقت اپنے تمام ملنے والون اور اپنے سے تمام تعلق رکھنے والون سے اپنی خطاؤن کی معافی طلب کرے، ناظرینِ سچ تک فرداً فرداً پہونچنا ممکن نہین، ان کے حقوق کی ادائی مین مدیرِ سچ کی جانب سے خدا معلوم کتنی غفلتین اور کتنی کوتاہیان ابتک ہوئی ہونگی، اور خدا معلوم کتنون کی دل آزاریان اوراق کے ذریعہ سے ہو چکی ہونگی، سب کی خدمت مین بمنت و لجاجت گذارش ہے کہ اپنے اس خادم کی بڑی اور چھوٹی، دانستہ اور نادانستہ ساری خطاؤن کو اللہ کے واسطے صدق دل سے معاف فرمائین، وہ جو حاکمون کا حاکم ہے، ان کی خطاؤن کو بھی معاف فرمائیگا اس دربار کے سچے سفیرؐ کی بشارتین اور وعدے موجود ہین،

التماسِ عفو کے بعد دوسری گذارش سچ کی برادری سے یہ ہے کہ اس خادم کو دعائے خیر سے محروم نہ رکھا جائے اور زاہد و فاسق سب کی سننے والے کی بارگاہ مین باربار عرض کیا جائے، کہ اس گنہگار کو حجِ مبرور اور زیارتِ مقبول نصیب ہو! حکم ملا ہے کہ توشۂ سفر کا سامان رکھو، اور پھر خود ہی ارشاد ہوا ہے، کہ بہترین توشۂ سفر تقویٰ ہی ہے (وتزودوا فان خیر الزاد التقوی) یہان تقویٰ کا سایہ بھی نہین پڑنے پایا، سہارا جو کچھ ہے وہ کسی رؤف و رحیم کی رحمتِ بے حساب اور کرمِ بے انداز کا ہی، اور اس کے بعد اگر کسی توشہ کی طلب و ہوس ہے، تو وہ اہلِ دل کی دعائین ہین، زہے نصیب، اس کے جس کے نصیب مین یہ توشہ آجائے!

شانِ کریمی کے حوصلے دیکھنا! کیسے نامۂ سیاہ کو نوازا جا رہا ہے! کس ننگِ خلائق

کو سرفراز کیا جا رہا ہے! شاعر نے صدیوں پیشتر اپنی تخئیل کی رو میں کہا تھا ؎

بطوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند | تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی!

وہاں تو شاعری تھی، پر اپنی طرف دیکھ کر دل دھڑک رہا ہے، اور ہمت جواب دے رہی ہے کہ کہیں اپنے حق میں یہ شاعری ماجرائے حقیقت نہ بنجائے! مولیٰ ہر بیکس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے! ہر مفلس کا آسرا تیرا ہی دستِ کرم ہے! بلایا ہے تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا! اپنے اس قہر و غضب سے پناہ میں رکھنا کہ اس آستانِ پاک تک پہونچکر بھی تیرا بھکاری خالی ہاتھ واپس آئے! اندھے کی آنکھیں روشن کر کے رہنا، نہ ہو کہ خانہ تک پہونچکر صاحبِ خانہ کے دیدار سے محرومی رہے، نہ ہو کہ مکان پر حاضری کے بعد بھی لامکان والے مکین کی تجلیات حجاب ہی میں رہیں! بیت کے ساتھ ربّ البیت کے انوارِ جمال کی زیارت نصیب ہو! مردوں کو جلانے والے مالک! مایوسوں کو خوشخبری دینے والے مولیٰ! بیکسوں کی دستگیری کرنیوالے آقا! دلوں کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام، تیرے اور تیرے حبیبؐ کے آستانِ پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے، دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے، اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں!

اے خدا پاک بے انباز و یار | دست گیر و جرم ما را در گذار
یاد دہ مارا سخنہائے دقیق | کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق
ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو | ایمنی از تو مہابت ہم ز تو
گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن | مصلحی تو اے تو اصلاحِ سخن

سبحان اللہ الحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

باب (۱)

روانگیٔ بمبئی

عید ہر سال آتی ہے، اب کی عید ہر سال کی معمولی عید نہ تھی، کسی کے آستانے پر ذوقِ جبین سائی دل کو بیتاب کئے ہوئے تھا کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک ایک کرکے گنا جا رہا تھا، رمضان ختم ہوا عید آئی، انتظار کی گھڑیاں کٹیں، وعدۂ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی، ہجر کے بعد وصل مہجوری کے بعد حضوری، انتظار کے بعد دیدار، پیاس کے بعد سیرابی، جس کارفرمائے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھدیا ہے، اسی نے ماہِ مبارک کا خاتمہ موسمِ حج کے آغاز پر رکھا ہے، الحج اشھر معلومات، حج کا مشہور و معروف موسم عین اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب آخری روزہ اور آخری افطار، آخری تراویح اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہے، مبارک ہیں ماہ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں، جو کسی کی آرزوے دید میں بسر ہوں، اور مبارک ہیں ماہ مبارک کے بھوک اور پیاس ضعف اور تڑپ والے وہ دن، جنکا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف و سعی پر ہو!

انبساطِ عید دیدن روے تو
عیدگاہِ ما غریبان کوے تو!

سفر سیر و تفریح کے لئے نہ تھا، تحصیل "علوم" و تکمیل "فنون" کے لئے نہ تھا، علمی و ادبی تحقیقات تاریخی و اثری تفتیش کے لئے نہ تھا، کشمیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج کا نہ تھا، ہاں وہاں کے لئے بھی نہ تھا، جہاں گرج گرج کر تقریرین کیجاتی ہین اور جھگڑ جھگڑ کر رزولیوشن پاس ہوتے ہین! سفر جلجلاتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا، گرمی کے موسم مین اس آسمان کی چھت کے نیچے تھا جس کا آفتاب تمتمایا ہوا ہوتا ہے، ہوٹلون اور پارکون، آبشارون اور سبزہ زارون کی طرف نہ تھا، خشک اور چٹیل میدانون، بے آب و گیاہ ویرانون، اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانون کی جانب تھا! ایک گنہگار امتی، اپنے شفیع اور شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا، بندے کی حاضری اپنے مولا کے دربار مین تھی، بھاگا ہوا غلام، تھک کے اور ہار کر، پچھتا کر اور شرما کر، پھر اپنے مالک کی طرف رخ کر رہا تھا، ذرہ آرزومند تھا، کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اٹھے، قطرے کو ہوس ہوئی کہ بحر بیکران کے وصل کا لطف اٹھائے، مشتِ خاک کو یہ دماغ ہوا کہ نورِ پاک کے جاروب کشون کی فہرست مین اپنا نام لکھائے، جو کچھ نہ تھا اسے یہ ولولہ ہوا، کہ جو سب کچھ ہے، اس سے تعلق و پیوند پیدا کیجئے!

ہے آرزو کہ ابروِ پرخم کو دیکھئے!
اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

حاضری کا حکم دینے والے کا حکم ہے، کہ زادِ راہ ساتھ لے کر چلو و تزودوا اور خود ہی زادِ راہ کی تشریح بھی فرمادی ہی، کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، فان خیر الزاد التقویٰ، یہان قحط تھا، تو اسی جنس کا، محرومی تھی تو اسی سرمایہ سے

تہیدستی تھی تو اسی توشۂ راہ سے ! دل ہچکچایا، طبیعت رکی، ارادہ کا قدم ڈگمگایا، مگر معاً یاد آیا کہ وہ خدائے قدیر و رحیم جو ہر روز تاریکی کو نور مین بدلتا رہتا ہی، سڑتے ہوئے فضلہ اور عفونت پھیلانے والی کھاد سے طرح طرح کے رنگا رنگ گل بوٹے، پھل پھول، میوے اور غلے وغیرہ اگاتا رہتا ہی، بیجانون مین جان پھونکتا رہتا ہی، کیا وہ تباہ کارون کو اپنے دربار مین حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہین ؟ کیا درماندون اور خستہ حالون کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے ؟ کیا وہ صرف نیکون اور پاکون، پارساؤن اور پاکبازون ہی کا والی و وارث، رب اور مالک ہے ؟ اور مدہوشانِ غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدانخواستہ ہمیشہ محروم ہی رہین گے ؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھما، ڈگمگاتے ہوئے پیر سنبھلے چند روز قبل حیدرآباد جانا ہوا تھا، وہان کے متعدد اہلِ دل بزرگون کی گفتگوئین اور صحبتین دل مین شوق اور ولولہ پیدا کر چکی تھین، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الٰہی نظام الدین رح کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک مین دیوبند اور تھانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہوگئی، اتنی ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بدبخت ازلی سوچتا اور ہچکچاتا رہجاتا، تو وہ انسانون کے بجائے جمادات مین شمار کرنے کے قابل تھا، اعظم گڈھ، لکھنؤ اور حیدرآباد سے بعض کرمفرماؤن نے اپنے اپنے تجربون کے مطابق ضروریات سفر سے متعلق یادداشتین بھی مرتب کرکے روانہ

کر دی تھیں[1] یکم شوال کو بعد ادائے ظہر، ادعیہ مسنونہ و ماثورہ پڑھتا ہوا گھر سے باہر نکلا، مسجد سے رخصت ہوا، جد اعلیٰ حضرت شیخ محمد عبد الحقؒ بخش چشتی نظامی (دم ۹۵۸ھ) اور دوسرے بزرگون کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان، ساری دنیا کے مسلمانون کی طرح، اس وقت سخت باہمی زور آزمائی مین مصروف ہین، ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہان تک کہ آج عید کا دن بھی انھین گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن مقلب القلوب کی کارسازی، کہ اپنے ایک ناکارہ و ننگ وطن ہموطن کو رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہوگیا، عین عید کی مشغولیت مین تیز دھوپ مین پا پیادہ، سب کا دو میل تک آنا، اور رہ رہ کر ہر قدم پر اپنے جوش محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی،

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل لکھنؤ کی تھی، اور لکھنؤ بھی اپنے گوناگون تعلقات کے لحاظ سے بمنزلۂ وطن ہی ہے، یکم شوال کو شب مین یہان پہونچے تھے، اور ۳ شوال (۱۵ مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی مین یہان سے روانہ ہوئے، دوپہر سے بزرگون اور دوستون کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھیک اس لمحہ تک، کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی چھوٹ نہ لی، برابر جاری رہا، امام ضامن کے روپیے اور "ناشتہ" کے خوان پر خوان چلے آرہے ہین، اور رخصت کرنے والون مین شہر کے نامور بیرسٹر اور وکلاء، اطباء، اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، رسالون کے منیجر،

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر ہارون خان شروانی (جامعہ عثمانیہ) مولوی ظفر الملک صاحب علوی اور مولوی شاہ محمد الیاس برنی کی امداد اس سلسلہ مین شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

ندوہ کے علماء، انگریزی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ، فرنگی محل کا سارا خاندان، عام احباب و اعزّہ ـــــ کوئی کس کس کے نام گنائے، اور سب کی مکمل فہرست یاد رکھنے کا دماغ کس کو؟ بڑے اور چھوٹے، عالم اور عامی، سب نے جس خلوص و محبت کیساتھ رخصت کیا ہے، اس کی یاد کا نقش جلد مٹنے والا نہیں، احادیث نبوی میں جمعرات اور ہفتہ کا سفر مبارک بتایا گیا ہے، کریم کی کریمی ملاحظہ ہو، کہ دریاباد اسٹیشن سے گاڑی ایسے وقت چھوٹی، کہ چہارشنبہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور شب پنجشنبہ کا آغاز ہونے کو تھا، اور لکھنؤ سے روانگی کے وقت شب شنبہ کو شروع ہوئے کئی گھنٹے گذر چکے تھے! راستہ میں بھوپال اسٹیشن پر دوستوں اور عزیزوں ہی نے نہیں، بلکہ ایسے مہربانوں نے بھی جنکی خدمت میں اس کے قبل نیاز تک حاصل نہ تھا، جس مسافرنوازی کا ثبوت دیا، اُس کا معاوضہ بجز دعائے خیر کے اور کیا ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو دارین میں فائز المرام کرے!

---

۱۷ مارچ، یکشنبہ کو علی الصباح بمبئی پہونچے، ناواقفوں کے لئے بمبئی کا مرحلہ بھی کچھ کم کٹھن نہیں، اَن پڑھ دیہاتیوں کا ذکر نہیں، اچھے اچھے پڑھے لکھے شہری، اگر انکا کوئی دوست یا آشنا یہاں موجود نہیں تو پہلی دفعہ بمبئی پہونچکر چکرا جاتے ہیں، بمبئی میں حاجیوں کے لئے متعدد وسیع آرام دہ مسافرخانے بنے ہوئے ہیں، جہاں آدمی بغیر کسی کرایہ کے ٹھہر سکتا ہے، حاجی سیٹھ صابو صدیق مرحوم کا مسافرخانہ کرافرڈ مارکٹ (جہاں دنیا بھر کی چیزیں ملجاتی ہیں) سے متصل اور بڑے اسٹیشن (وکٹوریہ ٹرمنس) سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ سب سے

زیادہ آرام دہ ہی، اس کے داروغہ مولوی حضرت اللہ صاحب جن کے چہرہ کی نورانیت ان کی باطنی پاکیزگی کا آئینہ ہے، اور اُن کے نائب منشی عبدالستار صاحب سچ کے غایتہ کرم فرماؤن مین تھے، خیال تھا، کہ قیام اسی مسافرخانہ مین ہوگا ۱۹۱۲ء مین والد ماجد مرحوم مع والدہ صاحبہ کے جب حج کو تشریف لے گئے تھے، تو وہ بھی یہین مقیم ہوئے تھے، لیکن ابھی بڑا اسٹیشن دور تھا، اور پوری طرح صبح بھی نہین ہونے پائی تھی کہ بھائی کلہ اسٹیشن پر مولانا شوکت علی مع اپنے رفقا کے نمودار ہوئے، اور حکم ہوا کہ وکٹوریہ ٹرمنس پہنچ کر دارالخلافۃ چلنا ہوگا، کس کی مجال تھی کہ بابائے خلافت کے حکم کی تعمیل نہ کرتا،

"دارالخلافۃ" کوئی مسافرخانہ یا مہمان سرا نہین، مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر کا نام ہی، خدا کا شکر ہے کہ کرایہ پر بیشمار روپیہ صرف کرنے کے بعد اب جمعیۃ خلافت کے پاس اپنا ذاتی مکان ہوگیا ہی، یہ مکان بھائی کلہ اسٹیشن سے دو فرلانگ پر "لولین (کسی نے اس کا ترجمہ "کوے جانان" خوب کیا ہے) مین واقع ہے، وسیع دومنزلہ عمارت، صحن کشادہ، خاموش و پرسکون فضا، بمبئی مین ایسی عمارت ہاتھ آجانا خوش قسمتی ہے، مرکزی عمارت کے حصۂ زیرین مین دفتر جمعیۃ خلافت و دفتر روزنامۂ خلافت، بالاخانہ پر مولانا شوکت علی کی فرودگاہ، نیز "معزز" "مہذب" مہمانون کے لئے آراستہ و مرصع ڈرائنگ روم، اور دوسرے کمرے (یہان یہ سوال نہ پیدا کیجیے کہ جمعیۃ خلافت کو ان پرتکلف آرایش و زیبایش سے کیا واسطہ قرن صحابہ کی خلافت راشدہ اور چودھوین صدی ہجری کی خلافت کمیٹی مین اب کیا

اتنا فرق بھی نہ ہو!) پہلو کی دوسری عمارت کا بالاخانہ مولانا محمدؐ عرفان کی فرودگاہ، اور اسلامی سادگی کی سچی تصویر، نیچے کے حصہ مین خلافت بکڈپو اور روزنامہ خلافت کے ایڈیٹوریل اسٹاف کے لئے کمرے، مرکزی عمارت کے نیچے کے دو کمرے ہمارے قافلہ کیلئے خالی کر دیئے گئے، ان مین عورتین اطمینان و آرام سے رہین، مرد دن بھر ادھر اُدھر رہتے، رات کو کچھ صحن اور برآمدہ مین لیٹ رہتے، اور کچھ زبردستی مولانا عرفان کے کمرے پر قابض ہو جاتے، مولانا شوکت علی کا تار لکھنؤ ہی مین مل گیا تھا، کہ کوئی اچھا جہاز شروع شوال مین نہین جائیگا، بمبئی پہونچکر معلوم ہوا کہ دس بارہ روز کا انتظار ناگزیر ہے ——— دل کا شوق مضطرب مہینوں کی مدت دنوں مین اور دنوں کا وقت منٹوں مین کس طرح کٹ جائے! لیکن بلانے والا اگر خود ہی حکم بھیجدے، کہ دوڑتے ہانپتے ہوئے نہین، راستہ مین دم لیتے ہوئے، اور قدم قدم پرستاتے ہوئے دربار مین حاضر ہو، تو فرمایئے، جانے والے کا دل آخر کیون کڑھے؟

بمبئی، ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجی" شہر ہے، لندن اور پیرس، نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہین ہوئے ہین، وہ ان کا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئی مین دیکھ سکتے ہین، ویسی ہی ہر طرف آسمان سے باتین کرنے والی اونچی اونچی عمارتین وہی روپیہ کی گرم بازاری، وہی دوکانداری مین انہماک، وہی عیش کی فراوانی، وہی جسمی و نفس پرستی، وہی برق و دخان کی پرستاری، وہی ملون، انجنون، اور کارخانون کا زور، وہی ریل، ٹریم، اور موٹر کارون کا شور، وہی صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے ہوئے، شور مچاتے اور دھواں اڑاتے، ڈھکیلتے اور رگڑتے ہوئے یاجوج کی جھینپی اور

اور بے قراری، بھاگ دوڑ، شور وغل، چیخ پکار، شورش و اضطراب! دن کو چین نہ رات کو سکون، اور اسی کا نام اس دور یاجوجی مین "ترقی" و "تہذیب" ہے! حیرت صرف اس پر ہے، کہ اس غلبۂ یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدین کیونکر اس قدر آباد و پر رونق ہین، اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہان کیسے نظر آتے ہین!
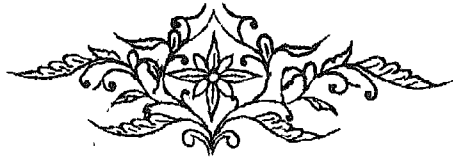
باب (۲)

بمبئی۔ جہاز

سفر کا ایک اہم جزو رفقائے سفر ہوتے ہین، سفر حج مین یہ اہم جزو بہت زائد اہم ہوجاتا ہے، مین نے جس وقت سے سفر حج کا ارادہ کیا تھا، اسی وقت سے بیوی بھی آمادہ تھین، اور آمادگی محض زبان تک محدود نہ تھی، بلکہ اپنا زیور علیحدہ کر کے روپیہ کا بھی انتظام کر لیا تھا، خوشدامن صاحبہ (والدۂ خان بہادر شیخ مسعود الزمان بیرسٹر باندہ) بھی عرصہ سے تیار تھین، میرے آرام کے خیال سے انھون نے ایک مرد ملازم میرے ہی گھر کا پروردہ ہمراہ لیا، رامپور کی ایک عزیزہ بہن ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھین میری درخواست پر ان کے حقیقی بھائی بھی جو حیدرآباد مین منصف ہین بڑی تیزی و مستعدی کے ساتھ آمادۂ رفاقت ہو گئے، اس طرح میرا اصلی قافلہ کل چھ شخصون کا ہوا، جنکا کھانا پینا ایک ساتھ تھا، لکھنؤ کی ایک اور عزیزہ (بیوۂ ڈپٹی نہال الدین احمد مرحوم) بھی مع اپنے بھائی شیخ حیدر علی قدوائی کے ہمراہ ہولی تھین، انکے علاوہ گدیہ کے مولوی عبد الباری صاحب ندوی (استاد جامعہ عثمانیہ) مع اپنے والدین اور چار دوسرے اشخاص کے ہمراہ ہو لئے، اور اسی قافلہ مین مولانا سید مناظر احسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ) بھی شامل تھے، جنکا تعارف ناظرین سچ سے بالکل غیر ضروری ہے،

اس طرح مل ملا کر ہم سب ۱۶ سولہ آدمی ساتھ تھے، لیکن میرا اصلی قافلہ وہی چھ آدمیون کا تھا، سفرِ حج کا ساتھ بڑا نازک ساتھ ہوتا ہے، اچھے اچھے گہرے دوستون کی مدۃ العمر کی دوستیان اس سفر مین ٹوٹتے دیکھی ہین، اور بھائی سے بھائی کو، باپ سے بیٹے کو، پیر سے مرید کو، اس سفر مین چھوٹ جاتے سنا، اسی خوف سے مین نے شروع سے بڑی احتیاط رکھی، کہ قافلہ بہت بڑا نہ ہونے پائے، اور جو لوگ ساتھ ہون بھی، وہ حتی الامکان اپنا اپنا انتظام دوسرے سے علیحدہ رکھین، آیندہ کے تمام عازمانِ حج کی خدمت مین مخلصانہ گذارش ہی، کہ جب تک کسی دوست یا عزیز پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ غیر معمولی تحمل و بے نفسی اور صفاتِ اطاعت و انقیاد کا مالک ہی، ہرگز اسے شریکِ قافلہ نہ بنایا جائے، اور کھانے پینے، رہنے سہنے کا الگ الگ انتظام تو واجبات مین سے ہی،

بمبئی مین شروع شروع بحمد اللہ اپنے کو مخفی رکھنے مین کامیاب رہا، لیکن قیام جون جون بڑھتا جاتا تھا، اخفاء کا اہتمام دشوار تر ہوتا جاتا تھا، آخر ایک روز ایک صاحب یہ پیام لیکر آئے، کہ انگریزی روزنامہ انڈین ڈیلی میل کے نمایندہ صاحب مع کیمرہ کے تشریف لانے کا ارادہ فرما رہے ہین یعنی میرا بیان شایع کرنے کیساتھ ساتھ مجھ عجیب الخلقت کی تصویر سے بھی روشن خیال ناظرین کی ضیافتِ طبع کیجائیگی! گویا اکبر کے اس الہام کی ایک تازہ شرح شایع ہو کر رہیگی، ؎

عشاق کو بھی مالِ تجارت سمجھ لیا — اس قہر کو ملاحظہ للہ کیجئے،
بھرتے ہین میری آہ کو فونوگراف مین — کہتے ہین فیس لیجئے اور آہ کیجئے!

یہان بجائے "فونوگراف" کے "فوٹوگراف" سے کام لیا جانے والا تھا، اور پیام

کے ساتھ ہی ساتھ "فیس" کی جانب بھی اشارہ تھا، جواب مین عرض کیا گیا، کہ تصویر کھنچوانا، اور اخبار کے لئے بیان لکھوانا الگ رہا، یہان تو آغازِ سفر سے اخبار پڑھنا ہی سرے سے ترک کر دیا گیا ہے، یہان تک کہ ایک روزنامہ (خلافت) کے دفتر مین پہنچنے کے باوجود اُس اخبار کو آج تک ہاتھ نہین لگایا ہی اور اپنے روزنامہ (ہمدرد) کی تو شکل تک بھی نہین دیکھی خیر یہ مصیبت تو ٹل گئی لیکن بمبئی کی محبت اور قدر افزائی جس گروہ کے دل مین اللہ نے ڈال دی ہے، اُس کی نظر سے بچے رہنا کیونکر ممکن تھا، بالآخر ان محبت کرنے والے بھائیون کی آمد و رفت شروع ہوئی خود اپنے اپنے کاروبار کا ہرج کر کر کے آتے تھے، اور اپنے گھرون پر لیجا کر کھانا کھلاتے تھے عزیزی معین الدین حارث، جامعہ ملیہ کے ایک قابلِ فخر گریجویٹ ہین، اور اب اپنا ایک روزانہ اخبار بھی نکال رہے ہین، انھون نے اور میمن برادری کے ایک نوجوان احمد عبد اللہ "غریب" صاحب نے سادگی و خلوص کے ساتھ "دعوتِ شیرازہ" کا نمونہ دکھادیا، ان کے ہان کی سادگی کا پورا مقابلہ حاجی قاسم نور محمد چھاپرا صاحب تاجر چوب کی ضیافت کے تکلفات نے کر دیا، حاجی صاحب کو بمبئی سے خدا معلوم کیون اتنا حسنِ ظن پیدا ہو گیا ہی، پہلے قیامگاہ پر تحائف لیکر آئے، پھر اپنے ہان دعوت دھوم دھام سے کی، اور پھر جہاز پر پھلون کی بڑی سی ٹوکری خود لیکر آئے، اور ہر موقع پر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کسی عنایت یا احسان کا احساس مطلق نہین رکھتے، بلکہ اپنی خدمت گزاریون کو اپنے لئے باعثِ فخر و سرمایۂ سعادت سمجھ رہے ہین!

بمبئی مین قیام بارہ دن کرنا پڑا، جہاز کی روانگی کی روز امید بندھتی تھی مگر
ہر صبح کی خبر شام کو غلط نکلتی تھی، یہ بارہ دن کی مدت ضروریات سفر کی فراہمی اور
سامان کی خریداری مین گذری، حجاز مین اب ہر قسم کی چیزین ملنے لگی ہین، جہاز پر
بھی کھانے کا فی الجملہ انتظام ہوگیا ہی، اس لئے سامان بجائے زیادہ لیجانے کے،
کم سے کم لیجانا چاہئے، ورنہ ایک تو باربرداری مین خرچ اچھا خاصہ پڑجاتا ہی،
دوسرے اس کی حفاظت ونگہداشت کی فکر مین قلب کو ہر وقت تشویش رہا کرتی
ہے، اور پھر چیزون کے ٹوٹنے پھوٹنے سے نقصان الگ ہوتا رہتا ہی، چنانچہ یہی
ارادہ تھا، کہ سامان بہت مختصر اور ہلکا لیا جائیگا، اور اسی ارادہ سے بمبئی کے
بازارون مین خریداری کے لئے نکلے لیکن پھر بھی سولہ آدمیون کی ضرورتین،
پیش نظر تھین، ہوتے ہوتے کل سامان کا انبار اچھا خاصہ ہوگیا، بستر، کپڑون
کے کئی کئی جوڑے (اگر ایک آدھ رنگین جوڑا بھی ساتھ رہے تو بہت آسانی
رہتی ہے) اور پیچش، بدہضمی، بخار وغیرہ کی مجرب دوائین، گھر سے ہمراہ لیکر نکلے تھے
باقی سامان بمبئی مین خرید کیا، ہر شخص کی ضروریات سفر دوسرے سے مختلف
ہوتی ہین، تاہم حسب ذیل سامان بمبئی سے خرید کرنا غالباً علی العموم مفید ثابت ہوگا
احرام کی چادرین (یا تولئے) ڈک چیر (کپڑے کی کرسی) تھرماس، چٹائی،
(بہت کام آتی ہی) ٹارچ (چوربتی) لالٹین، ہینڈ بیگ، انگیٹھی، کوئلہ، کیتلی، ٹین کا
پیپا (پانی رکھنے کے لئے) مشکیزہ، منجمد دودھ، دلیا، ستو، کھچڑی، چائے، اور پھل،
اور جنکو فرش پر سونے مین زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہو وہ سفری چارپائیان بھی
خرید لین، اس سارے سامان کی فراہمی مین بہت زیادہ مدد سیٹھ محمد روشن صاحب

(تاجر چوب) اور اُن کے صاحبزادے میان سراج احمد سے ملی، جنھون نے اپنے وقت اور اپنے موٹرکوبھی دن، کئی کئی گھنٹے ہم غریب الوطنون کی خدمت کے لئے وقف رکھا اور جن کی رہبری سے ہر سودے مین بڑی کفایت رہی،

حج اور سفرِ حج، صحیح معنی مین ایک مجاہدہ ہے، خودی پر ضرب پوری قوت و شدت کے ساتھ پڑتی ہی، اور بندہ کو بندگی پوری طرح سکھائی جاتی ہی، اسی کا ایک کرشمہ ہے کہ بندہ کا ارادہ قدم قدم پر توڑا جاتا ہی، اور کوئی نقشۂ اوقات (پروگرام) خواہ کتنے ہی غور وفکر کے بعد تیار ہوا ہو، سالم و ثابت نہین رہنے دیا جاتا، دریاباد سے قصد یہ تھا، کہ موٹر لاری پر روانگی ہوگی، اور راستہ مین بانسہ کی مشہور و متبرک درگاہ پر حاضری دیتا ہوا لکھنؤ پہونچونگا، لاریان دریاباد سے روزانہ ایک نہین تین تین روانہ ہوتی رہتی ہین، مگر اُس روز ہر امکانی تلاش و کوشش کے بعد ایک بھی نہ مل سکی، مجبوراً ٹرین سے روانہ ہونا پڑا تھا، گاڑی اس قدر لیٹ آئی، کہ راستہ مین اترکر بانسہ حاضر ہونے کا وقت باقی نہین رہا، یہ سب کچھ تو عین آغازِ سفر کے وقت پیش آیا تھا، لکھنؤ سے ۳ر شوال کو شب کے وقت روانگی کا قصد مصمم تھا، ۲ر کی سہ پہر کو بمبئی سے تار پہونچا، کہ جہاز ابھی نہین جا رہا ہے، چند روز کے لئے ارادہ ملتوی کر دو، اُسی وقت جوابی تار دیکر مزید تفصیل دریافت کی، ۳ر کی دوپہر تک کچھ جواب نہ ملا، دفترِ خلافت کو ٹیلیفون دینا چاہا، معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہی، غرض روانگی سے صرف چند گھنٹے قبل تک تذبذب و تردد ہی رہا تھا، یہی صورت بمبئی مین بھی قائم رہی، ہر روز جہاز کے دفتر ہی سے مستند و معتبر اطلاعین موصول

ہوتی تھیں، لیکن ہر پچھلی اطلاع پہلی اطلاع کو غیر مستند و غیر معتبر ثابت کر دیتی تھی!
انسانی خودی کا سب سے بڑا مظہر، اُس کا ارادہ ہوتا ہی، اسی ارادہ کو چکنا چور کیا جاتا
ہے، مغرور و نادان انسان، حج کے قصد سے نکلا ہی، پھر بھی اپنے ہی ارادہ کو غالب
و حاکم رکھنا چاہتا ہی! اپنی بے بسی کے اعتراف اور اپنی ہیچ مایگی کے اقرار کو اٹھا
ہے، پھر بھی اپنے ہی کو اختیار و قدرت والا ثابت کرنا چاہتا ہی، عبدیت و بیچارگی، بندگی
و بیکسی کا سبق لینے کو چلا ہی، پھر بھی اپنی ہی خدائی قائم رکھنا چاہتا ہی! ————
انکسار و افتقار، درماندگی و شکستگی کی تعلیم اگر اس سفر مین بھی نہ ہوگی، تو کب ہوگی؟

بارہ دن تک ہماری پوری پارٹی دار الخلافۃ مین مہمان رہی، مہمانی کے یہ معنی
نہین کہ اتنے روز تک ہم سب کا بار خلافت فنڈ پر پڑتا رہا، اس کے برعکس ہم سب کے
کھانے پینے کے بل برابر تیار ہوتے رہے، اور چلتے وقت ہم سب اپنے اپنے حسابات
آنہ پائی سے بیباق کر کے آئے، بلکہ اکثر مہمانون نے اصلی حساب سے زائد ہی خلافت فنڈ
کی خدمت مین نذر کر دیا، جس قدر کفایت یہان ٹھہرنے مین ہوئی، بمبئی کے کسی
ہوٹل مین ممکن نہ تھی، اور جس قدر آرام یہان ملا، یہ بھی اتنے خرچ مین بمبئی کے
کسی ہوٹل مین ممکن نہ تھا، مولانا شوکت علی ہر وقت جس طرح خاطر داریون مین
لگے رہتے تھے، اور اُن کی وجہ سے ہر معاملہ مین جتنی سہولت رہی، اس کا شکریہ الفاظ
کے ذریعہ سے ادا کرنا دشوار ہی، عزیزی زاہد علیخان سلمہٗ جو "زاہد خشک نہین" اس باب
مین شاید باپ سے بھی کچھ قدم آگے ہین، مولانا عرفان (ناظم مالیات خلافت) قمر صاحب
(ایڈیٹر روزنامۂ خلافت) مولوی عزیز الرحمٰن صاحب دہلوی، ان سب کی کوششین

اور عنایتین، رسمی شکریہ کی حدود سے بالاتر ہین،

اکثر حاجیون کے سامنے ایک سوال، روپیہ کے رکھنے کا ہوتا ہی، نقد روپیہ سب اپنے ساتھ رکھئے، تو خواہ مخواہ ایک بار اور ہر وقت کی فکر حفاظت کا اضافہ ہوتا ہے، ہندوستان مین متعدد کوٹھیان اور ایجنسیان ایسی ہین جہان روپیہ آسانی جمع ہو جاتا ہی اور حجاز مین بحفاظت تمام ملجاتا ہے، دہلی کے حاجی علیجان مرحوم کی کوٹھی، اس بارے مین قدیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے، ان کا کاروبار بڑے پیمانہ پر ہے، اور مکہ و مدینہ دونون جگہ ان کے معزز و دیانتدار کارکن موجود ہین، ہم لوگون کو اس توسط کی ضرورت نہین پڑی، ہم نے اپنا بیشتر روپیہ بمبئی کے مشہور سیٹھ محمد عمر بھائی چاند بھائی خازن جمعیۃ خلافت (ناگدیوی اسٹریٹ) کے حوالہ کر دیا، اور جدہ، مدینہ منورہ، و مکہ معظمہ، ان کے ایجنٹون کے نام چٹھیان لے لین، تھوڑا سا روپیہ شیخ ابراہیم عبد اللہ الفضل (نیو کوئنس روڈ چوپاٹی) کے پاس بھی جمع کرا دیا، یہ ذریعہ بھی بہت معتبر ہے، شیخ عبد اللہ الفضل نجدی الاصل ہین، اور سلطان ابن سعود کے خاص مقربون مین ہین، ان کے ایک بھائی شیخ عبد الرحمن الفضل، جدہ کے مشہور تاجر ہین، اور دوسرے بھائی محمد الفضل مکہ معظمہ مین نائب گورنر ہین، الفضل صاحب سے بمبئی مین ملاقات بھی ہوئی، اب کی سال یہ بھی عازم حج ہین، اور مجھ سے چند روز کے بعد روانہ ہونگے، جہاز پر جو لوگ جا ہین، کپتان کے پاس بھی اپنا روپیہ امانت رکھا سکتے ہین،

بمبئی اور کراچی مین حاجیون کی جہازی کمپنیان تین ہین، مغل لائن، نمازی اور شوستری، نمازی اور شوستری مسلمانون کی ہین لیکن ان پر مشترکہ کمپنیون کا اطلاق بمشکل ہی ہوسکتا ہی، خصوصاً شوستری تو بہت ہی چھوٹی ہی مغل لائن کسی زمانہ مین مسلمانون کی تھی، اب اس پر تمام تر قبضہ اس کے ایجنٹ مسٹر ٹرنر مارسین اینڈ کمپنی کا ہی، دراصل ان سب کے جہاز مال لادنے کے ہین، اور سال کے بیشتر حصہ مین یہی کام کرتے بھی رہتے ہین حج کے موسم مین انھین "مال گاڑیون" کو "سواری گاڑی" بنادیا جاتا ہی، اور ان بے جان مال واسباب کی جگہ جاندار حاجیون کو لادا جانے لگتا ہی! ٹرنر مارسین کمپنی کے چھ ڈائرکٹر ہین، ان مین صرف ایک مسلمان ہین باقی پانچون انگریز کمپنی کی شاخین رنگون سے لیکر سوئز تک خلیج بنگال، بحر ہند، خلیج فارس، بحر عرب، بحر روم مین ۴۳ مختلف مقامات پر قائم ہین، کارکن زیادہ تر انگریز ہی ہین، لیکن بحرین، بندرعباس، بوشہر، جدہ، کراچی، کویت، مسقط، وغیرہ مین مسلمان ایجنٹ ہین بمبئی کا ایجنٹ براؤن نامی ایک انگریز ہے، لوگ اس کے مزاج واخلاق کی تعریف کرتے ہین، کمپنی آٹھ جہازون کی مالک ہی، اور جہازون کی تعداد نیز عام انتظامات کے لحاظ سے، دوسری کمپنیون سے بڑی اور بہتر ہی، اسی کمپنی سے سفر کرنا طے پایا، اب تک اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مقابلہ کی کشمکش کے وقت بعض کمپنیان اپنا کرایہ بہت گھٹا دیتی ہین، اب کی یہ صورت اس وقت تک نہ تھی، اور نہ آئندہ اسکی توقع رکھنی چاہیئے، ہر کمپنی کا کرایہ یکسان اور بڑی سی بڑی سرکاری شرح کے مطابق تھا یعنی :-

تیسرے درجہ کیلئے ۱۹۵ روپیہ آمد ورفت (کفایت واپسی ہی کے

سکنڈ کلاس کیلئے ۵۰ہم روپیہ آمدورفت ٹکٹ مین ہوتی ہؔ اور
فرسٹ کلاس کیلئے ۵۵۰ " " واپسی کی مدت ۱۰ مہینے ہوتی ہؔ
جہاز کے ٹکٹ لیتے وقت وہ منظر پیش نظر ہوجاتا ہے، جو کسی میلہ کے زمانہ مین
ریلوے اسٹیشنون پر تھرڈ کلاس کے ٹکٹ گھر دن کا ہوتا ہؔ، وہی ریل پیل، وہی
دھکم دھکا، وہی انسانیت کی جگہ حیوانیت کی نمایش اور رغلبہ اپھر پاسپورٹ حاصل
کرنے کا معرکہ اس پر مستزاد، لیکن ہملوگون کے حق مین خلافت کمیٹی کا وجود آیۂ
رحمت ثابت ہوکر رہا، ع،

حلِ این نکتہ ہم ازروے نگار آخر شد!

مولانا شوکت علی، اور دوسرے کارکنانِ خلافت کی نگاہِ توجہ نے اس
مشکل کو آسان کردیا، اور گھر بیٹھے ہم لوگون کو پاسپورٹ اور ٹکٹ حاصل ہوگئے،

باب (۳)

جہاز

جہاز کی روانگی کی تاریخ خدا معلوم کتنی بار بدلی، ہماری اطلاعیں براہ راست کمپنی کے دفتر سے حاصل شدہ ہوتی تھیں ٹرنر مارلیسن کے دفتر میں ایک صاحب قاری محمد بشیر اعظم گڈھی بڑے کام کے اور مستعد آدمی ہیں، وہ بیچارے ہمارے ہر کام کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس پر بھی ہر اطلاع غلط ہی ثابت ہوتی رہی، اور روانگی برابر ٹلتی رہی، اسمیں خاصہ قصور ہم لوگوں کا بھی تھا، جو اپنی ناواقفیت اور ناتجربہ کاری سے حاجیوں کے جہاز کو ریل پر قیاس کئے ہوئے تھے، ان جہازوں کے چھوٹنے میں بہت سے ایسے موثرات کام کرتے رہتے ہیں جنکا کئی روز قبل سے صحیح اندازہ کرلینا، کمپنی کے افسروں کے اختیار سے باہر ہوتا ہے، اس لئے بہت قبل سے کوئی تاریخ قطعی طور پر متعین نہیں ہو سکتی، بہرحال ایک آدھ روز قبل متعین طور پر معلوم ہوا کہ جہاز اکبر ۲۰ مارچ کو روانہ ہوگا، یہ جہاز کچھ ایسا پرانا نہیں ۱۹۲۴ء کا بنا ہوا ہے، اور کمپنی کے جہازوں میں اوسط درجہ کا ہے، وزن ۴۰۴۳ ٹن ہے، ۱۹۲۶ء میں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کے معزز ارکانِ وفد اسی جہاز پر گئے تھے، روانگی کی تاریخ کا بالآخر تعین سنکر مایوس اور پریشان حال حاجیوں کی جان میں جان آگئی، ہم لوگ بھی انتظار سے اکتا چلے تھے

صبر وضبط کا امتحان کافی ہو چکا تھا، اور وہ جو گھر سے یہ امید لیکر چلا تھا کہ وسط شوال مین ارض مبارک مین پہونچ جائیگا، اسے وسط شوال تک بمبئی ہی مین رکا رہنا پڑا تھا، ۲۷ و ۲۸ کی درمیانی شب، خاص شوق و اشتیاق مین گذری،

جمعرات، ۲۸ مارچ، ۱۶ شوال جہاز ۱۱ بجے شب کو چھوٹنے والا تھا لیکن حاجیون کو حکم یہ ملا تھا، کہ ۸ بجے صبح اپنا سامان جہاز پر رکھدین، اور خود ۳ بجے سہ پہر کو بھپارہ (ڈس انفکشن) کے لئے حاضر ہو کر قبل مغرب جہاز پر سوار ہو جائین، اس حکم کی تعمیل مین سامان صبح روانہ کر دیا گیا تھا، لیکن اسکی روانگی مین کسی قدر دیر ہو گئی تھی، اور دوسرے حاجی بہت قبل سے پہونچکر ساری اچھی جگہین اپنے اسباب سے گھیر چکے تھے، حج کا سفر اللہ نے اس لئے رکھا ہی کہ بندہ کو بندہ بننے کی عادت پڑے، بندہ، بندگی، ایثار و بےنفسی کا سبق حاصل کرے، لیکن بندون مین ٹھیک اس کے برعکس خود غرضیون کا زور ہوتا ہے، اور ہر شخص اسی فکر مین لگا رہتا ہی کہ دوسرون کو دھکا دیکر، ڈھکیل کر، ڈرا دھمکا کر، جس طرح بھی ممکن ہو اپنے لیے بہتر سے بہتر جگہ حاصل کرے، اور دوسرون کے حقوق اور انکی تکلیفون کا مطلق لحاظ نہین رہتا، عموماً کامیاب وہی رہتے ہین، جو ہاتھ پیر کے زبردست ہوتے ہین، یا پھر وہ جو جہاز کے ملازمون کو دے دلا کر اپنا کر لیتے ہین، سہ پہر کو ہم لوگ بھپارہ گھر حاضر ہوئے، جس کی عمارت پرنسس ڈاک سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، یہان کا سمان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی، حاجیون کی جماعت اس وقت انسانون کی جماعت نہ تھی، بھیڑ بکریون کا ایک غول تھا، جسے پولیس کے کانسٹبل، اور شفاخانہ کے ملازم جس طرح چاہین ہانکتے پھرتے

سنتے ہین کہ بمبئی مین ہماری مہربان سرکار کی طرف سے کوئی محکمہ محافظ حجاج بھی قائم ہے، "محافظت" کی نئی اور انوکھی صورت آج دیکھنے مین آئی کہ بیچارے عوام کالانعام کا ذکر نہین، اچھے اچھے معزز و ذی مرتبت حاجی، فرسٹ کلاس کے ٹکٹ رکھنے والے تیز دھوپ مین حیران و پریشان، ہجوم مین دھکے کھاتے پھرتے ہین! اور عورتون بیچاریون کی حالت اس سے بھی کہین ابتر! یہ سزا ہے یاجوجی حکومت کی طرف سے اس جرم کی، کہ اس بیسوین صدی کی روشنی مین بھی لنڈن اور پیرس، روما اور ویانا، آکسفرڈ اور کیمبرج، گلاسکو، اور ایڈنبرا، نیویارک، اور واشنگٹن، کو چھوڑ کر ایک ریتیلے بیابان، اور پتھریلے ویرانہ کی طرف ذوق وشوق سے رُخ کیا جا رہا ہے! حدیث نبوی مین یہ بے شبہہ ارشاد ہوا ہے، کہ حج، یاجوج کے زمانہ مین جاری رہے گا، لیکن یاجوجی حکومتین حاجیون کے ساتھ کیا برتاؤ کرینگی، اور حاجیون پر کیا کچھ گذرتی رہیگی، اسکا تعلق سننے سے نہین، دیکھنے سے، مطالعہ سے نہین، مشاہدہ سے، اور اخبار سے نہین، تجربہ سے ہے! یہ سچ ہے، کہ اللہ کے راستہ مین نکلنے والون کے لئے ہر تکلیف عین راحت، اور ہر توہین عین عزت ہے، لیکن جو یاجوجی قومین آج اپنے دست و بازو پر نازان ہین، وہ سن رکھین، کہ یہ امتحان اللہ کی راہ مین نکلنے والون کے صبر و ضبط، کسرِ نفس و خود شکنی کا نہین، بلکہ خود زمین و آسمان کے پروردگار کے حلم کا امتحان ہے!

شوکت صاحب کل شب مین دہلی روانہ ہوگئے تھے، آج انکی جانشینی زاہد سلمہ، کے حصہ مین آئی، بیچارہ اور جہاز کے سارے معرکے زاہد صاحب ہی کی مدد سے سر ہوئے، اور "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے پرانے مقولہ کی آج نئی تصدیق حاصل ہوئی،

اللہ اس ہونہار نوجوان کو اپنے حفظ و امان مین رکھے، اور اسے پختہ دیندار مسلمان بنا دے، انجمن خدام النبی کے کارکن بڑی محبت اور سیر چشمی کے ساتھ حاجیون کو برف و شربت سے سیراب کرتے ہوئے دکھائی دیئے، کاش سرکار دولتمدار کے محکمہ محافظ حجاج مین اتنی ہی ہمدردی و انسانیت ہوتی! گھنٹون کے انتظار کے بعد بھپارہ خانہ مین ہم لوگون کی بھی "ڈاکٹری" ہوئی، یعنی برائے نام ہماری نبضون پر ہاتھ رکھکر، دو سکنڈ مین اس سوانگ کو ختم کر دیا گیا، اور عصر کے آخر وقت تک سب کے سب حاجی جہاز پر سوار ہو گئے، مجموعی تعداد قریب پندرہ سو کے پہونچی، اس وقت سے لیکر شب کے گیارہ بجے تک جو جہاز کے چھوٹنے کا وقت تھا، انسانون کے اتنے بڑے مجمع کو جسمین بوڑھے اور بچے تندرست اور بیمار، توانا اور کمزور سبھی تھے، حوائج بشری سے بالکل پاک اور منزہ فرض کر لیا گیا، گویا جہاز کا عرشہ جنت کا صحن تھا، جہان کسی کو قضاے حاجت کی ضرورت نہ پیش آئیگی! جہاز مین پیشاب اور پاخانے کی جگہین متعدد بنی ہوئی تھین لیکن، اس وقت سب کی سب مقفل تھین، اور جب تک جہاز چھوٹ نہ لیا، بدستور مقفل رہین! سنا کہ جہاز جب تک گودی (ڈاک) مین لگا رہتا ہے، اس اندیشہ سے کہ کہین ساحل سمندر گندگی و غلاظت سے لبریز نہ ہو جائے، برابر اسی طرح جہازون کے پاخانے مقفل رہا کرتے ہین، ۲ بجے بھپارہ کا وقت مقرر تھا، بہت سے غریب حاجی ۲ بجے اپنے اپنے ٹھکانون سے روانہ ہوئے تھے، اُس وقت سے لیکر ۱۱ بجے تک یعنی پورے ۹ گھنٹے کی مدت مین کمزور مثانہ والے حاجیون پر کیا گذری، کیا اس کی تصریح کی ضرورت ہے،؟

ٹھیک ۱۱ بجے شب کو جہاز مین حرکت ہوئی، اور اُس نے آہستہ آہستہ ساحل کو چھوڑنا شروع کیا، لیجئے دیکھتے ہی دیکھتے، قرب وجوار کی ساری عمارتین نظرون سے پوشیدہ ہوگیئن، اور صرف اُنکی روشنیان باقی رہ گیئن، اللہ اللہ! کیا وقت ہی! کیا سماں ہی! جہاز مین حرکت تو خیر جیسی کچھ بھی ہو، اپنے دل کی حرکت کا کیا حال ہے؟ وطن ہر لحظہ دور ہوتا جارہا ہی، وطن کی دلچسپیان ساری کی ساری پیچھے چھوٹتی جاتی ہین، بیوی بیشک ساتھ ہین، لیکن بچیان وہین ہین، والدۂ ماجدہ وہین ہین، بھائی وہین ہین، بہن وہین ہین، سارے اعزہ اور دوست وہین ہین، ساتھ کے کام کرنے والے وہین ہین، لیکن بحمد اللہ دل مین اس وقت ان مین سے کسی کی فکر نہین، فکر اُنکی نہین، جو پیچھے چھوٹ رہے ہین، فکر ہے تو اُنکی جو آگے ملنے والے ہین! دوستو! اور عزیزو! خدا حافظ! خاکِ وطن کے ذرو، خدا حافظ! سب کو اسی مالک و مولا کے سپرد کیا، سب کو اُسی کریم ورحیم کی حفاظت مین دیا جس کے در پر جبین سائی کو یہ ننگِ وطن وننگِ خاندان اس وقت روانہ ہورہا ہی، اُس کی خطائین معاف کردو، اُس کے قصورون سے درگذرو، اُسکی بیہودگیوں پر خاک ڈالو، اللہ تمھارے عیبون پر پردہ ڈالیگا، اللہ تمھارے مرتبے بلند کریگا، اللہ تمھاری خطاؤن کو معاف کریگا، لبیک اللّٰھم لبیک، اللّٰھم الیک توجھت و علیک توکلت و وجھک اردت فاجعل ذنبی مغفوراً و حجی مبروراً و ارحمنی ولا تخیبنی و اقض بعرفات حاجاتی انک علی کل شئ قدیر،

خواجہ حافظ نے مدت ہوئی فرمایا تھا ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنین حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا!

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "شب تاریک" ہی نہیں، روز روشن میں بھی، اور "بیم و موج" ہی کے وقت نہیں، سمندر کے سکون کے وقت بھی، اور "گرداب" و "تلاطم" ہی کی حالت میں نہیں، پوری ہمواری کی حالت میں بھی، حاجیوں کے جہاز کی کیفیت کا اندازہ صرف حاجی ہی کر سکتے ہیں، بغیر آپ بیتی کے "سبکساران ساحل" اس کا صحیح اندازہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں! ریل کے سفر میں جو سہولتیں بالعموم حاصل رہتی ہیں، وہ ان جہازوں میں عنقا کا حکم رکھتی ہیں، تھرڈ کلاس والوں کا ذکر نہیں وہ مخلوق تو شاید سختیاں اٹھانے اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے پیدا ہی ہوئی ہے، سکنڈ کلاس بلکہ فرسٹ کلاس والوں کو بھی قدم قدم پر یہ محسوس کرایا جاتا ہی، کہ وہ عبادت کیلئے مجاہدہ کے لئے کسر نفس کے لئے گھروں سے نکلے ہیں، اور خدا بننے کیلئے نہیں، بندہ بننے کے لئے چلے ہیں! اکبر کا شمار اچھے خاصے جہازوں میں ہی، سب سے نیچے کا حصہ ریل کی مال گاڑیوں کی طرح مال کے لئے مخصوص، اس "اسفل سافلین" کے مقابلہ میں "اعلیٰ علیین" یعنی جہاز کا سب سے اونچا عرشہ، اعلیٰ فرنگی افسروں، کپتان، چیف آفیسر، انجنیر وغیرہ کے لئے مخصوص، چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں، جنمیں نہ پنکھا، نہ ہوا کا گذر، نہ پاخانہ، نہ غسل خانہ، اوپر تلے دو بنچیں، ان کا نام "سکنڈ کلاس کیبن" جنکا کرایہ تھرڈ کلاس سے ڈھائی گنا! فرسٹ کلاس بھی اسیقدر تنگ و مختصر، البتہ انکا مقام نسبۃً بہتر، اور پنکھا ان میں موجود، لیکن پاخانہ اور غسل خانہ ان کے ساتھ بھی نہیں! اور پیشاب کی ضرورت کے لئے ہر مرتبہ، ہر فرسٹ کلاس کے مسافر کو خاصی مسافت

طے کر کے اُس عام و مشترک بیت الخلا تک جانا ہوتا ہے جس پر فرسٹ کلاس اور سکنڈ کلاس دونوں کے کل مسافروں کا یکساں حق ہوتا ہے! پھر زنانہ و مردانہ کی بھی تفریق نہیں سب کے لئے ایک ہی کافی! ایسی صورت میں اگر دروازہ پر دس دس منٹ تک لوٹا ہاتھ میں لئے امیدواری کرتی رہنا پڑے، تو حیرت کی کیا بات! طہارت کا انتظام بمنزلہ صفر! گندگی دور ہونے کے بجائے کپڑوں کے نجس ہو جانے کا اندیشہ ہر وقت لگا ہوا! آرام و آسایش کا یہ معیار فرسٹ کلاس والوں کے لئے ہے!

"جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں نہ پوچھ"! اگر "بہار" سے "خزاں" کا اندازہ کرنا ممکن ہے، تو فرسٹ کلاس کی حالت سے تھرڈ کلاس کا بھی اندازہ کر لینا ناممکن نہیں جہاز کے اسفل سافلین سے اوپر کے دو درجے تھرڈ کلاس والوں کے لئے ہوتے ہیں لیکن انھیں درجہ قرار دینا، خود لفظ "درجہ" کی تحقیر کرنا ہے! یہ درجے کیا ہوتے ہیں بھیڑ بکریوں کے باڑے ہوتے ہیں جنمیں بے زبان جانوروں کے بجائے بے زبان (اور شاید بے جان بھی!) "کالے" آدمیوں کو الٹے سیدھے، تلے اوپر، بھر دیا جاتا ہے! ادھر کوڑے کے ڈھیر، اُدھر غلاظت کے انبار! ادھر کھانا پک رہا ہے، اور دھواں ہے، کہ آنکھ اور ناک میں گھسا جا رہا ہے، اُدھر سامنے بیٹھے ہوئے چھوٹے بچے ہی نہیں، انکے باپ اور چچا، پیران نابالغ، ہر قسم کی شرم و غیرت کو بالائے طاق رکھے ہوئے، بلاتکلف، پیشاب اور پاخانہ کے مشاغل میں مصروف! روشنی کا گذر دشوار، اور ہوا کا گذر دشوار تر! رہے تھرڈ کلاس کے پاخانے اور غسلخانے، تو ان کا تو تصور بھی نفس مضمون پر بار ہوگا! جہاز کا نیچے والا عرشہ (ڈک) جہاں فرسٹ کلاس کیبن ہوتے ہیں،

درحقیقت فرسٹ اور سکنڈ کلاس والون کا برآمدہ ہوتا ہی، جو تھرڈ کلاس والے قلیون یا جہاز والون کو کچھ دے دلا کر یہان قبضہ کر لیتے ہین، وہ مزے مین رہتے ہین اور مسافرون مین بہت خوش قسمت سمجھے جاتے ہین، میٹھا پانی اول تو ملتا بہت محدود مقدار مین ہے، پھر اُس کے ملنے کے اوقات معیّن و مختصر، یہی حال کھانا پکانے کی لکڑی کا ہی، جو جہاز پر بلا قیمت تقسیم ہوتی رہتی ہی، پانی اور لکڑی، دونون کی تقسیم کے وقت جو ہنگامہ برپا ہوتا ہی جس طرح کنستر سے کنستر اور سر سے سر ٹکراتے ہین، اور بوڑھون اور کمزورون کو جس قیامت کا سامنا ہوتا ہی اُن سب کا تعلق دیکھنے سے ہے، سننے سے نہین! —— لیکن درحقیقت صبر و شکر کا سبق بھی اللہ کی اسی بے زبان مخلوق سے لینا چاہئے، دیکھنے والون کو ان پر ترس آرہا ہی لیکن یہ اپنے حال مین مست، اپنی دھن مین مگن! انھین نہ برقی قمقمون کی طلب، نہ پنکھے کی ہوس، نہ برف کی خواہش، نہ لائم جوس کی تمنا، کہین تلاوت ہو رہی ہی کہین وعظ کی محفل گرم، کہین دیگچیان مانجی جا رہی ہین، کہین کپڑے اپنے ہاتھ سے دھل رہے ہین، کہین روٹیان توے پر پڑ رہی ہین، اور تقریبًا سارے کے سارے بے فکر و بے غم! انکا میلاپن قابلِ نفرین، لیکن انکا صبر قابلِ رشک! انکا شکر قابلِ داد، اور انکی ہمت قابلِ آفرین!

مغرور و برخود غلط متمرد و سرکش، غافل و مدہوش، خاک کا پتلا، کس قدر اپنی حیثیت کو بھولا ہوا، اور اپنی حقیقت کو بھلائے ہوئے ہے، حج کا سفر، ایثار و فدویت فروتنی و نفس شکنی کا مدرسہ ہوتا ہی، اس پر بھی نفس کی فربہی مین ایک ذرہ کمی نہین،

انانیت ہر ہر قدم پر زندہ، اور نفس پرستی سے وقت کا لمحہ لمحہ معمور! مصائب سفر کا بیشتر حصہ تو خیالی اور اپنے دماغ کا پیدا کردہ ہوتا ہی، باقی تھوڑی بہت تکلیفیں جو واقعی ہوتی ہین، سو اے عزیز! اگر یہ علم صحیح قائم ہوجائے، کہ یہ کس کی راہ مین پیش آرہی ہین! تو معًا تکلیف آرام سے اور درد راحت سے تبدیل ہوجائے، ہر گمرہی کی بنیاد انسان کے اس جذبہ پر ہی، کہ وہ اپنی مرضی کو سب پر حکمران دیکھنا چاہتا ہی، اسلام اسی باطل پرستی کی تصحیح کے لئے ہے، اسلام کے معنی اپنی مرضی کو اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے محکوم کر دینے کے ہین، اور فریضۂ حج اسی مقصد کی تکمیل کا ایک آلہ ہے، پھر اگر راستہ مین کچھ امور ناخوشگوار پیش آئین، تو اُن پر بے صبری کا اظہار کیسی بڑی محرومی اور بدنصیبی ہے! دنیا مین کسی کے ساتھ ذرا سا دل کا لگاؤ پیدا ہوجاتا ہی، پھر دیکھئے، کہ اسکی گلی کا ہر کانٹا کس طرح پھول بنجاتا ہی، پس وہ جو سب محبوبون کا محبوب ہی! اور سب کی محبتون کا تاجدار ہے، اگر اسکی راہ مین کوئی بات خلاف مزاج یا خلاف توقع پیش آئے، تو وہ بات ہی ایسی کیا ہوسکتی ہی، جس کے چرچے زبانون پر لائے جائین، اور جس کے تذکرے اخبارات کے کالمون مین پھیلائے جائین!

باب (۴)

جہاز سمندر

قافلہ کے دونون جزو ملاکر کل ہم لوگ سولہ آدمی تھے، سکنڈ کلاس کی حالت اوپر بیان کیجاچکی ہے، حاجیون کے جہاز پر سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا نادانی ہے، ریل کے سکنڈ کلاس پر ہرگز اسے قیاس نہ کرنا چاہیئے، وہ آرام وآسایش یہان خواب و خیال ہے، ساڑھے چارسو اور ساڑھے پانچ سو کی رقم مین کچھ بہت زائد فرق نہین، جو لوگ صاحب استطاعت ہین، انھین چاہیئے، کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لین، اور پھر تھرڈ ہی پر قناعت کرین، ہم لوگون نے چار ٹکٹ فرسٹ کے لئے، باقی بارہ تھرڈ کے تھے، انھین بارہ مین ہم میان بیوی بھی تھے، تھرڈ سے زیادہ کی بجٹ مین گنجایش نہ تھی، طے کرچکے تھے، کہ رہی بھلی جس طرح بھی گذریگی، بہرحال ہزارون دوسری مخلوق خدا کی طرح برداشت ہی کرین گے، مگر اب خدا کی قدرت ملاحظہ ہو، شوکت صاحب خود مجھے ہمراہ لیکر ٹرنر مارِیسن کے دفتر مین گئے، اور لگے میرا التعارف اپنی زبان اور اپنے لہجہ مین کرنے، انکی زبان کون پکڑ سکتا تھا جو کچھ جی مین آیا فرماتے رہے، نتیجہ یہ ہوا، کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم میان بیوی کے ٹکٹ، تھرڈ کلاس کی قیمت کے ساتھ فرسٹ کلاس کے ہوگئے! دفتر

ہی ہین جہاز اکبر کا نقشہ دیکھکر ہمارے فرسٹ کلاس والے ساتھیون کے لیے دو کیبن مخصوص و نامزد ہو گئے، اور ہم میان بیوی کے لیے کمپنی والون نے سب سے اوپر کے عرشہ کا وہ کیبن مخصوص کر دیا، جسکی تمنا فرسٹ کلاس والون کو بھی رہا کرتی ہی، سب سے اوپر کے عرشہ پر بجز انگریز افسرون کے اور کسی کا کیبن نہین ہوتا، صرف یہی ایک کیبن خالی ہوتا ہے جو کپتان کے کیبن سے بالکل ملا ہوا ہوتا ہی، اور خوش نصیبون ہی کے حصہ مین آتا ہے! اس طرح سب سے کم خرچ مین، مین سب سے اونچی اور ہوادار جگہ پا کر، صحیح معنی مین "کم خرچ بالانشین" بنا ہوا تھا،

کریم کی دستگیریان اور مشکل کشائیان ملاحظہ ہون، کمزورون اور ناتوانون کی کس کس طرح دستگیری کیجاتی ہی، اور بزدلون اور پست ہمتون کی ہمت کس کس طرح بندھائی جاتی ہی! جہاز بھر مین جو سب سے زیادہ کم ہمت اور مشقت سے بھاگنے والا تھا، اسی پر سب سے زیادہ الطاف وعنایات کی بارش ہوئی، اور وہ جو قدم قدم پر راحت کا حریص اور آرام کا بھوکا تھا، اُسے کیسا کیسا نوازا گیا، اور کن کن طریقون سے بہلایا گیا، کُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا بیمار بچہ جب دوا سے، اور بدشوق بچہ جب مدرسہ سے بھاگتا ہی، تو دایہ کس کس طرح بہلاتی ہی، اور مان کیسے کیسے لالچ دلاتی ہی، پھر وہ جسکی رحمت وشفقت نے ہر دایہ سے بڑھکر چاہت، اور جسکی ربوبیت وکریمی نے ہر مان سے زیادہ ممتا، اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے، کیونکر ممکن تھا کہ اپنی خلقت کے نادان اور نافہم، ضدی اور ہٹیلے بچون کو یونہی بھٹکتا اور بہکتا چھوڑ دے!

اے خدا از فضل تو حاجت روا | با تو یاد ہیچکس نبود روا

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست | بے پناہت غیر پیچاپیچ نیست

دست ما چون پائے ما را می خورد | بے امان تو کسے جان کے برد

ہر سفر کی خوشگواری و ناخوشگواری مین خاصہ دخل سفر کے رفیقون کو ہوتا ہی، رفیق اگر ہم مذاق ہین، تو ہر سفر خوشگوار بن سکتا ہی، اور اگر رفیق ناجنس ملے، تو کوفت بھی اُسی درجہ کی ہوتی ہی، جہاز کے سفر مین، جہان ساری بیرونی دنیا سے بےتعلقی ہو جاتی ہی، اور ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہفتے یہ بےتعلقی قایم رہتی ہی، رفیقون کا سوال اور زیادہ اہم ہو جاتا ہی، ہمارے قافلہ کے جو اصلی اجزا تھے، انکا ذکر اوپر آچکا، مولوی عبد الباری صاحب ندوی کے والد ماجد حکیم عبد الخالق صاحب[1] کی رفاقت بہت مفید ثابت ہوئی، وہ محض ایک عبادت گذار و درویش صفت بزرگ ہی نہین، بلکہ تجربہ کار طبیب بھی ہین، اور اپنے ہمراہ مجربات کا ایک پورا بکس لے گئے تھے، راستے مین تھوڑا بہت بیمار پڑنا ناگزیر تھا، سارے قافلہ کو کم و بیش حکیم صاحب اور انکے مجربات کی ضرورت پڑی، اور سب کے دلون سے اُنکے حق مین دعاے خیر نکلی، مولانا مناظر احسن صاحب کا درد و گداز، علم و فضل، ذوق و جوش ہر موقع پر ایک نئے رنگ مین نمایان ہوتا رہا، اور انکی ایمان پرور تقریرین اور نظمین خدا معلوم کتنے دلون کو گرماتی، اور کتنے ایمانون کو تازہ کرتی رہین، انکے عزیز مولوی شاہ لطف اللہ مونگیری (خلف مولانا شاہ محمد علی مونگیری قدس سرہٗ)

---

[1] افسوس ہی کہ اس سفرنامہ کی ترتیب کے وقت تک حکیم صاحب کا انتقال ہو چکا،

بھی مع اپنی پارٹی کے بمبئی سے ہمراہ ہو گئے تھے، بہار ہی کے ایک مخلص نصیر الدین
صاحب بھی مع اپنے صاحبزادہ ضمیر الدین صاحب کے، جو اپنے صوبہ کی خلافت کمیٹی
کے ایک پرجوش کارکن معلوم ہوتے ہین، جہاز پر ملے، اور تھوڑی ہی دیر مین ہم لوگون
سے گھل مل گئے، مولوی عین الحق صاحب پنشنر جج عدالت خفیفہ، جو ایک زمانہ مین
بہار ہی تھے، مگراب لکھنوی ہو گئے ہین، والد ماجد مرحوم کے ملنے والون مین ہین،
اور دو حج اس کے قبل کر چکے ہین، ابکی اپنے تیسرے حج مین اسی جہاز پر ہین، انھین
دیکھ کر قدرتِ خدا نظر آتی ہی، لباس اس درجہ سادہ! مزاج اس درجہ قانع!
یقین ہی نہین آتا، کہ یہ بی، اے، بی، ال ہین، اور بڑے بڑے سرکاری عہدون
پر رہ چکے ہین، غازیپور کے گریجویٹ وکیل مولوی رفیع اللہ صاحب بھی اسی قبیل
کے انسان نظر آئے، ان کی شب بیداری، انکی سادگی، اور انکے ذوقِ عبادت
پر بار بار رشک آتا ہی، سب سے زیادہ دلچسپ ہستی ہمارے وطن کے چودھری محمد علی
(چمرو) تعلقدار ردولی کی ہی، جو لوگ اس ہنسنے والے اور ہنسانے والے زندہ
دل رئیس سے واقف ہین، وہ خدا معلوم اُن کے سفرِ حج کی خبر کو باور کیونکر کر سکیگے!
لیکن کریم کی کریمی مین کسی کا کیا اجارہ ہی، وہ جسے چاہے دم بھر مین نواز دے!
ہندوستان کی شیعی جماعت کے شاید وہی تنہا نمایندہ ہین، جو اس جہاز پر مع اپنی
سنی اور دیندار زوجہ محترمہ کے حج بیت اللہ کے لئے چل رہے ہین، ان سب
رفیقون اور جلیسون نے مل جل کر سفر مین وطن کی شان پیدا کر دی تھی،

سنتے تھے کہ جہاز مین متلی کی شکایت عام رہتی ہی، اور اکثر دن کو چکر آتے رہتے

ہین، یہان تک کہ بعض لوگون کی حالتین خراب ہو ہو جاتی ہین ہم لوگون نے اسکی پیش بندی مین کا غذی لیموں بہت سے ساتھ رکھ لئے تھے بعضون کے ساتھ املیان تھین، ہلکے ترش میوے اکثر متلی اور دورانِ سفر مین مفید ثابت ہوتے ہین بعض لوگون نے ایک پیٹنٹ دوا (MOTHER SEIGATS ANTI SEA-SICKNESS) کے قرص بھی جو خاصے گران ملتے ہین بمبئی سے خرید کر ہمراہ لیلیئے تھے لیکن بحمد اللہ ان چیزون کے استعمال کی ضرورت اکثرون کو مطلق نہین پیش آئی اس کی ایک خاص وجہ ماہرین سفر دریائی نے یہ بیان کی کہ موسم خشک و خوشگوار تھا اور سمندر مین تلاطم بالکل نہ تھا، مارچ اور اپریل کا مہینہ سفر بحری کے لئے خاص طور پر موزون ہین سمندر اس زمانے مین خاموش و پرسکون رہتا ہی، البتہ برسات کے موسم مین خصوصًا اُس کے آغاز مین اور اُس کے اختتام پر سمندر مین شدید تلاطم برپا رہتا ہے، اور طاقتور موجین ہولناک حد تک بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکراتی رہتی ہین، ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہی، یعنی دائین اور بائین پہلوؤن پر جھکنے اور اُٹھنے لگتا ہی اسی سے آلاتِ ہضم مین ہیجان پیدا ہو جاتا ہی، اور انسان دورانِ سر اور متلی مین مبتلا ہو جاتا ہی، ہمارا جہاز تقریبًا بالکل محفوظ رہا، اور بجز معدودے چند اشخاص کے اور کسی کو قابلِ ذکر شکایت نہین پیدا ہوئی، ایک بات تجربہ سے یہ معلوم ہوئی، کہ پرخوری اور خلوی معدہ دونون اس حالت مین مضر ہین، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیر ہضم غذاؤن سے بچنے کی ضرورت ہی، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی، بجاے اسکے کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھا لیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے، چاہے

اور ناشتہ کی ہلکی غذائین اگر دن مین بار بار استعمال مین آتی رہین، تو انشاءاللہ جہاز کی بیماری سے نجات رہیگی، ایک اور ضروری شئے تازہ ہوا ہی، تھرڈ کلاس والے بیچارے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہین، تاہم جس حد تک بھی ممکن ہو اسکی طرف انھین سبقت کرتے رہنا چاہیئے، میرا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کنارون پر نہ جمنے دیا جائے، بلکہ سمندر کے دور سے دور کنارون پر جما یا جائے تو بھی سر کے چکر سے بہت عافیت رہتی ہی،

گوری حکومت مین گوری قوم کا ہر ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہی، اور کوئی گورا کہین اور کسی مرتبہ پر بھی ہو، ماتحت نہین، حاکم اور خادم نہین، آقا بنکر رہتا ہی، حاجیون کے جہاز اس کلیہ سے مستثنی نہین ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ کمپنیان حاجیون کے روپیہ سے زندہ ہین، اور انکا مقصد وجود حاجیون کی خدمت ہی، تاہم جہاز کے جتنے بڑے عہدہ دار تھے، سب فرنگی ہی تھے، کپتان انگریز، چیف آفیسر انگریز، سکنڈ آفیسر انگریز، انجنیر انگریز، میکنیک انگریز، وایرلیس سنیر آپریٹر انگریز، جونیر آپریٹر انگریز وغیرہ وغیرہ، اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عہدہ دار تھے، اور سب کا برتاؤ حاجیون کے ساتھ وہی تھا، جو "گورون" کا "کالون" کے ساتھ اور "صاحب" کا "نیٹو" کے ساتھ ہر جگہ رہا کرتا ہی، تاہم یہ شاید حاجیون کی طویل صحبت کی برکت تھی، پایا، کہ برتاؤ فی الجملہ نرم و مہذب تھا، اور سختیان نسبتۂ کم تھین، جہاز کا سب سے بڑا افسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہی، فرنگیون سے بات چیت کرنے کو اب مدت سے جی نہین چاہتا، تاہم اس جہاز کا کپتان پی ایچ، وارڈ ایک نیکدل و سادہ مزاج انگریز ہی، جو حاجیون سے ہمدردی بھی خاصی رکھتا ہے،

اُس سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی، جہاز کا چیف آفیسر کپتن بھی ایک خوش مزاج نوجوان انگریز ہے، اس سے بھی کبھی کبھی گفتگو ہوتی رہتی تھی، کپتان کے دروازہ سے دروازہ ملا ہوا تھا، بار بار سابقہ پڑتے رہنا ناگزیر تھا،

حاجیون کے جہاز پر ابتدا سے کھانے کا مسئلہ بہت اہم رہا کیا ہی، جہاز پر جو ہوٹل افسرانِ جہاز کے لئے ہوتا ہی، اول تو عام مسافرون کے لئے ہوتا نہین، صرف فرسٹ کلاس والون کے لئے ہوتا ہی پھر کھانے کے دام زائد، اور کھانا انگریزی مذاق کا اس لئے عموماً حاجیون کے لئے اس کا وجود بیکار ہی ثابت ہوتا ہی اور ہر حاجی کو کھانے، اور کھانا پکانے کا سارا سامان لاد کر لیجانا پڑتا ہی آٹا دال چاول گھی مسالہ دیگچیان برتن چولھا سل بٹہ لکڑی چیرنے کی کلھاڑی، اور خدا معلوم اور کیا کیا، بوریون مین بھر بھر کر لادنا پڑتا ہی جس کی زحمت و مشقت محتاج بیان نہین، اِکی سال خدا کے فضل سے یہ زحمت ایک بڑی حد تک دور ہوگئی تھی، "مسلم پلگرم فوڈ سپلائی" کمپنی کے نام سے، حاجی سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی کے زیر اہتمام و نگرانی، ٹرنر مارلیسن کے جہازون پر کھانے کی دوکانین اس سال سے کھل گئی ہین، چنانچہ اکبر پر بھی اسی کمپنی کی طرف سے ایک مسلم ہوٹل موجود تھا، جو معتدل بلکہ ارزان نرخ پر مسلمان بادہ حجیون کا پکا پکایا ہوا کھانا دے رہا تھا، کسی ہوٹل کے لئے یہ ممکن نہین، کہ وہ ہر شخص کے ذائقہ کا یکسان لحاظ رکھ سکے، اور پھر یہ ہوٹل تو بھی، بالکل نیا تھا، ناتجربہ کاری کی لغزشین ناگزیر تھین، پھر بھی ہمارا ہوٹل نے اپنی بساط کے موافق بہت آرام پہونچایا، اور اس کے منیجر اور اسسٹنٹ منیجر نے حاجیون کو خوش اور مطمئن رکھنے کی اپنی

والی پوری کوشش جاری رکھی، افسوس ہے کہ کمپنی والون نے ہوٹل کو کافی مشتہر نہین کیا تھا، اور ہوٹل کھلنے کی اطلاع صرف چند اخبارون تک محدود رہی تھی، اس لئے حاجیون کے عام اور دیہاتی طبقہ کو اسکی اطلاع بھی نہین ہوسکی تھی اور وہ لوگ حسب دستور اپنے اپنے گھرون سے پورا سامان لاد کر لائے تھے، اور اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے رہے، آیندہ کے لئے میرا مشورہ ہی کہ حاجی صاحبان بڑی تعداد مین اسی مسلم ہوٹل کی سرپرستی فرمائین (بشرطیکہ یہ کمپنی مسلمانون کی عام غفلت وبے حسی کا شکار ہوکر ٹوٹ نہ جائے) اس مین سہولت بھی رہیگی، اور کفایت بھی، تاہم وقت ضرورت کے لئے مختصر سامان کھانے اور کھانا پکانے کا خود اپنے ساتھ بھی رکھنا ضروری ہی، محض ہوٹل کے بھروسہ پر رہنا غلطی ہی، اور کمزور معدہ والون کو تو ہرگز کسی ہوٹل کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے، جو لوگ خوشحال ہین، اور جن کے معدہ اور ذائقہ کو انگریزی کھانا ناموافق نہین پڑتا، وہ جہاز کے انگریزی ہوٹل سے اپنے کھانے کا انتظام رکھ سکتے ہین، کھانے کی شرح غالبًا تین روپیہ یومیہ ہی،

جہاز پر جہاز کے سَو ڈیڑھ سَو ملازمین کے علاوہ، مسافرون کی تعداد قریب پندرہ سو کے ہے، گویا ایک چھوٹے قصبہ کی پوری آبادی ہے، سب سے بڑی تعداد دیہاتی بنگالیون کی ہی خصوصًا مشرقی بنگال والون کی، جو بیچارے اپنے جسم اور دماغ دونون کی کمزوری کی بنا پر، بلا ارادہ دوسرون کے لئے باعث تکلیف بنے ہوئے ہین، تھوڑے تھوڑے لوگ بہار، یوپی، ملابار، گجرات اور بمبئی کے بھی ہین، ان ڈیڑھ ہزار مین، سَو دو سَو ایسے ہین، جو جوان ہین، تندرست ہین،

تعلیم یافتہ ہین، آسودہ حال ہین، اور دنیوی وجاہت و منصب رکھتے ہین، باقی عموماً بیچارے ایسے ہین، جو بوڑھے ہین، کمزور و بیمار ہین، غریب ہین، لکھنے پڑھنے سے معذور ہین، جاہ و منصب سے محروم ہین، گمنام ہین، اور خود دنیا کو ترک نہین کرتے ہین، بلکہ دنیا انھین ترک کر رہی ہے، کیا حج بیت اللہ انھین بیچارون کے لئے فرض رہگیا ہی؟ اور وہ جو اونچی اونچی کوٹھیون مین رہتے ہین، جو سجے سجائے بنگلون مین بستے ہین، جو نفیس نفیس موٹرون پر سوار پھرتے رہتے ہین، جنکے بڑے بڑے کھاتے بنکون مین کھلے ہوئے ہین، جو دو دو ہزار، اور چار چار ہزار ماہوار کی تنخواہین رکھتے ہین، جو بڑے بڑے تعلقون اور زمینداریون کے مالک ہین، جو یورپ اور ہندوستان کی یونیورسٹیون کی بڑی بڑی ڈگریان رکھتے ہین، جو نامور بیرسٹر ہین، جو مشہور ڈاکٹر ہین، جو نامی انجنیر ہین، جو کامیاب ایڈیٹر ہین، جو خان بہادر ہین، جو سی، آئی، ای ہین، جو نواب اور نواب زادے ہین، جو کونسلون کے ممبر ہین، جو تھیٹر اور سینما، اور ناچ اور ہر فرنگی "آرٹ" کے شیدائی ہین، جو اپنی اولاد کو لندن اور پیرس، برلن اور ویانا، آکسفرڈ اور کیمبرج بھیجتے رہتے ہین ——— شاید ان سب سے فریضۂ حج ساقط ہوگیا ہی!

سمندر۔ کامران

۲۹؍ مارچ، ساحل بمبئی سے جہاز ۱۱ بجے شب کو چھوٹا تھا، رات تو خیر جوں توں کٹ گئی، صبح اٹھ کر دیکھا، تو ہر طرف عالم آب، جہاں تک بھی نظر کام کرتی ہے، بجز پانی کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا، اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کاہے کو دیکھا تھا' بڑے سے بڑے دریا جو اب تک دیکھے تھے، وہ بھلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں! صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہی! نہ کوئی اسٹیشن آتا ہی! ہر وقت ایک ہی فضا محیط، ہر سمت ایک ہی منظر قائم! دن طلوع ہوتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں، راتیں آتی ہیں اور گذرتی جاتی ہیں! نہ کوئی خط نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے انبار! نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا! اپنا مٹی کا گھروندا ہی، کہ ہر لحظہ پیچھے چھوٹتا جارہا ہی، پر وہ گھر جسے لامکان کے مکین نے اپنا گھر کہکر پکارا ہی، ہر آن نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جارہا ہی! زمین چھوٹ گئی، لیکن آسمان نہیں چھوٹا، ادھر جہاز ہوا اور پانی سے ہچکولے کھا رہا ہی، ادھر دل کی کشتی ہے، کہ یاس و امید کی کشاکش میں ابھی ڈوبی اور ابھی ابھری (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے!) دل ابھی

اپنی اس خوش نصیبی پر نازان، کہ کسی کی کشش کس کو کہاں سے کہاں لئے جا رہی ہے! اور ابھی اس خوف سے لرزان، کہ اپنی محرومیوں اور شور بختیوں سے دیکھئے اب بھی نجات ملتی ہے، یا نہیں! ابوجہل اور ابولہب آخر عمر بھر اسی بیت اللہ کے جوار میں رہے، پھر انھیں تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق روزانہ دیدار رسولؐ سے مشرف ہوتے رہے، پھر ان کے دلوں کے پتھر تو نہ پسیجے! ـــــــ لیکن یہ کیا وہم آرائی و پریشان خیالی ہے، وہ کریم، جو اپنے گھر مہمان بلا رہا ہے کیا اپنے در کے گداگروں کی جھولی میں بھیک بھی نہ ڈالے گا؟ اسکی رحمت کی فراوانی اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دیکھتی ہے نہ استحقاق کو، اسے تو محض عطا و بخشش، محض نوازنے اور سرافراز کرنے سے سروکار ہے، اور بس!

گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں، دن دو دن بھی نہیں، پورا ایک ہفتہ ہو گیا، اور خشکی کا کہیں نشان نہیں! جنگل کے درندے نہ سہی، باغ و صحرا کے چرندے نہ سہی، ہوا کے پرندے تک نہیں! ادھر پانی ادھر پانی، آگے پیچھے، داہنے، بائیں ہر سمت پانی ہی پانی! اوپر نیلا آسمان، نیچے نیلا سمندر، زمین کی بے بساطی اب جاکر محسوس ہوئی! خشکی کے بڑے بڑے شہر اور چھوٹے آبادیاں، اور بستیاں، جنگل اور پہاڑیاں، سڑکیں اور ریل کی پٹریاں، ریگ کے تودے، اور پہاڑوں کی چوٹیاں، جنکی وسعت اور کثرت، عظمت و ہیبت ابتک دماغوں میں رچی، اور آنکھوں میں بسی ہوئی تھی، اب معلوم ہوا، کہ خالق کے بحر قدرت کے سامنے نہیں، بلکہ اپنی ہی جیسی، ایک دوسری مخلوق کے سامنے کتنی

حقیر اور کیسی بے حقیقت چیزین ہین! جل جلالہ! جس سمندر کو دیکھتے دیکھتے آنکھین تھک جاتی ہین، جو معلوم ہوتا ہے کہ اب کبھی ختم نہ ہوگا، وہ دنیا کے پانچ بڑے سمندرون مین سے صرف ایک سمندر ہے! اور اُن پانچون مین بھی سب سے بڑا نہین، بلکہ دوسرے چھوٹا ہے! پھر ظاہر ہے، کہ وہ بھی پورے کا پورا بہ یک وقت پیش نظر نہین، بلکہ اسکا ایک مختصر جزو آنکھون کے سامنے ہے! اللہ اکبر! جب جزو اور ادنیٰ جزو مین یہ ہیبت رکھ دی گئی ہے، تو کُل کے مشاہدہ سے کیا کیفیت طاری ہوتی ہو گی! آج یہ ہیبت اور لق و دق سمندر، اور کرۂ ارض کے سارے معلوم سمندر، یاجوج کے قبضہ مین ہین، وہ جسے چاہے اسمین جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے، اور جب اور جس کو چاہے، اللہ کی کاریگری کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اٹھانے سے روک دے۔ "خلق" خدا کی ہو تو ہو، لیکن سمندر اور سمندرون کے بندرگاہ، جہاز اور انکے بیڑے، محکمہ بحری (ایڈمرالیٹی) اور خداوندان بحر (SEDLORDS) تا رسیڈ و اور ڈریڈناٹ، کروزر اور ڈسٹرائر، آج ہانکے پکارے کہہ رہے ہین، کہ "امر" اور "حکم" (نعوذ باللہ) یاجوج کا ہے —— پھر اگر ایسے حال مین آپ کسی سچے کا قول سنتے ہین کہ "یاجوج و ماجوج سمندر کا پانی پی جائین گے" تو آپ اس پیشینگوئی کے پورے ہونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیون انتظار کرنے لگتے ہین!

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا، دل نے کہا کہ یہی وہ سمندر ہے جس کی بابت ارشاد ہوا ہے، کہ اگر سارا سمندر روشنائی بنجائے، اور اسی جیسا ایک اور سمندر بھی روشنائی

بنا دیا جائے جب بھی قدرتِ الٰہیہ کے بحرِ بیکران کے کلمات لکھنے سے قاصر رہیگا!
لیکن یہ روشنائی آئندہ ہی کیوں بنے، روشنائی تو یہ اب بھی بنا ہوا ہی، نیلی روشنائی
ہی کی طرح نیلا ہی، بحرِ قدرت و صنعت کے اتھاہ اور بے پایان ہونے کا یہ کیسا نادر
نمونہ ہی! اسی کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے یہ سمان بھی آگیا، کہ ایک روز یہ سارا
بحر اعظم، یہ سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے ہوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے
ہوئے شعلوں، اور دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہیگا! یہ وہ دن
وہ ہوگا جب "یاجوج" اپنے مایۂ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں، اپنے تیل کے چشموں
اور اپنے پٹرول کے خزانوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے لنکا کے
راون کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا، اور جب اُسکی حرص و ہوس، اُسکی ملک گیری
اور زر پرستی، اسکی قیصریت (امپیریل ازم) اور کیپٹیل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے
سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے
ہونگے! یہ وہ دن ہوگا، جب ارشادِ ربانی وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کی تفسیر و تاویل
کے لئے نہ تفسیروں کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی، نہ اہلِ لغت کے کلام سے
سند لانے کی، بلکہ عالم و عامی، سب اپنی آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ
کرلیں گے! آج "یاجوج" کو مہلت ہی، آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور
دماغوں کو، ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال
و حشم سے، اپنی تہذیب اور تعلیم سے، اپنے علوم اور اپنے فنون سے، اپنے ڈاکٹروں اور
اپنے انجینیروں سے، اپنے سائنس اور اپنے آرٹ سے، اپنی توپوں اور اپنی قلعوں
سے، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب

اور مخبوط اور مفلوج کرے لیکن یہ مہلت سدا رہنے والی نہین، اور کسے خبر کہ پردہ اٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہو!

۴- اپریل، جمعرات، آج سہ پہر سے دور دور کے پہاڑی ساحل دکھائی دینے لگے ہین، اور آبادی کے دیکھنے کو آنکھین ایسی ترسی ہوئی ہین، کہ آبادی کی ان بعید اور دھندھلی علامتون کو بھی غنیمت سمجھکر بڑے شوق و اشتیاق کے ساتھ آنکھین پھاڑ پھاڑکر اور دوربینین لگا لگا کر انھین دیکھا جارہا ہی، شب مین جہاز عدن کے قریب سے بغیر لنگرانداز ہوئے گذر گیا، ۵ر اپریل، جمعہ، آج آٹھ بجے صبح کامران مین لنگرانداز ہوا، کامران، چار ہزار کی آبادی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہی، جو جنگ عمومی کے بعد سے ترکون سے نکل کر انگریزی قبضہ مین آگیا ہی، ایک انگریز حاکم برٹش ملٹری ایڈمنسٹریٹر کے نام سے رہتا ہی، جن حاجیون کے جہاز عدن مین نہین رکتے، عرب کی سرزمین پر انکا پہلا قدم یہین پڑتا ہی، اصلی نام قمران تھا، مگر اب شاید اسی مناسبت سے، کہ یہ زمین کامیابی و کامرانی کا پہلا نشان ہی، اس کا نام بھی عام زبانون پر کامران ہوگیا ہی، یہان حاجیون کا "قرنطینہ" ہوتا ہے، یعنی سرکار برطانیہ کو اپنی غریب رعایا کی جان و صحت کا اس قدر درد رہتا ہی، کہ اگرچہ ہر حاجی گھر سے چیچک کے ٹیکہ کا ڈاکٹری سرٹفکیٹ لیکر چلتا ہی اور باوجود اس کے کہ بمبئی (یا کراچی) مین سوار ہوتے وقت ڈاکٹری معائنہ ہو چکتا ہے پھر بھی حاجیون کے جہاز یہان روکے جاتے ہین، اور حاجی یہان غسل اور ڈاکٹری معائنہ کے لئے مجبور کئے جاتے ہین، کاش اس "دلسوزی" اور "غمخواری" کا عشر عشیر بھی فرنگستان کے مسافرون کے حصہ مین آتا!

جس مقام پر جہاز لنگر انداز ہوتا ہے، وہاں سے ساحل میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، اتنی مسافت کشتی پر طے کرنی ہوتی ہے، جہاں کشتی رکتی ہے، وہاں سے مقام غسل تک بھی دو تین فرلانگ کا فاصلہ ہے، چنانچہ ہم لوگ بھی اتارے اور پہونچائے گئے۔ کامران، گویا حاجیون کا غسل خانہ ہے، غسل عموماً تفریح و انبساط کا ذریعہ ہوتا ہے، مگر یہ سرکاری غسل جو بڑے بڑے ڈاکٹرون کی نگرانی و اہتمام مین دیا جاتا ہے، بجائے لطف و تفریح کے، انقباض و تکلیف کا ایک آلہ ہوتا ہے! حاجی اپنے اپنے سامان کا بیشتر حصہ جہاز ہی پر چھوڑ آتے ہین، صرف مختصر سامان لے کر اترتے ہین، سب سے پہلے انھین غسل خانہ کے برآمدہ مین لاکر بٹھایا جاتا ہے، اور جس وقت اُنکی ٹولی کی باری آتی ہے، ایک بڑے کمرے کے اندر ان سب کو داخل کر کے ان کے سارے کپڑے اتروا کر ایک مختصر سی لنگی، جو ناف سے گھٹنے تک شاید ہی پہونچ سکتی ہو، باندھنے کو عنایت ہوتی ہے، اسی کو نہاتے وقت باندھنا، اسی کو نہانے کے بعد باندھے رہنا، اسی سے بھیگا ہوا جسم خشک کرنا، یہ ساری ضرورتین ماہرین فن اطبا سرکاری کے نزدیک اسی 'چار گرہ کپڑے' سے پوری ہو سکتی ہین! جن قومون کے دماغ سرے سے ستر پوشی کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہین اور جن کے ہان علانیہ سب کے سامنے برہنہ غسل کرنے کا رواج ہے، وہ اگر مشرقی و اسلامی جذبات کا اتنا بھی لحاظ کر لیتی ہین، تو یہ انکا غایت کرم اگر نہین تو اور کیا ہے؟ (جن خوش نصیبون کے ساتھ میری طرح خاص رعایت و نوازش مدنظر ہوتی ہے، انھین بجائے ایک کے دو لنگیان عنایت فرما دیجاتی ہین!) "یہ لنگوٹی" جسم پر لپٹوانے کے بعد سب کے سرون پر حمام کی ٹونٹیان کھول دی جاتی ہین، اور سب کو دو دو بار (ایکبار دواؤن کے پانی سے اور ایکبار سادہ سرد پانی سے) نہلایا جاتا ہے، اس ٹھنڈے

غسل کے معاً بعد دوسرے کمرہ (جامہ خانہ) مین لا کر بجلی کے پنکھے کھول دیئے جاتے ہین
اور نہائے ہوئے حاجیون کے بھیگے ہوئے اور تر بتر جسم کو جس کے خشک کرنے کیلئے
کسی حاجی کے پاس قطعاً کوئی کپڑا نہین ہوتا پنکھے کی ہوا سے خشک کیا جاتا ہے! اور
اکثر حاجیون کو چونکہ دوسری لنگی نصیب نہین ہوتی، اس لئے اس حالت مین وہی بھیگی
ہوئی لنگی اُن کے جسم سے بدستور لپٹی ہوئی رہتی ہے!

اس کا نام اہتمام صحت ہے! یہ "سرکار" کی طرف سے حاجیون کی جان اور زندگی
کے رکھ رکھاؤ کا انتظام ہے! یہ اونچی اونچی تنخواہین اور الاؤنس پانے والے ہندوستان
اور یورپ کی ڈگریان رکھنے والے حاذق ڈاکٹرون کے اہتمام و نگرانی مین طریقۂ غسل
ہے! لیکن اب بھی پڑھنے والے کے سامنے "غسل" کا پورا نقشہ نہین آیا، جامہ خانہ مین
آنے کے بعد "جامہ تلاشی" شروع ہوتی ہے یعنی حاجیون کے جسم سے، قبل غسل جو سارے
کپڑے اتروا لئے گئے تھے، اور اتروا کر اُس ٹولی کے بیسیون دوسرے حاجیون کے
کپڑون کے ساتھ بھپارے مین ڈال دیئے گئے تھے، وہ اب ایک بڑے گٹھر مین بھیگے
بھاگے سارے دوسرے کپڑون کے ساتھ خلط ملط لائے جاتے ہین، اور ہر حاجی
اس انبار مین سے اپنے کپڑے تلاش کرنا شروع کرتا ہے! "سرکار" کا جامہ خانہ اس وقت
اچھا خاصہ دھوبی خانہ معلوم ہوتا ہے، (خدا نہ کرے کوئی دھوبی اتنا پھوہڑ، بدسلیقہ
اور تکلیف دِہ ہو) گیلے اور تر بتر کپڑون کا ایک آرڈم سامنے ہوتا ہے، اور بھیگے ہوئے،
تر بتر جسم پر بھیگی تر بتر لنگیان باندھے ہوئے، حاجی پنکھے کی ٹھنڈک مین اپنے اپنے
کپڑون کی تلاش مین مصروف! کپڑون کی جو گت بنجاتی ہے اسے چھوڑیئے خود انسانون

کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے، ذرا اس کا تصور کیجیے! اور اپنی شفیق و مہربان "سرکار" کو دل سے دعائیں دیجیے! پانچ پانچ دس دس منٹ اس تلاشی مین لگجاتے ہین، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے، تو انھیں بھیگے ہوئے کپڑون کو بھیگے ہوئے جسم پر پہنکر، ہوا اور دھوپ مین حاجیون کو اپنے اپنے خس پوش بارکون مین جانا پڑتا ہی، جو قریب سے قریب بھی نصف فرلانگ کے فاصلہ پر ہین، ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر! قرنطینہ جہان کہین بیماری بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران مین حاجیون کے لئے تو یقیناً بیماری بھگانے کی نہین، بیماری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہی، اور یہ سنکر ذرا بھی حیرت نہ کیجیے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہی! چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی دو چار نہین، خدا معلوم کتنے، کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے، ایک صاحب کو دمہ کا دورہ پڑگیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا، کہ ان کی جان ہی لیکر اترا، اور نزلہ، زکام، وحرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غسلخانہ کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہی، اصلی بیہودگی زنانہ غسلخانہ کے لئے اٹھ رہتی ہی، یہان نہلانے والیان شاید خاص طور پر اپنی مہیب صورتون اور مہیب ترسیرتون کی بنا پر انتخاب کرکے رکھی گئی ہین، ان کے ہاتھون شریف وحیادار خاتونون پر جو کچھ گذرتی ہے، اسکا تذکرہ اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہین، نہلاتے وقت یہی نہین کہ انکے جذبات حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہین کیجاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درشتی، اور

بد تہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روا رکھی جاتی ہی، چنانچہ ہمارے قافلہ کی جتنی عورتین غسل خانہ سے نکلین، سب نہایت برہم و نالان، گویا روتی ہوئی نکلین، وہ تو کہیے، کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پرواہی نہین رہتی، ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہو، تو ہمارے ہان کی بے زبان عورتین بھی، اس برتاؤ پر، اتنی بے زبان اور اس قدر بے دست و پا ثابت نہ ہون! ــــــ سنا ہی، کہ اسمبلی کے بعض مسلمان ممبرون کی تحریک پر حج کمیٹی، حاجیون کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قایم ہوئی ہے، امید ہی کہ اس کمیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کامران سے متعلق اپنے ذاتی تجربات تفصیل سے بیان کرین گے، اور اسکی لغویتون کے مٹانے مین جد و جہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھین گے،

لیکن کیسی تکلیف، اور کہان کی مصیبت! ایک اہل دل مدت ہوئی ہندوستان سے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، بمبئی اور کامران دونون جگہ قرنطینہ کی بلائین پیش آئین اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انھین کہنا پڑا کہ یہ قرنطینے حاجیون کیلئے "سخت قید خانے" ہین، جب لوگون نے یہان کی دقتین زیادہ بیان کرنا شروع کین، تو انھون نے فرمایا کہ "میان سفر حج سے ملکون کا سیر و تماشہ

---

[1] سنہ ۲۹ء کے آخر مین، حج کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے معزز حاجیون نے اپنی آپ بیتی سنا سنا کر قرنطینہ کامران کی شدید و پر زور مخالفت کی، اس متحدہ صدائے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو بہرحال ظاہر ہوا کہ سنہ ۳۱ء سے حاجیون کے ہر جہاز کے لئے یہان کا قرنطینہ لازمی نہین رہا، بلکہ صرف حسب ضرورت رکھ دیا گیا، ہیر بزرگ صاحب (انبالہ) کی کوششین اس باب مین خاص شکریہ کی مستحق ہین،

مقصود نہین، بلکہ یہ نفوس کے تزکیہ اور تجلیہ کے لئے ایک مجاہدۂ عظیم ہی، پہلا قرنطینہ
بہ ارادۂ الٰہی اس لئے قائم ہی، کہ دلون پر جو ظلمت اور کدورت چھائی ہوئی ہی، یہان کے
آلام جسمانی و روحانی سے ان کا تصفیہ ہو جائے، کامران کا قرنطینہ اس غرض سے ہی کہ یہان
کے قیام سے عرب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے، اور حصول برکات کی قابلیت حاصل
ہو جائے، اس کا نام تجلیہ ہی، حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہین ہوتا، جو کچھ
ان بزرگ نے فرمایا، وہ بالکل صحیح ہے، جسم کی بیماریان دور ہوتی ہون یا نہ ہون،
بدن کی کثافتین دھلتی ہون یا نہ ہون، لیکن اس عجیب قرنطینہ اور عجیب تر غسل
سے ہر حاجی کو اضطراراً ایک مجاہدۂ عظیم پر مجبور ہو جانا پڑتا ہی، بہت سے گناہون کا
کفارہ ہو جاتا ہی، اور روح آلائشون سے یقیناً بہت کچھ پاک ہو جاتی ہی،

باب (۶)

کامران احرام

کامران کی مستقل لغویت کے تذکرہ کو کہان تک پھیلایا جائے، جو کچھ بھی پیش آتا ہی، بہ ارادۂ الٰہی کسی مصلحت وحکمت ہی کی بنا پر پیش آتا ہی، صبر کے سوا چارہ نہین، شکر سے بہتر مداوا نہین، لیکن یہ جو کچھ لکھا گیا، یہ "جگ بیتی" تھی، "آپ بیتی" یہان بھی سفر کی دوسری منزلون کیطرح، نسبتہً بڑے مزے کی رہی، ادھر ہماری کشتی کنارے سے لگی، اُدھر اُسی لمحہ ڈاکٹر کی سرکاری موٹر لانچ بھی پہونچی، اور ساحل پر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر قاسم چوہان سے تعارف ہوا، یہ چیف میڈیکل آفیسر کہلاتے ہین، اور یہان کے سیاہ وسپید کے مالک ہین، ان کے "اوصافِ حمیدہ" حیدرآباد کے بعض دوستون سے خوب سُن چکا تھا، تاہم میرے ساتھ توفی الجملہ مہربانی ہی سے پیش آتے رہے، دوسرون کو صرف ایک لنگی ملتی تھی، مجھے دو لنگیان عنایت فرمائین، دوسرون کو غسل کے لئے پون پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہی، میرے لئے جلدی کرادی، دوسرون کو چھپرون کے نیچے رہنا ہوتا ہی، مجھے پختہ بارک مین بلا کرایہ رہنے دیا، ان ڈاکٹر صاحب کی خدمت مین دوستانہ گذارش ہی کہ اگر اپنے وسیع اختیارات کے اظہار مین کسی قدر کمی فرمادین، تو خود انھین کے حق مین بہتر ہوگا، ان کے ماتحتون مین ڈاکٹر حاجی خفا

کا برتاؤ تمام حاجیون کیساتھ پھادیکھنے مین آیا ڈاکٹر فقیر اللہ بھی بھلے آدمی معلوم ہونئے، جزیرہ کا بڑا حاکم برٹش ملٹری ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے، اس وقت جو حاکم ہے اس کا نام ای ڈیکم ہے، فوجی کپتان کا عہدہ رکھتا ہے، خلیق اور خوش مزاج ہے، مین غسل کرکے بھیگی لنگی باندھے ہوئے ابھی جامہ خانہ مین کھڑا اپنے کپڑے تلاش کر رہا تھا، کہ ایک انگریز کو مین نے اپنے پاس کھڑا ہوا پایا، جو اردو مین مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سب اچھا ہے؟" ڈاکٹر چوہان بھی پاس ہی ٹہل رہے تھے انھون نے بتایا کہ یہ انگریزی جانتے ہین، اس کے بعد انگریزی مین باتین ہونے لگین، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بہت دیر تک جاری رہین، بڑی بے تکلفی سے سیاسیات حاضرہ سے لیکر اپنے بیوی بچون تک ہر مسئلہ کو اپنا موضوعِ گفتگو رکھا، علی برادران کا بھی ذکر آیا، اور "بڑے بھائی" خدا معلوم اس خبر کو کس دل سے سنین گے، کہ جتنی دیر تک ان کا ذکر خیر رہا، اس سے کہین زیادہ دیر تک "چھوٹے بھائی" اور ان کے اخبار ہمدرد کا رہا!

کیمپ مین ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے، جمعہ کی نماز اسی مین پڑھی، عرب کی سرزمین پر یہ پہلی نماز اور پہلا جمعہ نصیب ہوا، سہ پہر تک کیمپ کے "بازار" مین سناٹا تھا، یعنی بجز بھنگ روٹی اور چائے کے کوئی شے نہین ملتی تھی، شام سے کچھ قبل کچا گوشت فروخت ہونے لگا، جو قیمت مین خاصا گران تھا، اور جسے پکانا صرف انھین لوگون کے لئے ممکن تھا، جو پکانے کا پورا سامان اپنے ہمراہ لیکر جہاز سے اترے تھے، کیمپ کے ایک گوشہ مین پانچ یا چھ پاخانے بنے ہوئے ہین، صبح کے وقت

جب ڈیڑھ دو ہزار انسانون کا مجمع، جسمین بد تہذیب اور گنوار مرد بھی شامل ہوتے ہین، اور پردہ نشین شریف خاندانون کی حیادار اور شرمیلی بہو بیٹیان بھی، لوٹا ہاتھ مین لئے ہوئے ان چند پاخانون پر حملہ آور ہوتا ہی، تو اس وقت کی کشمکش اور ریل پیل دیکھنے کے لائق ہوتی ہی! ——— لیکن اس کی شکایت ہی کیا، اور اسکا شکوہ کیون؟ یہ کیمپ آخر حاجیون ہی کا کیمپ ہوتا ہی، اور حاجی غریب کسی یاجوجی حکومت سے راحت وآسایش کی توقع ہی کیون رکھے؟ اس کا کام تو فی کس عہ رکے حساب سے قرنطینہ کامران کی فیس دیدینا ہی، اور بس! راحت وآسایش ہی کا اگر خیال ہی، تو اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ مین حج وعمرہ، طواف و سعی، زیارت وعبادت کے لئے سفر ہی کیون اختیار کیا جائے؟

جسکو ہو دین ودل عزیز اسکی گلی مین جائے کیون!

کیمپ کا وسیع احاطہ لوہے کے تارون سے گھرا ہی، جس کے باہر قدم رکھنا ممکن نہین، کامران مین انگریزی ڈاکخانہ بھی ہی، بہت سے لوگون نے خطوط لکھکر یہان وطن روانہ کئے، شب یہین بسر کی، ۶ راپریل کی صبح کو اس "قید فرنگ" سے نہ سہی "قرنطینۂ فرنگ" سے نکلنے کی اجازت ملی، اور خاص عنایت واہتمام سے کام لیکر سب سے پہلی کشتی ہماری ہی ٹکڑی کو دلائی گئی، سب مسافرون کے جہاز تک پہونچنے مین کوئی چار گھنٹے لگے ہون گے، دس بجے کے قریب جہاز نے لنگر اٹھا دیا، اور روانہ ہوا۔

کامران کی سب احتیاطیان، اب رنگ لائین، سرکاری غسلخانے مین ماہرین فن

ڈاکٹروں کے زیر ہدایت ونگرانی جو بدپرہیزیاں کرائی گئی تھیں، اُنکا اثر ظاہر ہونا تو کامران ہی سے شروع ہو گیا تھا، اب پوری طرح نمودار ہو گیا، کسی کو کھانسی کسی کو حرارت، کتنوں کو زکام، اور کتنے اچھے خاصے تیز بخار میں پڑ گئے، لکھنؤ کی ایک بیوی کو جو پہلے سے بھی کسی قدر علیل تھیں، اتنا تیز بخار چڑھا، کہ چند روز کے بعد اُنکی جان ہی لیکر اترا، انا للہ، مولوی عبد الباری بیچارے کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، غرض جس کسی کو دیکھئے، کامران کی یادگار کوئی نہ کوئی بیماری لئے ہوئے، یہ نتیجہ ہے سرکاری اہتمام صحت کا! یہ ثمرہ ہے حاجیوں کے ساتھ سرکار کی ہمدردی وغمخواری کا! کامران کے قریب کا سمندر بھی کسی قدر پُرشور ہے، اس لئے اب جو جہاز چلا، تو اسمیں حرکت بھی زیادہ محسوس ہونے لگی، اور بہت سے لوگ دورانِ سر اور متلی میں مبتلا ہو گئے، لیکن بحمد للہ یہ شکایت بہت زائد بڑھنے نہیں پائی، اور رات تک از خود سکون ہو گیا،

---

۷ اپریل (۲۶ شوال) یکشنبہ، آج جہاز یلملم کے سامنے سے گزرنے والا ہے، جو اہلِ ہند کا میقات ہے، میقات اُس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سے عازمانِ حج اپنا معمولی لباس اتار کر احرام باندھتے ہیں، جہاز جب یلملم کے مقابل آجاتا ہے، تو حاجیوں کی اطلاع کے لئے زور سے سیٹی دیدی جاتی ہے، آج حاجیوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے، جہاز یلملم کے سامنے تو کہیں پانچ بجے سہ پہر کو پہونچے گا، اور جہاز کی سیٹی اسی وقت ہو گی، لیکن حاجیوں میں چہل پہل صبح ہی سے شروع ہو گئی ہے، حجامتیں بنوائی جا رہی ہیں، غسل کئے جا رہے ہیں، خوشی خوشی احرام کی نئی نئی

اجلی اجلی چادریں نکالی جارہی ہیں نفل نمازیں پڑھی جارہی ہیں جہاز پر بہت معلم یا اُن کے ایجنٹ بمبئی ہی سے ہمراہ ہولئے ہیں سب اپنے اپنے حاجیوں کی ٹولیاں بنائے ہوئے انھیں احرام باندھنے کی نیت تلقین کرا رہے ہیں، احرام بندھوا رہے ہیں لیجئے دو پہر تک سب کے احرام بندھ گئے سب کے سب اپنے ہاتھوں ہنسی خوشی گویا کفن پوش ہوگئے، دل مسرت سے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارکباد دیئے جارہی ہیں، اور ہر طرف سے "لبیک" "لبیک" کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوگئی ہیں!

آپ نے دیکھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے، پوشش و لباس کے سارے امتیازات مٹ گئے! سنتے چلے آئے ہیں، کہ النّاس باللباس انسان اپنی پوشاک سے پہچانا جاتا ہے، اور اُس کے مرتبہ کا اندازہ اُس کے لباس سے لگایا جاتا ہے، لیکن آج اس قاعدہ پر عمل کیونکر ہوگا؟ آج کس لباس سے خادم کو مخدوم سے پہچانا جائیگا، اور کس پوشاک سے غلام کو آقا سے الگ کیا جائیگا؟ ابھی کل تک اس دنیا میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی، امیر بھی اور فقیر بھی، رئیس بھی اور مزدور بھی، خوشحال بھی اور مفلس بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، نامور بھی، اور گمنام بھی، تعلقدار بھی اور رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چپراسی بھی، پر آج کس کو کس سے شناخت کیا جائیگا؟ —— سب سے بڑے مہاراجہ کی راجدھانی کے حدود شروع ہوگئے، اب نہ کوئی راجہ ہے نہ کوئی ٹھاکر، سب کے سب اسی کی پرجا، کل کے کل اُسی کے چاکر، سارے کے سارے اُسی کی رعایا ہیں! مالک

دربار کی سرحدین شروع ہوگئین، اب نہ کوئی بڑا ہی نہ کوئی چھوٹا، نہ کوئی امیر ہی نہ کوئی
وزیر، نہ کوئی حاکم ہی، نہ کوئی عالم، نہ کوئی خان بہادر ہی، نہ کوئی لیڈر، سارے
کے سارے غلام ہین، اور سب کے سب بیکس اور بے بس بندے! اب نہ ہیٹ ہی نہ
پگڑی، نہ عمامہ ہی، نہ شملہ، نہ ترکی ٹوپی ہے، نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے، نہ عبا، نہ
کوٹ ہے، نہ شیروانی، نہ کالر ہے، نہ ٹائی، نہ پتلون ہی، نہ پاجامہ، سب کی زبانون
پر لبیک لبیک کے ترانے ہین، اور سب کے جسمون پر بے سلی ہوئی دو دو چادرین!
یہ وائسرائے کا دربار نہین، لاٹ صاحب کا ڈر نہین، ہائیکورٹ کی عدالت نہین!
یہان نہ ایوننگ ڈریس کی ضرورت، نہ گاؤن کی حاجت، نہ پاتابہ اور دستانہ
کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے، یہ اُس قدرت اور حکومت والے
اُس عزت اور جلالت والے کے دربار کی حاضری ہے، جو کلکٹر صاحب اور
کمشنر صاحب، جج صاحب اور ڈاکٹر صاحب، لاٹ صاحب، اور بڑے لاٹ صاحب
قیصر جرمنی اور شاہ برطانیہ، فرانس کے وزیر اعظم اور جمہوریہ امریکہ کے صدر، اٹلی
کے مسولینی اور انگلستان کے لائڈ جارج، مصطفےٰ کمال، اور جواہر لال، سب
کی جانون اور سب کی زندگیون کا یکسان مالک ہی! اس دربار کی وردی
سب سے انوکھی، سب سے نرالی، سب سے الگ ہے، یہان قدر زرین کلاہون کی نہین!
یہان عزت رنگین قباؤن کی نہین، یہان طلب صرف کفن پوشون کی ہے!
—— اُن کی جو جیتے جی مُردون کا لباس پہن چکے ہین، اُنکی جو اس لباس
کی یاد تازہ کیے ہوئے ہین، جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیوی
لباس جسم کو مس نہ کرسکے گا، مبارک ہین وہ جو زندگی ہین موت کا لباس پہن چکے

ہین، مبارک تر ہین وہ جو زندگی مین اپنے نفسون کو مردہ کرچکے ہین! آج انکا لباس ہی مردون کا لباس نہین انکا نفس بھی مردون کا نفس بن چکا ہے، لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج، لڑنا جھگڑنا، شہوتون اور خواہشون مین مبتلا ہونا زندون کا کام ہے، مردون کو بھی کسی نے رفث اور فسوق اور جدال مین مبتلا دیکھا ہی؟

لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لا شریک لک لبیک الہ الحق لبیک لبیک و سعدیک و الخیر بیدیک، نماز کے بعد صدائین ہین تو یہی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، چڑھتے اترتے ایک دوسرے سے ملتے جلتے، صاحب سلامت کرتے صدائین ہین تو یہی، ملائکہ کو اگر رشک کا موقع ہو سکتا ہی، تو یہی، آج حاجیون سے بڑھکر خوشی کس کو ہو سکتی ہی؟ جس محبوب کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، دوست چھوڑے، عزیز چھوڑے سفر کی ساری کڑیان جھیلین، اس کے شہر کا پہلا پھاٹک کھل گیا، داخلہ کی اجازت مل گئی، حاجیون سے زیادہ خوش نصیب آج کون ہوگا؟ اور ان سے زیادہ خوشی اس وقت کس کو ہوگی؟ ڈیڑھ ہزار حاجیون مین سے تقریباً سب کے سب احرام پوش ہو گئے، البتہ دیوانون کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی، جس نے اس وقت احرام نہین باندھا، اس جماعت کا ایک خادم گھر سے یہی نیت کر کے نکلا تھا، کہ جدہ پہونچ کر پہلے سیدھے آستانۂ نبوی پر حاضری دیجائیگی، اور پھر وہان سے انشاء اللہ حج بیت اللہ کی نیت کیجائے گی، حضرت بایزید بسطامی رح

کی بابت منقول ہی کہ آپ حج کے ساتھ ضمناً و طبعاً مدینہ منورہ کی زیارت خلافِ ادب اور اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ اس کے لئے ایک مستقل سفر تازہ احرام کیساتھ اختیار فرماتے تھے، خیر، یہ تو بڑے مرتبہ کے لوگوں کی باتیں ہیں لیکن اگر کسی امتی کو وہیں سے سفرِ حج اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہو جہاں سے اُس کے رسولِ برحقؐ نے کیا تھا، اور اسی مقام سے احرامِ حج باندھنے کی دولت نصیب ہو جائے جہاں سے خود مرشدِ اعظمؐ نے باندھا تھا، تو اس میں شریعت و طریقت، ظاہر و باطن، حنفیت و حنبلیت، کسی کو کچھ گفتگو کی گنجائش ہی؟ اور اگر کسی کو ہو بھی، تو بہر حال اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا مسلک ہی،

معلموں کی ایک خاصی جماعت (خدا ان پر رحم فرمائے اور انھیں راہِ ہدایت دکھائے) جو بمبئی سے جہاز پر ہمراہ ہو گئی تھی، اس نے کامران سے غل مچانا شروع کر دیا کہ جدہ سے کسی کو براہ راست مدینہ منورہ جانے کے لئے سواری نہ ملیگی اور سعودی حکومت نے براہ راست مدینہ کا سفر حاجیوں کے لئے بند کر رکھا ہی، اس لئے سب کو مکہ کے قصد سے یلملم ہی میں احرام باندھ لینا چاہئے، اس جماعت میں سب سے پیش پیش خود ہمارے معلم عبد القادر سکندر تھے، جو شاید کسی زمانہ میں عرب یا ترک رہے ہوں، مگر اب تو سالہا سال سے لکھنؤ ہی کے ہیں، اور بمبئی سے جہاز پر ہمراہ تھے، بہت سے نیکدل و سادہ مزاج احباب جو اپنے ہی اوپر معلموں کو بھی قیاس فرما رہے تھے، دھوکے میں آگئے اور معلموں کے ہنگامہ سے متاثر ہو کر جہاز پر سب کے ساتھ احرام بند ہو گئے،

لیکن بحمد اللہ ایک مختصر گروہ آخر تک اس فریب مین نہ آیا، اور مدینۂ پاک کی حاضری سے ابتدا کرنے کی نیت پر قایم رہا: موجودہ حالاتِ حجاز کی "طلسم ہوشربا" سکندر صاحب نے سنانی شروع کی تھی، یہ اس کی پہلی حکایت تھی، آیندہ کیلئے تمام عازمانِ حج کی خدمت مین بڑے اصرار کے ساتھ گذارش ہی، کہ اپنے معلمون کی صداقت و دیانت کے متعلق زیادہ حسن ظن ہرگز نہ قایم فرمالیا کرین، اور انکی بہم پہونچائی ہوئی اطلاعات کی تحقیق دوسرے ذرائع سے ضرور کرلیا کرین،

باب ۷
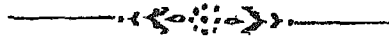
جدّہ

۸؍ اپریل، دوشنبہ، آج جدّہ پہونچنے کا دن ہے، آج دلون کے شوق و اشتیاق کا کیا پوچھنا؟ اسباب کی بندش رات ہی سے شروع ہو گئی تھی، صبح سویرے سے جہاز کی بالائی عرشون پر حاجیون کے پرے جمے ہوئے، سب کی نگاہین ساحل کی طرف لگی ہوئی، ساحل جون جون قریب آتا جاتا ہی، پانی کا رنگ بجائے نیلے کے سبز ہوتا جاتا ہی، اور بحری پہاڑیان کثرت سے نمودار ہوتی جاتی ہین، دن نکلنے کے بعد ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف آتی ہوئی نظر آئی، اس کشتی پر عرب کپتان سوار ہی، اندرون ساحل جہاز کی رہنمائی بھی عرب کپتان کریگا، لیجئے، وہ کشتی جہاز سے آکر لگی، اور عرب کپتان دم بھر مین کھٹ کھٹ کرتا ہوا جہاز کے سب سے بالائی حصہ مین کپتان کے پاس پہونچ گیا، اب اس وقت سے جہاز کی رہنمائی کا مالک و مختار بھی عرب ہی، ——— شاید کارکنانِ قضا و قدر کو بھی موزونیت اسی مین نظر آئی کہ ملک عرب مین داخلہ کے وقت رہنمائی کا فرض ایک عرب رہنما ہی کے ہاتھون انجام پاتا رہے، ——— آٹھ بجے ساڑھے آٹھ بجے اب جدّہ کی عمارتین صاف نظر آنے لگین، مگر شہر اب بھی

ڈھائی تین میل دور ہی، تو بیچے بیچ جہاز لنگرانداز تھا، مگر بمبئی کی طرح جدہ مین جہازون کے لئے کوئی پلیٹ فارم نہین اور کیون ہونے لگا تھا؟ جدہ مین آخر حاجیون ہی کے جہاز تو ٹھہرتے ہین نہ؟ اور حاجی کیون یہ ہر مرتبہ بھول بھول جاتے ہین، کہ اس دورِ علم و تمدن مین اُنکا وجود جانورون اور چوپایون سے کچھ ہی بہتر ہے، ساتوین صدی عیسوی کے کہنہ و فرسودہ احکام و شرایع پر عمل کرنیوالے آخر اس کی توقع ہی کیون قایم کرتے ہین، کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی اُن کے نصیب مین بیسوین صدی عیسوی کی سہولتین اور آسایشین آسکین گی؟

جہاز کی حرکت رُکی، اور جہاز پر حرکت شروع ہوئی، چیخ پکار، غل و شور، دوڑ بھاگ، ظاہر ہی کہ جہاز کہین بھاگا نہین جا رہا ہی، ٹھہرنے ہی کے واسطے رکا ہی، اور نہ جدہ کی زمین کہین چلی جا رہی ہی، لیکن اتنا صبر کس کو، اور اتنے انتظار کی توفیق کسے، جہاز سے کشتیون پر اترنے کے لئے زینے صرف دو، اور ان دو زینون پر ڈیڑھ ہزار کے مجمع کا ہجوم! ہر شخص بیتاب، کہ سب سے پہلے خود ہی اتریگا، اور اپنا اسباب اتاریگا، یہ اسے گھسیٹ رہا ہی، وہ اسے ڈھکیل رہا ہی، یہ اسے دھکا دیرہا ہے، وہ اسے کہنیان مار رہا ہی، طاقتورون اور چیرہ دستون کی بن آئی ہے، باقی کمزورن اور ناتوانون، بیمارون اور بچون، بوڑھون، اور بوڑھیون پر جو کچھ گذر رہی ہی، اس کی بجز خدائے علیم و بصیر، سمیع و خبیر کے اور کسے خبر! ایک نفسی نفسی کا عالم، ہر سمت محشرِ اضطراب! یہ ان لوگون کا حال ہی، جو ایثار و بےنفسی کا سبق لینے کو نکلے ہین،! یہ اس سفر مین پیش آرہا ہی، جسکا مقصد

ہی صبر وضبطِ نفس کی تعلیم ہے، یہ عین اُس گھڑی پیش آ رہا ہے جس وقت دوسرون
کی خدمت واعانت ہی سب سے بڑا مقصود ہو نا تھا ——— غیرون کے جو
مظالم آپ پر ہوتے چلے آئے ہین، اور اس وقت ہو رہے ہین، اُنکا دکھڑا تو آپ
بڑے درد کے لہجہ مین روتے ہین، لیکن للہ ایک مرتبہ ذرا آئینہ ہاتھ مین لیکر ارشاد
ہو کہ خود آپ نے اپنے اوپر ظلم کرنے مین کون سی کسر اٹھا رکھی ہے، وما اصابکم
من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوعن کثیر۔

جہاز کے رکتے ہی دو موٹر لانچ (دخانی کشتیان) نمودار ہوئین، ایک مین
جہازی کمپنی (ٹرنر مارلین) کے کچھ عہدہ دار تھے، اور دوسری مین انگریزی قنصل
خانہ کے افسر، ان کے علاوہ کچھ سعودی حکومت کے نمایندے بھی تھے، ڈاکٹر
وغیرہ مسافرون کو اترنے کی اجازت ملنے سے قبل ان سب حضرات کو اپنے اپنے
سرکاری خدمات کے ضابطے اور رسوم پورے کرنے تھے، اور ان کے لئے
خاصہ وقت درکار تھا، ٹرنر مارلین کے دفتر مین ہمارے جوار وطن اسیدن پور
ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے قاضی عزیز الدین صاحب سالہا سال سے کارکن
اور بڑے کارگذار ہین، انکی کارگذاریون کے واقعات اپنے جوار کے بعض حاجیون
کی زبانی سن چکا تھا، یہ جہاز پر اپنی سرکاری ضرورتون سے آتے ہی رہتے ہین،
کپتان کے کمرے سے نکلے ہی تھے کہ مجھ سے تعارف ہوا، پردیس مین دیس
کے آدمی کی شکل دیکھ کر طبیعت کو قدرۃً جو خوشی حاصل ہوتی ہے، اسکا اندازہ
وہی کر سکتے ہین، جنھین خود کبھی ایسی صورت پیش آ چکی ہے، بیچارہ لطف و

اخلاق سے ملے چند ہی منٹ کے بعد ایک اُن سے بھی زیادہ کارآمد اور صاحب اختیار افسر منشی احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو عرصہ سے جدہ کے انگریزی قنصل خانہ مین ہین اور اس وقت شعبۂ حجاج کے ذمہ دار افسر ہین، انکی بابت مختلف روایات وحکایات سننے مین آئی تھین، تاہم اتنے جزو پر سب کا اتفاق تھا کہ یہ جس پر مہربان ہو جاتے ہین، اُسکا کام اپنے اثر و اقتدار سے خوب نکال دیتے ہین، آدمی باخبر ہین، اخبارات وغیرہ پڑھتے رہتے ہین، مجھ سے واقف نکلے، اور بڑی خندہ جبینی سے پیش آئے، بعض احباب نے اُن کے نام کے تعارف نامے بھی دیدیئے تھے لیکن انکی خوش اخلاقی کے بعد یہ تعارف نامے غیر ضروری تھے، ان دونون جدید مہربانون نے صلاح یہ دی، کہ اپنی پارٹی کو مع اسباب کے سردست جہاز پر چھوڑے جاؤن، اور خود ان کے ساتھ انکی سرکاری کشتیون پر چلا چلون، بالآخر یہی طے پایا، اور اپنے قافلہ کو جہاز پر چھوڑ کر، مین تن تنہا قاضی عزیز الدین صاحب کے ہمراہ، ٹرنر مارسین کمپنی کے موٹر لانچ پر سوار ہو کر ساحل کو روانہ ہوا، اسی موٹر لانچ پر ہمارے جہاز کے کپتان پی، ایچ، وارڈ، اور چودھری محمد علی ردولوی بھی آ ئے،

ساحل پر قدم رکھتے ہی، قاضی صاحب تو" روکردہ از ما یکطرف" بغیر ہمین کوئی ہدایت دیئے کپتان کو ساتھ لئے، اپنے دفتر کی طرف چلے گئے، اور ہم نووارد اجنبیون کو بالکل ہماری قسمت پر چھوڑ گئے، مین تنہا تھا، چودھری صاحب کیساتھ مستورات بھی تھین اور کچھ سامان بھی، اب محکمۂ کچہری کے مختلف لوگون نے ہم سے سوالات شروع کئے، اور زبان کی اجنبیت کا عملاً احساس اس وقت سے شروع

ہوا، وہ لوگ نہ فارسی بول سکتے تھے، نہ انگریزی نہ اردو، رہی عربی، سو عربی اول یہان آتی ہی کیا ہی، اور غلط سلط، ٹوٹی پھوٹی ایک آدھ فقرے بولنے کی جو کوشش کیجاتی، سو اسکو وہان کے لوگ "نحوی" کہتے، اور سرے سے عربی ہی نہین تسلیم کرتے پاسپورٹ کی دکھائی یہین ہوتی ہی، اور اس کی اصلی ضرورت سارے سفر بھر مین اسی موقع پر پیش آتی ہی، بہرحال چنگی خانہ کے مختلف عمال کے سامنے حاضری دینی پڑی، میرے پاس اسباب مطلق نہ تھا، صرف گلے مین ایک تھیلا پڑا تھا، اسمین چند خطوط اور ہنڈیان وغیرہ تھین، محکمہ چنگی کے مختلف عمال اپنی ساری قوت تفتیش وتحقیق انھین کاغذات کی الٹ پلٹ مین صرف فرماتے رہے اور ادھر یہ اندازہ ہوتا رہا، کہ "سرخ فیتہ" (RED TAPE) خواہ بحر ہند کے ساحل پر ہو یا بحر احمر کے، ہر جگہ کچھ یکسان ہی سا ہوتا ہی! چودھری صاحب کے ساتھ چونکہ بکس وغیرہ بھی تھے، اس لئے قدرۃً ان بیچارہ سے باز پرس بھی زائد ہوتی رہی، اور غالبًا بکس کھلوا کر دیکھے گئے، اس گیر و دار مین ہین اور وہ علیحدہ بھی ہوگئے، اور مین بغیر کسی رفیق و رہنما کے اس اجنبی مقام مین بالکل تنہا رہ گیا، بارے تھوڑی ہی دیر کی حیرانی و سرگشتگی کے بعد ہمارے وکیل کا ایک ملازم مل گیا اور وہ وکیل صاحب کے مکان تک لے آیا، فاصلہ گو دو تین فرلانگ سے زائد نہ تھا، لیکن ایک تو عرب کی دوپہر، اور پھر مقام کی اجنبیت، اس لئے مسافت اس وقت زائد محسوس ہوئی،

سفر حجاز مین جہان تک حج و متعلقات حج کا تعلق ہے، ہر حاجی کی

"عقل کل" اُس کا معلم ہوتا ہی، ہندوستان کے لئے حکومت حجاز کی طرف سے سیکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کو "معلمی" کی اجازت حاصل ہی، ادھر حاجی نے مکہ مین قدم رکھا اُدھر اُس کی زندگی کا ہر ہر قدم معلم کے حدود اختیار مین آگیا، مکہ مین قیام کا انتظام، طواف کا انتظام، سعی کا انتظام، منیٰ، عرفات، و مزدلفہ مین رہنے کا انتظام، قربانی کا انتظام، سواری کا انتظام، غرض چھوٹی بڑی ہر شے معلم ہی کے ذریعہ سے طے پاتی ہے، جدہ مین ہر معلم کی طرف سے ایک نمایندہ یا ایجنٹ مقرر رہتا ہی، جو یہان کی اصطلاح مین اُس کا "وکیل" کہلاتا ہی، اور جس طرح مکہ مین حاجی کے لئے معلم ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ یہان جدہ مین "وکیل" کو حاصل رہتا ہے، ہم سے ساحل پر اترتے ہی قبل اس کے کہ محصول خانہ اور جنگی گھر کے مرحلے طے ہون، دریافت کیا گیا تھا کہ تمھارا معلم کون ہے؟ اور جب جواب مین عبدالقادر سکندر کا نام بتایا گیا تھا تو اُن کے وکیل جدہ، صاحب بیسونی نے بڑھکر ہمارے پاسپورٹ کو، بلکہ خود ہم کو اپنے قبضے مین کیا، سکندر کے وکیل کا نام محمود بسیونی ہے، مگر اب وہ کبرسنی کی بنا پر خانہ نشین ہو گئے ہین، صاحب بسیونی اُن کے لڑکے ادھیڑ عمر کے ہین، اور چونکہ ہندوستان مین عرصہ تک رہ چکے ہین، اس لئے اردو بخوبی سمجھ لیتے، اور الٹی سیدھی بول بھی لیتے ہین، انکا نوجوان لڑکا مصطفےٰ بسیونی گو بے تکلف ہونے سے قبل اردو بولتے ہوئے شرماتا ہی، لیکن حاجیون کا کام نکالنے اور انھین آرام پہونچانے مین اپنے والد سے کہین بڑھکر ہے، ہم کو انھین وکیل صاحب کے مکان مین لایا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے سارے قافلہ کے لوگ بھی یہین پہونچ گئے

اور دوپہر ہوتے ہوتے "چار درویش" کے چار چند یعنی پورے سولہ درویش انکے مکان مین اکٹھا ہو گئے ا

جدّہ ہندوستان کے شہرون کے معیار سے کوئی بڑا شہر نہین، کوئی پندرہ ہزار کی آبادی ہو گی، لیکن اپنی جغرافی ہیئت کے لحاظ سے اہمیت بہت خاصی رکھتا ہے، بازار اچھا بڑا ہے، ہر قسم کی چیزین مل جاتی ہین، اور گرانی کچھ ایسی زائد نہین، سکہ ہر ملک کے چل جاتے ہین، ہندوستان کے چاندی کے سکے بے تکلف چلتے ہین، البتہ نکل کی ریزگاری نہین چلتی، ہندی سکہ کا تبادلہ حجازی سکہ سے بآسانی ہو جاتا ہی، کھانے کی دوکانین بکثرت، اور پیٹ بھرنے کے قابل کھانا قدم قدم پر مل جاتا ہی، البتہ اچھے ہوٹل ذرا تلاش کے بعد ہی ملتے ہین، اور اُن کے نرخ کا تحمل بھی ہر شخص کے بس کی بات نہین، ڈاکخانہ ہے، اسپتال ہے، مہینہ مین تین مرتبہ ہندوستان کی ڈاک نکلتی ہے لیکن ہندوستان کے ڈاکخانون سے یہان کے ڈاکخانہ کو کوئی نسبت نہین، ہر کام توکل پر چلتا ہے، صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہین، یہان کی مکھیان اپنی کثرت کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہین، عرب کی سرزمین شروع ہو چکی ہی، اس لئے گرمی کی بابت کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، برف مل جاتی ہی، اگرچہ گران قیمت پر، پانی کی قدر جہاز ہی سے شروع ہو جاتی ہی، اور عرب پہونچکر تو پانی کے بارے مین ہندوستان کی پڑی ہوئی مسرفانہ عادتون کی اچھی خاصی اصلاح ہو جاتی ہے، جدّہ مین میٹھا یعنی سمندر کا صاف شدہ پانی تلاش سے اور خاصی گران

شرح پر ملتا ہی، کھاری سمندری پانی البتہ بہ افراط، مکانات کی وضع بمبئی کے مکانات سے ملتی جلتی، یعنی صحن کا رواج برائے نام، اور اوپر تلے چار چار پانچ پانچ منزلون کا رواج عام! انھین کمرون کو کھڑکیون کی مدد سے خاصا ہوادار بنا لیا جاتا ہی، ہندوستان کے لوگون کو جس شے کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، وہ یہان کے پاخانے ہین، مہترون کی قسم سے کوئی قوم یہان موجود نہین، نتیجہ یہ ہے کہ ہر مکان مین بہت گہرے سنڈاس، کنوین کی طرح گھرے بنے ہوئے ہین، انھین مین رفعِ حاجت کی جاتی ہے، اور ان کی عفونت مکان کے دوسرے حصون تک پھیلی رہتی ہے، زبان، موجودہ بگڑی ہوئی عربی ہی، جسے قرآن مجید کی عربی سے کوئی نسبت نہین، تاہم اردو بھی اچھی خاصی سمجھ لیجاتی ہی، اور محض اردو دان بھی اپنا کام نکال ہی لیتے ہین، حاجیون کے ہجوم کے زمانے مین ہر ہر گھر مسافرخانہ بنا ہوا، ہزارہا غریب حاجی سڑکون پر اور گلیون پر پڑے ہوئے، مملکت آصفیہ حیدرآباد، ریاست بھوپال اور ریاست ٹونک کی طرف سے مکہ و مدینہ مین رباطین (تکیا گاہین) بنی ہوئی ہین، اگر جدہ مین بھی ہندوستانیون کے لئے دو ایک بڑی رباطین بنجائین، اور انتظام اچھے ہاتھون مین رہے، تو کم سے کم حاجیون کی ایک جماعت کو تو بڑی سہولت حاصل ہو جائے، آبادی مین ہندوستانیون کا عنصر بالکل غائب نہین، مہاجنی اور تجارت کے سلسلے مین صوبہ بمبئی خصوصاً علاقہ گجرات و کاٹھیاوار کے لوگ اکثر نظر آئے، انگریزی قنصل خانہ مین، نیز موٹر کمپنیون مین صوبہ پنجاب کی نمایندگی ممتاز ہی، جہازی کمپنیون کے دفتر مین بمبئی، بہار، اور اودھ کے چہرے اور قیافے نظر پڑے

جدہ، سرزمین عرب کا پھاٹک ہے، حکومت اسلام کا پہلا شہر ہے، اُجڑا یا بھلا جیسا بھی ہے، اپنا ہے، اور اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کسے نہیں ہوتی! لیکن ــــــ اے سب عزتوں کے مالک! ایک گستاخ مشتِ خاک کو یہ کہنے کی اجازت دے کہ ــــــ اب تو کسی کو بھی "اپنا" کہتے ہوئے دل لرزتا ہے، اور زبان ہچکچاتی ہے، خیر، قرطبہ، غرناطہ کو تو مدت ہوئی بھول چکے، لیکن ابھی کل کی بات ہے، کہ بصرہ اپنا تھا، بغداد اپنا تھا، حلب اپنا تھا، بیروت اپنا تھا، دمشق اپنا تھا، بیت المقدس اپنا تھا، قاہرہ اپنا تھا، قسطنطنیہ اپنا تھا اور کچھ ہی قبل شاہجہان آباد اپنا تھا، اکبرآباد اپنا تھا، لاہور اپنا تھا، ملتان اپنا تھا، لکھنؤ اپنا تھا، مرشدآباد اپنا تھا، عظیم آباد اپنا تھا، ڈھاکہ اپنا تھا، بیجاپور اپنا تھا، کرناٹک اپنا تھا، آج ان میں سے کوئی "اپنا" ہے؟ پھر جدۂ غریب کی خیر کب تک منائی جا سکتی ہے؟ یا جوج کا پھریرا گو آج ضابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو، لیکن جدہ کے کوچہ و بازار، در و دیوار سب یاجوج ہی کی عظمت کے نقیب بن چکے ہیں، دوکانوں میں مال ہے تو ولایتی، بازاروں میں سودا ہے تو ولایتی، مکانوں میں سامان ہے تو ولایتی، جسموں پر لباس ہے تو ولایتی، عقلیں مرعوب قلوب مفلوج! کوئی کس چیز سے دل کو سمجھائے، اور کیا کہکر اپنے کو دھوکا دے!

سرزمین اسلام کا اسلامی شہر، اور دل ترستا رہ گیا، کہ کسی محدث کی زیارت سے آنکھیں روشن ہوں، کسی بزرگ صاحب باطن کی نگاہِ کرم دل کو گرمائے، کسی فقیہ کے حلقۂ درس و افتاء کی تازگی و شگفتگی تھکے ماندے مسافر کی خستگی و ماندگی کو دور کر دے! پر آہ، یہ کچھ بھی نہ ہونا تھا! ہر تمنا ناکام، ہر آرزو منفعل!

ہو کر رہتی تھی، سو ہو کر رہی، مسجد مین نماز کئی وقت پڑھی، یہ شہر کے عمائد و اکابر ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیئے، اور دل نے تاسف کے ساتھ کہا کہ حضرت اکبر مرحوم کا تجربہ ع

"کونسل مین بہت سید مسجد مین فقط جمّن!"

صرف ھندوستان ہی تک محدود نہین، دریاے جمنا کا کنارہ ہو یا بحر احمر کا ساحل، آج مسجد کی آبادی جہان کہین بھی قایم ہے، میان جمّن ہی کے دم سے ہے!

باب ۸

جدّہ — راہ مدینہ

صالح بسیونی نے ہمین اپنے ذاتی مکان مین ٹھہرایا، یہان عموماً کئی کئی منزلون کے مکانون کا رواج ہی، یہ مکان بھی کئی منزل کا ہی، ہم لوگون کو جگہ دوسری منزل مین ملی، ہمین دو کمرے ہین، ایک بڑا اور ایک اوسط درجے کا، عورتون کو بڑے کمرہ مین کر دیا، چھوٹے کمرے کو مردانہ رکھا ہی، سامان زیادہ تر نیچے کی منزل مین رہنے دیا، سولہ آدمیون کے لیے دو کمرون کی گنجایش ناکافی معلوم ہو رہی ہی، صحن نہ ہونے سے گرمی علی الخصوص محسوس ہو رہی ہی —— لیکن یہ بھی درحقیقت اللہ کی ناشکری ہی، سیکڑون ہزارون، اللہ کے بندے ایسے بھی ہین جنھین اتنی جگہ کیا معنی، اس کی آدھی بلکہ چوتھائی بھی نصیب نہین، اور وہ صبر وشکر کے ساتھ تیز دھوپ مین تپتی ہوئی زمین کے اوپر، سڑکون اور راستون مین، بستر جمائے بیٹھے ہین، وہ بھی آخر انسان ہی ہین، وہ بھی حاجی ہین، وہ بھی پردیسی ہین، وہ بھی اللہ ہی کی راہ مین گھر بار، عزیزون، دوستون کو چھوڑ کر نکلے ہین، اور ان مین سب کے سب مفلس اور کنگلے ہی نہین، کیا انھین آرام کی خواہش نہین؟ کیا انھین موسم کی سختیون کا احساس نہین ہوتا؟ —— جدّہ کا رقبہ کچھ بہت بڑا نہین، اس لئے مقامات

زیادہ دور دو رنہین، جہان ہم ٹھہرے ہین، بازار یہان سے قریب ہین، ڈاکخانہ بھی
زیادہ فاصلہ پر نہین، اور مسجد تو بالکل پڑوس ہی مین ہے، اتفاق سے آج ہی ہندوستان
کی ڈاک روانہ ہونے کا دن ہی خطوط لکھ کر ڈاک مین ڈالے نہین گئے، بلکہ پوسٹماسٹر
صاحب کے ہاتھ مین دیدیئے گئے،

سامنے ایک لق و دق، شاندار و آراستہ عمارت کھڑی ہوئی ہی، معلوم ہوا
کہ شیخ محمد نصیف صاحب کا مکان ہی، یہ یہان کے ایک امیر کبیر ہین، بمبئی سے ایک
صاحب نے اپنی کسی ضرورت کے متعلق ایک خط اُن کے نام کا مجھے دیا تھا، اسے
لیکر، مولانا مناظر احسن صاحب کے ہمراہ دوپہر کو ان کے ہان گیا، عربی وسعت اخلاق
اور حجازی شان مسافر نوازی کے ساتھ پیش آئے، اردو نہین جانتے، صرف عربی مین
گفتگو کرسکتے ہین، چنانچہ مولانا سے عربی ہی مین گفتگو ہوتی رہی، ایک عظیم الشان کتبخانہ
کے مالک ہین، بڑی بڑی الماریون مین نفاست و سلیقہ کے ساتھ کتابین چنی ہوئی، اور
گفتگو کے بعد معلوم ہوا، کہ کتابون کا ذخیرہ محض الماریون کی زینت کے لئے نہین، بلکہ
دل و دماغ مین بھی اپنا گھر بنا چکا ہی، ظہر کی نماز انھین کے مکان پر جماعت کے ساتھ
نجدی امام کے پیچھے پڑھی، یہین ایک صاحب سے یہ کہکر ملایا گیا کہ وہ شیخ محمد بن
عبدالوہاب کے پوتے ہین، اور یہ بھی کہا گیا، کہ نجد کے مشاہیر علما مین ہین، مولانا
مناظر نے ان سے کچھ سوالات کئے، جوابات اُس معیار پر نہ ملے، جس کی توقع ایک
صاحب نظر عالم سے ہو سکتی ہی، سنا ہے، کہ سلطان ابن سعود جب جدہ آتے ہین،
تو شیخ محمد نصیف ہی کے ہان فروکش ہوتے ہین، ۲۶ء مین ہندوستان کا

وفدِ خلافت جو سلطانی مہمان تھا، وہ بھی جدہ مین شیخ موصوف ہی کے ہان ٹھہرایا گیا تھا
بسیونی کے ہان، بند کمرون مین شب بسر کرنے مین دقت تھی، شب مین مین نے
اور مولٰنا مناظر صاحب نے شیخ موصوف سے اُن کے کھلے ہوئے ہوادار چبوترہ پر لیٹ
رہنے کی اجازت مانگی، شیخ نے اپنے لطف وکرم سے بمسرت تمام اجازت دیدی،
اور ہم دونون کی رات بڑے آرام سے اور شیخ کی شکرگذاری کیساتھ بسر ہوئی

جدہ اترتے ہی سفر مدینہ کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی، عمر بھائی چاند بھائی
نے جدہ مین ہنڈیان ایک ہی نام کے دو ساہوکارون شیخ جمال الدین اور
سیٹھ جمال الدین ٹپنی کے نام کی دی تھین، دونون سے ملاقات ہوئی، اول الذکر
نے بڑی مستعدی، اور مستعدی سے بھی بڑھکر ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ سارا کام
کر دیا، یہی نہین کہ رقم فوراً ادا کر دی، بلکہ یہ صحیح وضروری مشورہ دیکر کہ اندرون
حجاز، انگریزی نوٹ اور روپیہ سے کہین بڑھکر انگریزی گنیان کام دیتی ہین،
رقم کو نوٹ سے گنیون مین تبدیل کر دیا، روپیہ ہاتھ مین آتے ہی چلنے کی فکر
ہوئی، جدہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اونٹ کے قافلے بھی چلتے ہین، اور اب
موٹر بھی کثرت سے چلنے لگے ہین، ہم لوگون نے موٹر ہی پر چلنا طے کیا، حجاز مین
قدم رکھتے ہی مسافر بالکل معلم یا اُن کے وکیل کے ہاتھ مین آجاتا ہی، اور بغیر انکی
وساطت کے کسی سواری کے لئے معاملت نہین کر سکتا، وکیل صاحبون کے مصالح
واغراض قدرۃً اس کے مقتضی ہوتے ہین، کہ جتنے دن بھی ممکن ہو حاجیون
کو جدہ مین پڑا رہنے دیا جائے، اور جب وہ سواری کے لئے تقاضا کرین، تو انھین

ٹال دیا جائے یہی صورت ہمارے ساتھ بھی پیش آنی شروع ہوئی،

جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب (نائب قنصل برائے حجاج ہند) کی ذات ہندوستانی حاجیوں کے حق میں بڑی کارآمد ہے، جہاز پر ان سے تعارف ہوچکا تھا، سہپر کو ان سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، اخلاق و محبت سے پیش آئے ہمارے وکیل صاحب کو مہمانوں کی کثرت و ہجوم کی بنا پر ہم لوگوں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت کم ملتی تھی، اور سواری کے جلد بہم پہونچنے کی طرف سے تو انھوں نے بالکل قطعاً مایوس کردیا تھا، منشی صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور ان چیزوں کا تذکرہ آیا، تو انھوں نے ٹیلیفون دیکر وکیل صاحب کو فوراً طلب کیا، وکیل صاحب کا اخلاق اسی لمحہ سے بدل گیا، اب ہم لوگوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی انھیں نہ تھی، اور سواری کے لئے بھی وعدہ ہوگیا کہ کل ملجائیگی، جدہ میں حکومت حجاز کی طرف سے جو حاکم اعلیٰ رہتے ہیں، انکا اسم شریف حاجی عبد اللہ رضا زینل ہے جدہ میں ٹرنر ماریسن کمپنی کے ایجنٹ بھی یہی ہیں، بڑے متمول تاجروں میں انکا شمار ہے بمبئی میں ان کے بھتیجے محمد علی زینل موتیوں کی تجارت لاکھوں روپیہ کی کرتے ہیں، انھوں نے ازراہ عنایت اپنے چچا صاحب کے نام ایک تعارف نامہ دیدیا تھا، سہپر کو منشی صاحب اپنے ہمراہ ان کے ہاں لے گئے، حج کمیٹی کا اجلاس ہورہا تھا، اور وکیل صاحبوں کو بدعنوانیوں پر سزائیں مل رہی تھیں، زینل صاحب کو دیکھا، سن سفید داڑھی، چہرہ شرافت و نورانیت کی ایک تصویر، بڑی خاطر سے پیش آئے، پوچھا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟ جدہ بھر میں فصیح و پاکیزہ عربی بولتے

ہوئے صرف دو ہی صاحبون کو پایا، ایک شیخ نصیف کو، دوسرے حاجی عبداللہ زینل کو، ورنہ اور تو ہر شخص کی زبان سے وہ زبان سنی، جسے خدا معلوم عربی کہا ہی کیون جاتا ہی! شام کے وقت منشی صاحب اپنے موٹر پر سمندر کے کنارے ہوا خوری کے لئے لے گئے، اور وہین نماز مغرب پڑھی، عشا کی نماز پڑوس کی مسجد مین آکر پڑھی،

۹، اپریل سہ شنبہ، وکیل صاحب نے آج موٹر دلا دینے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن یہ وعدہ اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ تھا، اگر آج شام کو وہ انکار کر دیتے، تو انکا تو کوئی نقصان نہ ہوتا، لیکن ہم لوگون کا ایک دن خواہ مخواہ ضایع ہو جاتا، اور نہ صرف یہ کہ مدینہ طیبہ کی حاضری مین ایک دن کی تاخیر ہو جاتی، بلکہ وہان کی مدت قیام مین بھی ایک دن گھٹ جاتا، وکیل صاحب کے لئے ہماری التجائین اور درخواستین قطعاً غیر موثر تھین، آج صبح مین مولانا مناظر احسن کے ہمراہ شیخ عبدالرحمن محمد الفضل سے ملا، جو بمبئی کے عبداللہ الفضل کے حقیقی بھائی ہین، اور جدہ کے مشاہیر اور سلطان کے حاشیہ نشینون مین ہین، یہ بہت خوب شخص نکلے، خلافت کمیٹی، علی برادران، خدام الحرمین، اور ہندوستان کے اور بہت سے مسائل پر آزادی و بے تکلفی سے باتین کرتے رہے، شرکتہ حرمین کے نام سے ایک موٹر کمپنی انھین کی ہے، سفر مدینہ کی عجلت ہم لوگون مین دیکھ کر انھون نے پورا اطمینان دلایا کہ وکیل پر تاکید کر کے آج ہی لاری کا انتظام کر دیا جائیگا، اور شام تک قافلہ روانہ ہو جائیگا، اس کے بعد وکیل صاحب کو بھی کوئی راہ گریز باقی نہ رہی، اور آج شام کو روانگی طے پا گئی، موٹر کی سرکاری شرح آمد و رفت فی کس

بندرہ گنی تھی، لیکن مختلف موٹر کمپنیون مین مقابلہ جاری تھا اُس لئے ارزانی ہو کر فی کس دنل گنی (تقریباً ۱۳۵ روپیہ انگریزی) کی شرح آمد و رفت رہ گئی تھی، مولوی شاہ لطف اللہ صاحب مونگیری کی پانچ آدمیون کی پارٹی بھی ہمارے ہی ہمراہ چلنے پر آمادہ ہوئی اس طرح کل ۲۱ آدمی ہوئے، دو موٹر لاریان، تیرہ تیرہ نشستون کی کی گئین، اور الفضل صاحب کی عنایت سے ہمارے لئے مخصوص ہو گئین یعنی ۲۱ آدمیون کے ٹکٹ سے ۲۶ آدمیون کی جگہ مل گئی،

روانگی شام کو قرار پائی تھی عین مغرب کے وقت دونون لاریان دروازہ پر آکر لگ گئین، سب کے سوار ہونے، سامان لادنے، پوری پیشگی اجرت دیکر اُس کی رسید حاصل کرنے اور حکومت و بلدیہ کے دوسرے مراحل طے کرنے مین عشا کا وقت آگیا، اور عین اُس وقت جبکہ مسجدون مین عشا کی اذانین ہو رہی تھین ہمارا قافلہ شہر کے پھاٹک سے روانہ ہوا، جدہ سے مدینہ تک موٹر راستہ مین آرام لیتا ہوا اور سستاتا ہوا، ڈیڑھ دو دن مین پہونچتا ہی، اونٹون سے یہ فاصلہ دس دن مین طے ہوتا ہی، جا بجا منزلین بنی ہوئی ہین، موٹر جہان عموماً ٹھہرتے ہین، اُن مین سے مشہور منزلین، طوال، قدیمہ، رابغ، مستورہ، بیر درویش، بیر حسان، مسیجد ہین ہر منزل پر پانی، چائے، قہوہ، کی دوکانین ہین، اکثر منزلون پر روٹی اور پکا ہوا گوشت یا ابلی ہوئی مچھلیان مل جاتی ہین، مگر گوشت بدوی مذاق کا ہوتا ہی، ہندوستانیون کے ذائقہ کا نہین ہوتا، گو بھوک کے وقت ہر شے اچھی معلوم ہوتی ہی، بعض منزلون شلاً رابغ کا پانی بہت نفیس ہی، اور بعض مثلاً بیر حسان کا اس کے بالکل برعکس،

پیٹ کی آگ ہر جگہ بجھائی جا سکتی ہی، لیکن اگر زبان کا ذائقہ بھی مطلوب ہی تو ان منزلون کے کھانے کے بھروسے پر ہرگز نہ رہنا چاہیئے، بلکہ اپنے مذاق و پسند کے مطابق کچھ ناشتہ ضرور ساتھ رکھنا چاہیے، بعض منزلون مین تربوزا ور بعض مین کھجور بھی ملجاتے ہین، اور بڑی بڑی منزلون مین رات کو سونے یا دن کو لیٹنے بیٹھنے کے لئے بان کے اونچے اونچے تکیہ دار کھاٹ مناسب کرایہ پر مل جاتے ہین گوشت کی بنی ہوئی چیزین تو گرم موسم مین زیادہ ٹھہر نہین سکتین، البتہ ستو، بسکٹ، مکھن، وغیرہ اگر اس سفر مین ساتھ رہین، تو کھانے کا مسئلہ بآسانی حل ہوتا رہتا ہی سڑکین اچھی بری کیا معنی، کہنا چاہیئے کہ سرے سے ہین ہی نہین، چلتے چلتے جو راستے بن گئے ہین، اُنھین کا نام سڑک رکھ لیا گیا ہی، حیرت ہے کہ سعودی حکومت جو موٹرون کی سرپرستی مین اتنی عالی ہمتی دکھا رہی ہی (شاید اس لئے کہ موٹر کمپنیون سے خوب بھاری بھاری ٹیکس وصول ہوتے رہتے ہین) سڑکون کی تعمیر کی طرف سے اس درجہ غافل و بے پروا ہے (شاید اس لئے کہ سڑک کوئی آمدنی کی مد نہین محض خرچ ہی خرچ کا کام ہی) حالانکہ بہتر سے بہتر سواری بھی بغیر اچھی سڑک کے بیکار رہتی ہی، راستہ کی اسی ابتری کا نتیجہ ہے، کہ سواری کی دو دو لاریون کے ساتھ، حوادث ناگہانی کے خطرہ سے ایک ایک خالی لاری بھی رکھی جاتی ہی، اور یہ خطرہ محض موہوم نہین، اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہین، خود ہمارے ساتھ جو لاری زنانہ قافلے کی تھی، دوپہر کے وقت ایک جگہ ریت مین دھنس گئی، اور کسی طرح نہ ہٹ سکی، مجبوراً سواریون کو اسی خالی لاری مین منتقل کرنا پڑا،

موٹرین روانہ ہوئین اور شب کی تاریکیون مین سفر شروع ہوا، کس کا سفر؟ کہان کا شروع ہوا؟ ——— کون بتائے؟ کسکی زبان جواب دے؟ حاضری کی اجازت اُسے مرحمت ہو رہی ہی، جس کے نامۂ اعمال کی سیاہیان شب تار کی تاریکیون سے بھی سیاہ تر ہین! حضوری اُس کے آستانہ پر ہو رہی ہی، جو خود طارق بنکر رات کی تاریکیون کو منور کرنے آیا، جس کا ظہور اُس گھڑی ہوا، جب دنیا پر تاریکیون اور سیاہیون کے ایک سے ایک گہرے پردہ پڑے ہوئے تھے، اور جو اپنے ہمراہ نور اور اجالا لیکر آیا ——— این! یہ دل کیون دھڑکتا جاتا ہی؟ یہ آنکھین کیون پرنم ہو رہی ہین؟ یہ زبان کیون خشک ہوئی چلی جاتی ہی؟ سامنا اُس کا تو نہین جو انصاف کی میزان ہاتھ مین لئے بیٹھا ہے، جو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کرنیوالا ہی، حاضری تو اُس کے دربار کی ہے، جو ہمہ رحمت و ہمہ مرحمت ہے، جو بدکارون کی پردہ پوشی کرنے والا ہے، جس کا نام شفیع المذنبین ہی، یعنی نیکون اور پاکون کا نہین، گناہگارون کا نجات دلانے والا، تباہ کارون کا سہارا! یہ سب کچھ سہی، یہ سب صحیح، پر دل اب بھی اپنے قابو مین نہین، نفس کی شرارتین، اندر کی خباثتین، قلب کی فسادتین، ایک ایک کر کے بے پردہ و بے نقاب سامنے آ رہی ہین! اور ریا اور نفاق کا جامہ ہر ہر لحہ چاک ہو رہا ہی، جدہ سے نکلتے ہی ریت شروع ہو جاتی ہی راستہ کا بیشتر حصہ بالکل ریتلا ہے، اور جب مدینۂ طیبہ کی مسافت بقدر ایک ثلث کے رہجاتی ہے، تو پہاڑیون کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی، اور زمین بالکل پتھریلی ملنے لگتی ہی، ان ناہمواریون کا قدرتی نتیجہ یہ ہے، کہ لاریان گویا اچھلتی ہوئی چلتی ہین، اور دھکے اور دھچکے قدم قدم پر لگتے رہتے ہین، ادھر دھچکا لگا، اور ادھر زبان

اعتراض پر کھل ا۔۔۔۔ اے ریاکار، آج تیری اصلیت ظاہر ہو رہی ہے! اے منافق! اس وقت تیری کھیل اتر رہی ہے! جب قوالی کی محفلون مین، شاعری کی دنیا مین، دشت یثرب مین ناقہ کے پیچھے دوڑتے رہنے کا، یا تلوون مین خاک صحرائے مدینہ کے چبھنے کا ذکر آتا تھا، تو تو خوب گردن ہلاتا تھا، اور بڑی مستی کا اظہار کیا کرتا تھا، اور ہمہ تن اشتیاق و تمنا بن جاتا تھا، پھر آج تو یہ منظر سامنے ہی، تصور و خیال مین نہین، مادی آنکھون کے روبرو ہے، اس خاک کا سرمہ آنکھون مین کیون نہین لگاتا؟ یہان کے کانٹون کو اپنے پیرون مین کیون نہین چبھنے دیتا؟ اس دشت مین جیب و گریبان کی دھجیان اڑاتے ہوئے کیون نہین دوڑ لگاتا؟ محبت رسول صلعم کے زبانی دعوے بڑے بڑے تھے، دوستون اور معتقدون کے مجمع مین، عشق سرکار مدینہ کی خوب خوب لاف زنی ہوتی تھی، آج سارے دعوون کی حقیقت کھل گئی! امرکز نور سے جون جون قرب حاصل ہوتا جاتا ہے، ہر شے کی اصلیت سے نقاب اٹھتا جارہا ہے! اے نفس خبیث کے غلام! کیا تو یہ سمجھے ہوئے تھا، کہ تیری ریاکاری و نفاق پروری پر پردہ یون ہی پڑا رہنے دیا جائیگا،

ہماری طرح خدا معلوم کتنی اور موٹرین اور موٹر لاریان سواریون سے کھچاکھچ بھری ہوئی اس راستہ پر چل رہی ہین، ہزارہا انسان اونٹون کے قافلون مین چلتے ہوئے مل رہے ہین، سیکڑون آدمی پیدل سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہین، ان مین عورتین بھی ہین، اور مرد بھی، بوڑھے بھی ہین اور بچے بھی، غریب بھی ہین اور امیر بھی، بنگالی بھی ہین، اور پنجابی بھی، دکھنی بھی،

ہیں، اور گجراتی بھی، حجازی بھی ہیں، اور نجدی بھی، مصری بھی ہیں اور سوڈانی بھی، جاوی بھی ہیں اور چینی بھی، برہمی بھی ہیں اور بخاری بھی، افغانی بھی ہیں اور مراقشی بھی، یہ سب کے سب وطن اور عزیزان وطن کو چھوڑے ہوئے، تپتی ہوئی ریگ میں جلاتی ہوئی دھوپ میں، کشمیر اور شملہ کو چھوڑ کر، سبزہ زاروں اور آبشاروں کو بھلا کر، بھوک اور پیاس کی مشقتیں جھیلتے، اور گرد و غبار میں غسل کرتے ہوئے کہاں کو چل رہے ہیں، ؟ رامپور کے حاتم وقت رئیس، کلب علیخان کو کس راستہ کی خاک پھانکنے پر فخر تھا، ؟ بھوپال کی اہل دل فرمانروا، سلطان جہان بیگم کو کس کے آستانہ کی گدائی پر ناز رہا ہے؟ مملکت آصفیہ کے تاجدار، میر عثمان علیخان نامدار کے دل کو کس کے کوچہ کی آرزوے جاروب کشی تڑپائے ہوئے ہے، ؟ محمدؐ کے نام سے، ابوجہل، اور اور ابولہب کی طرح جلنے والے محمدؐ کی عظمت کو "علمی" توجیہات و تاویلات کر کر کے دلوں سے گھٹانے والے محمدؐ کی سیرت پاک کو اپنی ناپاکیوں اور گندگیوں پر قیاس کر کے مسخ کر کر کے پیش کرنے والے آج کاش اپنے اپنے مٹی کے گھروندوں سے باہر نکلکر دیکھیں، کہ اس دور یاجوجیت، اس غلبۂ وجاہلیت کے باوجود دنیا کی کسی یونیورسٹی اور کسی کالج میں، کسی جامعہ اور کسی اکاڈمی میں، کسی کتبخانہ اور کسی تجربہ گاہ میں، کسی "ماہر فن" کے لکچر روم میں، کسی "پروفیسر" کے حلقۂ درس میں وہ کشش اور دلکشی، وہ قوت جذب ہے، جو اس مقام میں ہے، جہاں اُس امی کا جسد ظاہری آرام فرما رہا ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (احمدؐ) تھا، اور جسے اس کے رب نے "تعریف کیا گیا" (محمدؐ) کہکر پکارا ؟

باب ۹

مدینہ

بوے یار مہربانم می رسد | بوے جانان سوے جانم میرسد
بازآمد آب ما در جوے ما | بازآمد شاہ ما در کوے ما

۱۱ اپریل ۱۹۲۹ء پنجشنبہ، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ، آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے، آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے! آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے، آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے، آج گنہگار امتی کو شفیع اور شفیق رسول صلعم کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں اسی "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالامال ہونا مقدر ہو چکا ہو، وہ اس مہینہ کو کیا کہکر پکارے؟ "جمعرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "پیرون کی کرامات" کہتے ہیں، ہر جمعرات ایسی ہوتی ہو گی، لیکن جس جمعرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت لکھی ہو، اس کا تو جی میں آتا ہے، کہ پیرون اور بزرگون کی نہیں تباہ کارون اور سیاہ کارون کی کرامات، نام رکھئے!

عاذلا چند این صداع و ماجرا | بندکم دہ بعد ازین دیوانہ را

غیر حیدرِ آن نگار مقبلم ، گرد و صد زنجیر آری بگسلم
وقت آن آمد کہ من عریان شوم جسم بگذارم سراسر جان شوم

شب، منزلِ بیرِ حسان مین گزاری تھی، صبح سویرے روانہ ہوئے، اور سات بجے مسجد مین دم لیا، سرزمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہوگئے، روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہونگے اُس کے لئے ہین، باقی مادّی فضا کی خوش آیند تبدیلیان تو ہم بے بصرون کو بھی محسوس ہو رہی تھین، خوش عقیدگی کا سوال نہین، محض ثباتِ حواس و ادراک کی ضرورت ہی، ۹ بجے، کھڑے کھوٹا چند منٹ کے لئے ایک اور منزل پر ٹکے، اس کا نام اس وقت یاد نہین آتا، یہ آخری منزل ہے، اس کے بعد کوئی اور منزل نہین، صرف منزلِ مقصود ہی، اب گویا نواحِ مدینہ شروع ہوا، کھجور نہایت شاداب و شیرین سامنے رکھے ہوئے، ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش منظر، سبزی جو راستہ بھر کہین نہین نظر آتی تھی، اب ہر طرف دکھائی دے رہی ہی، ریت کے میدان اور ریگستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیون کا سلسلہ، سڑک اتنی ہموار و نفیس، کہ معلوم ہوتا ہی عرب مین نہین، ہندوستان مین سفر کر رہے ہین، دس بجے ساڑھے دس بجے، اُدھر وقت کی گھڑیان گذر رہی ہین، اور اِدھر دلون کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر ہر منٹ، ہر ہر سکنڈ بڑھتا جا رہا ہی، کسی کے ہاتھ مین مناسک و آدابِ زیارت کا رسالے ہین، وہ اُنھین دیکھ دیکھ کر دعائین یاد کر رہا ہی، اور کوئی خالی درود شریف کا ورد کئے جا رہا ہی، ہر قلب اپنے اپنے حال مین گرفتار، ہر دل اپنی اپنی

جگہ مضطرو بیقرار، کسی کی آنکھیں اشکبار، اور کسی کا دماغ نشۂ لذت و فرحت سے سرشار! اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!

سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر، اور تو اور نجدی شوفر تک چند لمحوں کے لئے بجائے "نجدی" کے "وجدی" بنا ہوا، مولانا مناظر فرطِ گریہ سے بیتاب ضبط و احتیاط کے باوجود بھی چیخ نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ عقل سے دور، علم سے بیگانہ، نہ گریاں نہ شاداں، نہ اپنی حضوری کی خوش بختی پر خوش، اور نہ اپنی تباہ کاریوں کی یاد پر مغموم محض اس الجھن میں گرفتار کہ یاالٰہی یہ بیداری ہے یا خواب! کہاں یہ ارض پاک، اور کہاں یہ بے مایہ مشتِ خاک! کہاں مدینہ کی سرزمین، اور کہاں اس ننگِ خلایق کی جبین! کہاں سید الانبیاء کا آستانہ، اور کہاں اس روسیاہ کا سر دشانہ! کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو، تو ان کے فخر و شرف کا نصیبا جاگ جائے! اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے تکلف اُسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے! عراقی نے کہا تھا، کہ ناپاک کے سجدہ کرنے سے زمین فرطِ اذیت سے چیخ اٹھتی ہے، سے

به زمین چو سجده کردم ز زمین ندا برآمد
تو مرا خراب کردی به این سجدۂ ریائی

لیکن جب ریاکار کے سجدے سے، ہر معمولی اور عام خطۂ زمین یہ ایذا محسوس کرتا ہے، تو پھر ایک ریاکار کے پا بہ قدم سے اس عظمت و تقدس والی سرزمین کے ا

جگر و سینہ پر کیا گذر گئی ہو گی!

عزیزو اور بزرگو! یہ شاعری نہیں، وہم و تخیل کی کرشمہ سازی نہیں، ابوداؤد اور صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی زبانی بیان ہو کہ میں راستہ میں جارہا تھا، اور مجھے غسل کی حاجت تھی، کہ سامنے سے رسول اللہ صلعم تشریف لاتے ہوئے ملے، اور میری طرف بڑھے (فاھوی الیہ) لیکن میں الگ ہٹ گیا (فحاد عنہ) اور اس کے بعد غسل سے فراغت کر کے جب خدمت والا میں حاضر ہوا ہوں، تو میں نے عرض کیا، کہ اُس وقت میں پاک حالت میں نہ تھا، اور اسی طرح اس نامور آقا کے ایک دوسرے نامور خادم ابوہریرہؓ اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک روز رسول اللہ صلعم راستہ میں مل گئے، اور مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی، میں الگ ہٹ گیا، اور غسل کرنے کے بعد مجلس مبارک میں حاضر ہوا! اللہ اللہ! یہ احتیاط کون لوگ کر رہے ہیں؟ حذیفہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما جو پاکوں کے سردار کے فیض صحبت سے خود پاک و پاکیزہ بن چکے ہیں! اور جو خود اس درجہ پر پہونچ چکے ہیں، کہ انکا سایہ ناپاکوں کو پاک بنا دینے کے لئے کافی ہے! رسول خدا صلعم از خود ان کی جانب التفات فرماتے ہیں، اور بڑھکر ملنا چاہتے ہیں، لیکن اُدھر یہ حالت ہے کہ بجائے سر کے بل دوڑنے کے الٹے پاؤں واپسی اور علٰحدگی اور کنارہ کشی ہوتی ہی، اور رسول کریمؐ کی عارضی آزردگی کا خطرہ قبول کر لیا جاتا ہی لیکن یہ گوارا نہیں ہوتا، کہ اپنی عارضی ناپاکی کو اس سراپا ئے نور کے مقابل لایا جائے، جو ہمہ لطافت اور ہمہ نظافت ہی! جب

حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ کا ایک عارضی اور وقتی ناپاکی کی بنا پر یہ حال ہو، یہ احساس ہوا تو اے دین متین کے عالمو اور اے شریعت اسلامیہ کے مفتیو! اُس کے متعلق کیا فتویٰ دوگے جس کی گندگی عارضی نہین دائمی ہو، وقتی نہین مستقل ہو، جسم کے اوپر نہین روح کے اندر ہے، ظاہر مین نہین، باطن مین ہو، پانی کے چند لوٹون سے دھل جانیوالی نہین دریاؤن اور سمندرون مین غوطہ کھا کر بھی جون کی تون رہجانیوالی ہو!

ادب کا تقاضا، کہ شہر کچھ دور باقی رہے، کہ سواری سے اتر کر پیدل چلئے شوق دل کا فتویٰ کہ ضروریات سے فارغ ہو کر، نہا دھو کر، سفر کے گرد آلود کپڑون کی جگہ نئے کپڑے بدل کر شہر کے اندر قدم رکھئے، لیکن سواری اپنے اختیار کی نہین، موٹر کے شوفرون کی ہر طرح خاطر مدارات کی کہ کسی طرح مان جائین، لیکن جواب یہی ملتا رہا کہ حکومت کے قانون اور سرکار کے ضابطہ سے مجبوری ہو، جو جگہ موٹرون کے ٹھہرنے اور مسافرون کے اترنے کی مقرر ہو، ٹھیک وہین پہونچکر موٹر رکے گا، نہ اُس سے چار گز اودھر، نہ چار گز اودھر! لیجئے، بات کہتے کہتے گیارہ بج گئے، اور سواد شہر نظر آنے لگا، شوفر نے پکار کر کہا "مدینہ! مدینہ!" اور سرسبز درخت اور شہر کی عمارتین دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگین

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است — اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ست — آبروے ما زنامِ مصطفیٰ ست

اللھم ھذا حرم نبیک فاجعلہ لی وقایۃ من النار و امانا من العذاب وسوء الحساب، اب موٹر قدم قدم پر رکنے شروع ہوئے، کہین سرکاری کارندے اور پیادے

شوقِ فزون سے سوال و جواب کر رہے ہین، اور کہین مزوردون کی جماعت اہل قافلہ کو سوالون کی بھرمار کر رہی ہے!

"کس شہر سے آرہے ہو؟" "کتنے آدمی ہو؟" "کس رباط مین ٹھہروگے؟" اس قسم کے سوالات کے مسلسل جوابات دیتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت کہ ہندوستان کے حساب سے بارہ بجے تھے، اور عربی گھڑیون مین چھ بجے کا وقت تھا، فصیل شہر کے اندر داخل ہوئے، اور اور موٹر ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے میدان مین اپنے اڈے پر پہونچکر رُک گئے، یہ اسٹیشن وہی ہے، جو مشہور حجاز ریلوے کے سلسلہ مین ترکون کے زمانہ مین تعمیر ہوا تھا، عمارت نہایت وسیع اور عالیشان ہے، شام سے اُس زمانہ مین ریلون کی آمد و رفت شروع بھی ہو گئی تھی، ریل کی پٹریان اب تک بچھی ہوئی ہین، اور انجن اور گاڑیان ابتک کھڑی ہوئی ہین، یہ ریل اُس پیمانہ کی تھی، جسے ہندوستان مین "چھوٹی لین" کہتے ہین، بسم اللہ ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا، اللھم ھذا حرم رسولک فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانا من العذاب سوء الحساب اللھم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم ما رزقت اولیائک واھل طاعتک واخلصنی من النار واغفر لی وارحمنی یا خیر مسئول! اسٹیشن مسجد نبوی سے کوئی میل بھر کے فاصلہ پر ہوگا، یہین ترکون کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے، جسکی سمت قبلہ کہا جاتا ہے، کہ بہت غلط واقع ہوئی ہے، اور اس لئے جماعت مین صفین ترچھی کھڑی ہوتی ہین، سامان اٹھانے کے لئے مزدور بکثرت مل جاتے ہین،

ضعیفون عورتون، بچون، اور ناتوانون کے لئے، حیدرآبادی جھٹکے کی قسم کی سواریان بھی ملجاتی ہین جنھین یہان کی زبان مین اعرابیان کہتے ہین، مزدور ہون یا سواریان، سب کی اجرتین پہلے سے چکا کرطے کر لینا ضروری ہی، ورنہ بعد کو خواہ مخواہ بدمزگی واقع ہوتی ہے، اور جو مقام شکستگی و افتقار کا ہے، وہان خواہ مخواہ زبان بدزبانی پر کھلتی ہی،

مکہ کے معلّمون کی طرح، مدینہ مین بھی ایک پیشہ ور جماعت موجود ہے، جسکا کام زائرون کے قیام کا بندوبست کرنا، اور انھین آدابِ زیارت تلقین کرنا ہی، یہ لوگ مزوّر کہلاتے ہین، ہندوستان کا ایک ایک شہر ہر ہر مزوّر کے حصہ مین منقسم ہی، اسی لئے شہر مین داخل ہونے سے پہلے ہی یہ سوال کر لیا جاتا ہی، کہ "کس شہر سے آتے ہو" خود مزوّرین تو بہت کم آتے ہین، البتہ اُن کے کارندے اور ملازمین لازمی طور پر ہر قافلہ کو ملتے ہین، اور جو قافلہ جس شہر کا ہوتا ہی، اس کے قیام کا ذمہ دار اُس شہر کا مزوّر ہو جاتا ہی، زائرون اور مسافرون کے لئے عام طریقہ یہی ہی، ان کے علاوہ، ہندوستان کے بعض صاحب خیر رئیسون کی طرف سے رباطین بھی قایم ہین مثلاً رباط ٹونک، رباط بھوپال، رباط حیدرآباد، رباط ٹونک تک پہونچنا نہین ہوا لیکن اسکی تعریف سننے مین آئی، رباط بھوپال، حرم سے نصف فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، اور عمارت گو بہت زیادہ وسیع نہین، تاہم اچھی حالت مین ہی، اور تھوڑے سے آدمی اسمین پوری آسایش کے ساتھ رہ سکتے ہین، حیدرآباد کی طرف سے کم سے کم دو عمارتین ہین، ایک رباط حسین بی کہلاتی ہی، اور دوسری کو مکان حسین بی

کہتے ہیں، اور شاید ان کے علاوہ بھی کوئی عمارت ہو، حسین بی کا مکان گو مختصر ہے لیکن اچھی حالت میں ہے حسین بی کی رباط گو بہت وسیع اور چومنزلی عمارت ہے، لیکن بہت بوسیدہ اور مرمت طلب حالت میں ہے، ان حیدرآبادی عمارتوں کے مہتمم شیخ جعفر داغستانی، ایک معقول و خوش اخلاق شخص ہیں، جو مزدوری بھی کرتے ہیں، ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام، ریاست حیدرآباد کی طرف سے انھیں سرکاری عمارتوں میں ہو گیا تھا، اور ان داغستانی صاحب کے نام تعارف نامہ بھی اختریار جنگ بہادر معتمد امور مذہبی مملکت آصفیہ نے دیدیا تھا،

بزرگوں نے افضل اور مستحب اسکو بتایا ہے، کہ مدینہ طیبہ پہونچتے ہی سب سے پہلے ہی روضۂ اقدس پر حاضری دیجائے لیکن ایسے نصیب صرف خوش نصیبوں ہی کے ہو سکتے ہیں، یہاں اکیس۲۱ آدمیوں کا قافلہ ہمراہ تھا جس میں اچھی خاصی تعداد بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کی تھی، سب سے پہلی فکر قدرۃً ان کے ٹھہرانے اور سامان کے ٹھکانے لگانے کی ہوئی، موٹر سے اتر کر سامنے والی مسجد میں چار چار رکعتیں نفل کی پڑھیں اور سامان اعرابیوں پر لاد کر ہم لوگ پاپیادہ روانہ ہوئے مقام کی اجنبیت زبان کی اجنبیت، راستہ کی ناواقفیت بہرحال کچھ دیکے بعد پتہ لگاتے لگاتے مکان حسین بی تک پہونچے، داغستانی صاحب معلوم ہوا کہ نماز ظہر پڑھنے حرم گئے ہوئے ہیں، اور ابھی واپس نہیں ہوئے ہیں، وہ خدا معلوم کتنی دیر میں واپس ہوں؟ عورتوں کو اتنی دیر کہاں بٹھایا جائے؟ خود اتنی دیر تک، عرب کی اس تیز و شدید دھوپ میں ٹھیک دوپہر کے وقت کہاں ٹھیکر انتظار کیا جائے؟ یہی سوالات پیش نظر تھے کہ مکان کے کو ٹھے

سے ایک صاحب نے میرا نام لیکر پکارا، حیرت ہوئی، کہ یہان یہ کون شناسا نکل آئے،
اتنے مین وہ صاحب اتر کر نیچے آئے، تو معلوم ہوا، کہ منشی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی
(ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ جج پنچ چھاونی) ہین جو کئی ماہ قبل سے یہان مقیم ہین! اسوقت
انکا ملنا نعمتِ غیر مترقبہ تھا، خود مہمان تھے، مگر ہمارے میزبان بن گئے، منشی صاحب اردو
کے ایک ممتاز ادیب اور اہلِ قلم ہین، اور متعدد ادبی کتابون کے مصنف، لیکن یہ کم لوگون
کو معلوم ہوگا کہ محض "اہلِ قلم" نہین "اہلِ دل" بھی ہین، تھوڑی دیر مین صوبہ بہار کے ایک
ہومیوپیتھک ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی، جو ریاست حیدرآباد کی
طرف سے دو سال سے خدمتِ حجاج کیلئے حجاز آرہے ہین، انکی وسعتِ اخلاق نے ثابت
کر دیا کہ مسافر نوازی مین صوبۂ بہار کا قدم، صوبۂ اودھ سے کچھ پیچھے نہین، اتنے مین لطف اللہ
بھی آگئے، مولوی لطف اللہ صاحب مونگیری کا پانچ آدمیون کا قافلہ اسی مکان
مین رہگیا، اور ہم سولہ آدمی رباط حسین بی مین منتقل ہوگئے،

اس سارے اہتمام و انتظام مین ظہر کا وقت تو جا ہی چکا تھا، عصر کا بھی اول
وقت چلا گیا، اور یہ دونون نمازین بجائے حرم شریف مین پڑھنے کے گھر ہی مین پڑھین،
اب ڈر ہوا، کہ کہین خدانخواستہ مغرب کا وقت بھی نہ چلا جائے، جلدی جلدی حجامت
بنوائی، غسل کیا، کپڑے بدلے، اور حرم شریف کی حاضری کی فکر ہوئی، جسم ان تیاریون
مین مصروف، لیکن دل کس حالت مین ؟ آدابِ زیارت کے جتنے رسالے نظر سے
گذرے، یہ سب مین لکھا ہوا ملا، کہ غسل کرے، خوشبو لگالے، کپڑے نئے پہنے، لیکن یہ کوئی
نہین بتاتا، کہ دل کو کیونکر قابو مین کیا جائے ؟ اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہو رہا ہے؟

خوش ہو رہا ہی؟ مغموم ہی؟ حیرت طاری ہی؟ ہیبت سے دھڑک رہا ہی؟ شوق سے اچھل رہا ہی؟ آخر کیا ہی؟ ـــــ کون تبلائے؟ اور تبلانے کے لئے الفاظ کہان سے لائیے؟ زبان، گوشت اور پوست کی بنی ہوئی زبان، زبان گفتگو کی ترجمانی کر سکتی ہی، لیکن دل کی ترجمانی کیلئے تو دل ہی کی زبان چاہئے کاغذ کے نقوش اور سیاہی کے حروف مین خدارا کیونکر منتقل کیا جائے، ع

کوئی تبلاؤ کہ ہم تبلائین کیا؟

باب ۱۰

آستانۂ نبوت

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا، یہ کسی فقیہ کا اجتہاد نہین جس پر ردّ وقدح کی گنجایش ہو، کسی بزرگ کا کشف نہین جسمین غلطی اور دھوکے کا احتمال ہو کوئی روایت حدیث نہین جس کے اسناد مین گفتگو ہو سکے، خدا ے پاک کے کلام کی ایک آیت ہے، ارشاد ہوتا ہے، کہ "ان لوگون نے جس وقت اپنے اوپر ظلم کئے تھے اے پیغمبرؐ اگر تمھارے پاس آگئے ہوتے، اور اللہ سے اپنے قصور کی معافی چاہتے، اور رسولؐ بھی اُنکے حق مین معافی چاہتے تو پاتے اللہ کو معاف کرنے والا مہربان" گویا گناہگارون اور تباہ کارون کو یہ حکم ملا ہے، کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کرین، لیکن تنہا اپنے گھرون پر بیٹھے ہوے نہین، بلکہ رسولؐ کی خدمت مین حاضر ہو کر، اور اُن سے بھی اپنے حق مین دعا کرا کر، ظاہر ہے کہ حکم کا براہ راست تعلق کسی ایسے گروہ سے ہے، جو حضور انورؐ کے زمانہ مین موجود تھا، خوش نصیب تھے وہ افراد جنھین اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی، جو رسولؐ کی خدمت مین حاضر ہوئے، جنھون نے اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کر معافی مانگی، اور رسولؐ نے جن کے حق مین سفارش فرمائی، لیکن آج اس چودھوین صدی مین امت کا کوئی فاسق

فاجر، بدعمل و نامہ سیاہ، اگر حکم "جاؤک" کی تعمیل کرنا چاہے، تو کیا اس کے لئے، اِس سعادت و ہدایت کا دروازہ، خدانخواستہ، قیامت تک کے لئے بالکل بند ہو چکا ہے؟ اور اسکی قسمت مین بجز محرومی و مایوسی کے اور کچھ نہین ؟

موسم گل جب چمن سے رخصت ہو چکتا ہے، اور کوئی بوے گل کا متوالا آنکلتا ہے، تو عرق گلاب کے شیشون اور قرابون کو غنیمت سمجھتا ہے، پھر اگر آج کوئی بوے حبیبؐ کا متوالا "حکم جاؤک" کی تعمیل مین، اپنے کو ہزارون میل کے فاصلہ سے دیارِ حبیبؐ تک پہونچاتا ہے اور اپنے مظالم نفس کی تلافی و عذر خواہی کے لئے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کیلئے اپنی تباہ کاریون پر پشیمانی و اشک افشانی کے لئے، حبیبؐ تک نہ سہی، آستانِ حبیبؐ تک گرتا پڑتا جا پہونچتا ہے، تو کیا اُس پر "بدعت" و "شرک" کا فتویٰ لگایا جائیگا؟ جہان اللہ کے اس سب سے بڑے پرستار نے نمازون پر نمازین پڑھین، اور آخری نمازین پڑھین جہان عبد و معبود کے راز و نیاز حیات ناسوتی کی آخری سانس تک جاری رہے، جہان ہیبت و خشیت سے لرزتے ہوئے گھٹنے خدا معلوم کتنی بار رکوع مین جھکے، جہان ذوق و شوق سے دمکتی ہوئی پیشانی بارہا سجدہ مین گری، جہان امت کے گنہگارون اور سیہ کارون کے حق مین درد بھری دعاؤن کے لئے ہاتھ اٹھے اور لب ہلے، جہان ٹوٹی ہوئی آس والون کی بیشمار مرتبہ تشفی کرائی گئی، جہان آج وہ جسدِ اطہر آرام فرما ہے، جس کے طفیل مین عرش بھی وجود مین آیا، اور کرسی بھی، کوثر بھی اور سلسبیل بھی۔ —— اس عظمت و جلالت والی، اس برکت اور نورانیت والی زمین پر، مقدس مکین کے مقدس مکان پر بھی جبین نیاز کو خم کرنا، اگر "شرک" ہے، "بدعت" ہے، تو خدا معلوم کسی

مقام اور کسی مکان پر بھی حاضر ہونا کسی آئینِ "توحید" و "سنت" کے مطابق ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ تیرہوین اور چودھوین صدی کے "مبتدع" نہ تھے، ساتوین اور آٹھوین صدی کے محدث تھے، اپنی تفسیر مین (اُس تفسیر مین جو ایکبار ہندوستان کے مشہور "موحد"، نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تفسیر کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اور اب نجد و حجاز کے مشہور موحد فرمانروا سلطان ابن سعود کے حکم سے شایع ہوئی ہے) عتبیؒ کی زبانی نقل فرماتے ہین، کہ مین رسولؐ کی تربت مبارک کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا، اور عرض کی "یا رسول اللہ صلعم! مین نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما، پس مین آپ کے پاس حاضر ہوا ہون، اپنے گناہون پر مغفرت طلب کرتا ہوا اور اپنے پروردگار کے حضور مین آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوا" اس کے بعد منت مین دو شعر پڑھے، عتبیؒ کہتے ہین، کہ اس کے بعد اعرابی تو وہان سے ہٹ گیا، اور مجھے نیند آگئی، خواب مین مجھے رسول اللہ صلعم کی زیارت ہوئی، اور آپؐ نے مجھ سے فرمایا، کہ اس اعرابی سے جاکر مل، اور اسے بشارت پہونچادے کہ اللہ نے اسکی مغفرت کردی (جلد ۲ ص ۵۰۶ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۷ھ) اور اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری روایت ابو حیان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر بحر المحیط مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے نقل کی ہے (جلد ۳ ص ۲۸۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ) یہ روایات اپنے تمام جزئیات و تفصیلات مین صحیح ہون یا نہ ہون، لیکن اتنا تو بہرحال نکلتا ہے کہ یہ "خوش عقیدگی" کوئی آج کی بدعت نہین، بلکہ صدیون پیشتر کے "موحدین" بھی اس مرض مین مبتلا

رہ چکے ہیں!

اس کے بعد اب اس بحث مین کیون الجھئے کہ نیت روضہ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہیئے، یا مسجد نبوی کی ؟ انسان کی جدال پسند فطرت ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا دیتی ہے صاف اور سیدھی بات یہ ہے، کہ مقصود خود حضور انور کی زیارت ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ اب مادی آنکھون سے اس کا امکان نہین، اس لئے مکان کے جس حصہ کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ نسبت، جس قدر زیادہ قرب ہوگا، اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی، حجرۂ عائشہ صدیقہؓ ہو یا مصلےٰ و منبر، جس شے کو بھی امتیاز وافتخار حاصل ہوا، اسی بنا پر حاصل ہوا، کہ حضور کی ذات سے اس کا تعلق تھا، اس مین نہ کسی کو نزاع ہے، اور نہ کوئی وجہ نزاع ہے، اس کے آگے جو کچھ اختلاف ہی، وہ کسی اصول یا عقیدہ کا اختلاف نہین، اپنے اپنے ذوق طبعی کا اختلاف ہی، بعض کی نظرین کے اُن ٹکڑون کی عظمت وتقدیس پر گئی، جو سید الانبیا صلعم کے رکوع و سجود کیلئے مخصوص تھے، اور اس لئے انھون نے نیت زیارت مین مسجد نبوی کے احترام کو سب پر مقدم وبالا رکھا، اور بعض نے یہ خیال کیا، کہ وہ شہیدون اور صدیقون کا سردارؐ جب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ وقایم ہے، تو قدرۃً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس تحد کو حاصل ہے جس کے اندر جسد اطہر آرام فرما ہے، اور اس لئے سفر کا اعلی مقصود اُس تربت پاک ہی کی زیارت رہے تو بہتر ہے، اور فقہاء حنفیہ نے غایت انصاف و اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرمادیا ہی، کہ زیارت تربت مبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبوی کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے،

قبر شریف کی زیارت مستحب، بلکہ بقول بعض علماء کے واجب ہی جسکو استطاعت ہو...... اور قبر شریف کی زیارت کے ساتھ چاہئے کہ مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کرے،	وزیارة قبره الشریف مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة........ ولینو معه زیارة مسجده الشریف (درمختار) فاذا نوی زیارة القبر فلینو معه زیارة مسجد رسول الله صلعم (عالمگیری)

مسجد نبوی اور روضۂ مبارک الگ الگ عمارتون کے نام نہین، اور ایک دوسرے سے جدا نہین، مسجد کی عمارت بہت وسیع، شاندار، اور اس سے بھی کہین بڑھکر حسین وجمیل ہی، اُس سے بڑی بعض مسجدین ہندوستان کے اندر موجود ہین، اور دوسرے ملکون مین بھی یقیناً ہونگی لیکن حسن وجمال کے لحاظ سے خوبی ومحبوبی کے لحاظ سے، زیبائی ودلکشی کے لحاظ سے پردۂ زمین پر اس مسجد کا جواب نہین بس، یہ جی چاہتا تھا کہ ہروقت صحن مین بیٹھے ہوئے عمارت مسجد کی طرف برابر ٹکٹکی لگی رہے، اللہ اللہ! کس محبوب کی مسجد ہے. اکیسے کیسے محبوبون نے یہان ماتھے ٹیکے ہین! اینٹ اور پتھر، مٹی اور چونہ تک پر محبوبیت چھا کر رہی ہی! مسجد کی پیمائش کا دماغ کس کو، اور طول وعرض کے جائزہ لینے کا ہوش کسے، لیکن بعض کتابون مین پڑھا ہی کہ موجودہ مسجد کا طول ۶۰۰ فٹ اور عرض ۴۰۰ فٹ ہی، قبلہ جنوب کے رخ پر ہے، آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے، بہترین نقش ونگار سے آراستہ حسین وزیبائش مین ایک سے ایک بڑھے ہوئے، اس کے بعد وسیع صحن، صحن کے داہنے

اور بائین دونون جانب صحن ہی کے برابر لانبے لانبے دالان، بائین جانب والے دالان مین عورتون کیلئے جگہ مخصوص کلام پاک کی آیات بعض احادیث کے ٹکڑے، اسمائے الٰہی، اسمائے رسولؐ، اسمائے صحابۂ کبار، سب موقع موقع سے در و دیوار پر کندہ۔ بڑی محراب، محراب عثمانی کے نام سے موسوم حضرت خلیفۂ ثالثؓ کی تعمیر کرائی ہوئی، منبر ٹھیک اسی جگہ پر رکھا ہوا، جہان عہدِ نبوتؐ مین تھا، اسی منبر اور روضۂ مبارک (حجرۂ عائشہ صدیقہؓ) کا درمیانی حصہ "روضۂ جنت" کے نام سے، حدیث صحیح کی بنا پر موسوم، اتنے رقبہ مین کوئی ڈھائی تین سو نمازیون کی جگہ ہوگی، اسی حصہ مین محراب النبی، اور مصلّےٰ نبیؐ یعنی وہ مقام جہان سرکارؐ خود کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے، اصل مصلّےٰ ایک دیوار سے چھپا دیا گیا ہی، صرف اتنا حصہ کھلا ہوا ہے، جہان حضور صلعم کے قدم مبارک ہوتے تھے، اس طرح اب جو قسمت کا دھنی وہان کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے، اُس کا سر قدرۃً و اضطراراً حضور صلعم کے آثارِ قدم پر جا کر پڑتا ہے! اللہ اکبر! کیا شانِ جمال، کیا وسعتِ کرم ہے! خدا جانے کتنون کی نجات اسی بہانہ سے ہو جاتی ہو!

عہدِ نبوت مین یہ تکلفات اور یہ وسعت کہان تھی مختصر سی زمین اور انتہائی سادگی، توسیع فاتحِ روم و ایران حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ہوئی، پھر خاص ترمیمات حضرت عثمانؓ غنی اور خلیفہ ولید نے کرائین، موجودہ عمارت کی زینت و خوشنمائی کا سہرا سلطان عبدالمجید خان مرحوم و مغفور کے سر ہے، اللہ ان سب خدام حرم نبویؐ کو پورا اجر عطا فرمائے، اس وقت مسجد مین پانچ دروازے

ہین، دو جانب مغرب، بابُ السلام اور بابُ الرحمۃ، ایک جانب شمال بابُ مجیدی
سلطان عبدالمجید خان کا تعمیر کرایا ہوا، اور دو جانب مشرقی، بابُ النسا اور باب
جبرئیل، صحن مین شرقی دالان سے ملا ہوا بستان فاطمہ تھا، کھجور کے چند شاداب
درخت لگے ہوئے تھے، اور ان کے سایہ مین ایک کنوان تھا جسکا پانی شیرینی و لطافت
مین مشہور تھا، نجدی حکومت نے وہ درخت کٹوا کر صاف کر دیئے ہین، اور کنوئین
کو بند کر کے اس مین قفل ڈالدیا ہی، مسجد مین خدام پہلے سیکڑون تھے، اب بہت
گھٹ گئے ہین، خواجہ سراؤن، (آغاؤن) کی جماعت پہلے بہت
ذی اختیار تھی، اب یہ لوگ بھی تعداد مین بہت کم رہ گئے ہین، اور ان کے اختیارات
بھی بہت محدود ہو گئے ہین، انکے بیٹھنے کا ایک وسیع چبوترہ باب جبرئیل اور
باب النسا کے درمیان بنا ہوا، کہا جاتا ہی کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا
یہی چبوترہ تھا، مسجد کے ستونون پر عہد نبوی کی مسجد کے حدود درج،

اسی مسجد کے گوشۂ جنوب و مشرق مین دالانون کے اندر، وہ سبز گنبد والا
روضۂ اقدس ہی جس کی زمین بہ قول محدث جلیل، قاضی عیاض مالکیؒ کے بلا نزاع
و اختلاف سارے روے زمین سے بڑھکر ہے (ولا خلاف ان موضع قبرہ صلعم
افضل بقاع الارض) اور بہ قول ہمارے فقہا کے زمین، آسمان کعبہ، عرش
کرسی، سب سے افضل ہی، فما ضم اعضاءہ الشریفہ فھو افضل بقاع الارض
بالاجماع حتی من الکعبۃ و من العرش (لباب لمناسک) فانہ افضل مطلقًا
حتی من الکعبۃ والعرش والکرسی (در مختار) جس حصۂ زمین کی بابت محققین

محدثین اور خشک فقہا یہان تک فرما جائین، اس کے لئے جذبات کی زبان کا الفاظ کہان سے ڈھونڈ کر لائے، اور کسی نے خود جو کچھ دیکھا ہی، وہ اسے دوسرون کو کیونکر دکھائے، شاعر کی تخئیل نے بڑی بلند پروازی کی تو یہ کہا کہ ؎

انبساطِ عید دیدن روے تو
عید گاہِ ما غریبان کوے تو

لیکن جس کی دید رخ کو انبساط عید سے کوئی نسبت ہی نہ ہو، اور جس کی گلی پر ہزارون عید گاہین قربان ہون، اس کے بیان کرنے کے لئے دنیا کی کس زبان سے الفاظ تلاش کرکے لائے جائین، اور کس اہل زبان کی زبان سے امداد و اعانت کی التجا کی جائے؟

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ	جنت ست آن گرچہ باشد قعرِ چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشین	فوق گردون ست نے قعرِ زمین
خوشتر از ہر دو جہان آنجا بود	کہ مرا با تو سر و سودا بود

یہ تو سب کو معلوم ہی کہ حضور صلعم نے بی بی عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مین عالم ناسوت سے سفر آخرت اختیار فرمایا تھا، اور جسد اطہر یہین سپرد لحد کیا گیا، پہلو مین، ادب کے ساتھ ذرا پائین کی طرف ہٹے ہوئے، صدیق و فاروق دونون وزیر بھی یہین آرام فرما ہین، حجرۂ صدیقہ مین اس کے بعد سے بار بار تبدیلیان ہوتی رہین، یہان تک کہ اب روضۂ مبارک کوئی ۳۰، ۵۳ فٹ لانبی ہو اور اس سے کچھ کم چوڑی عمارت ہو گی، خانۂ کعبہ سے ممتاز رکھنے کے لئے اسے بالقصد، بجائے مربع کے مستطیل

رکھا گیا ہے، سب سے پہلے چارون طرف لوہے اور پیتل کی جالی یا جنگلے کی دیوارین ہین، ان جالیون کی دیوارون مین جنوب، مشرق، اور شمال کے رُخ پر دروازے بھی ہین، مگر عام لوگون کے لئے ہمیشہ بند ہی رہتے ہین، خاص خاص موقعون پر خدام وغیرہ کے لئے کوئی دروازہ کھلتا ہی، جالیون کے اندر سیسہ بھری ہوئی گہری بنیادون کے اوپر ایک مضبوط پختہ چار دیواری ہی جو حجرہ صدیقہؓ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہی، اور جسمین کوئی دروازہ نہین، اس عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہی، اور گنبد خضرا اسی عمارت کے اوپر ہی، اس کے اندر اصل حجرۂ صدیقہؓ ہی، جو عہد نبویؐ مین خام تھا، بعد کو پختہ کر دیا گیا، یہ بھی ہر طرف سے بند ہی، جالیون والی چار دیواری کے اوپر کے حصہ مین بھی خوشنما سبز غلاف ترکون کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہی، مدینہ سے کعبہ سمت جنوب مین ہی، اس لئے روضۂ اطہر کا جسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہی وہ جنوب رخ ہی، اور یہی مواجہہ شریف کہلاتا ہی، اسی عمارت کے اندر، حجرۂ صدیقہؓ سے ملا ہوا ایک اور حجرہ بھی ہی، جس کے اندر ایک مزار سا بنا معلوم ہوتا ہی، کہا جاتا ہی کہ حضرت فاطمہ زہراؓ نے یہین وفات پائی ہی، اور مزار کی بابت ایک روایت یہ ہی، کہ انھین سیدۂ خاتون جنت کا ہی، اور بعض روایات یون مشہور ہین، کہ یہ کوئی دوسری بی بی حضرت زہراؓ کی ہمنام تھین ۔۔۔۔ مدینہ پہونچتے ہی تڑپ تھی تو یہ بے قراری تھی تو اس کی کہ جسقدر جلد بھی ممکن ہو، اس آستان پاک تک پہونچئے، لیکن اس ذوق و شوق، اس طلب و تمنا کے باوجود، یہ کیا ہی کہ ہمت کے قدم ڈگمگائے جارہے ہین، اور ارادہ ہی کہ جم جم کر ٹوٹتا ہی اور ٹوٹ ٹوٹ کر جمتا ہی!! الٰہی یہ آخر کیا اسرار ہی!

باب (۱۱)

گنبدِ خضرا

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی کی تجلیاتِ جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو پاکوں کے پاک اور دلیروں کے دلیر موسیٰ کلیم تک تاب نہ لاسکے، اور اللہ کی کتاب گواہ ہے کہ کچھ دیر کے لئے ہوش و حواس رخصت ہو گئے، معراج کی شب، جب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا، تو روایات میں آتا ہے، کہ اس وقت وہ عبدِ کامل، جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا، اور ضرورت ہوئی کہ "رفیقِ غار" (رضی اللہ عنہ) کا تمثل سامنے لاکر آب و گل کے بنے ہوئے پیکرِ نور کی تسلی کا سامان کیا جائے ——— یہ سرگذشت انکی تھی، جو قدوسیوں سے بڑھکر پاک، اور نورانیوں سے بڑھکر لطیف تھے، پھر وہ مشتِ خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو، جسکا ظاہر بھی گندہ اور باطن بھی گندہ، اگر وہ رسول صلعم کی مسجدِ اقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اسکا قدم رسول کے روضۂ انور کی طرف بڑھتے ہوئے لڑکھڑا رہا ہو، اگر اسکی ہمت، رحمت و جمال کی سب سے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اسکا دل اس وقت اپنی بیچارگی و درماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو، تو اس پر حیرت

کیون کیجئے، خلاف توقع کیون سمجھیے، اور خدا کے لئے اس ناکارہ و آوارہ، بیچارہ و درماندہ کے اس حال زار کی ہنسی کیون اڑائیے؟

مغرب کی اذان مین چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یاوری نے باب النسا کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مدظلہ کی خدمت مین پہنچایا، موصوف حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ (جانشین حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ) کے حقیقی بھائی ہین، (قلم ہچکچا رہا ہے کہ اگر انکو "بڑا" لکھے، تو انھین "چھوٹا" کیونکر کہے!) ۲۵، ۳۰ سال سے اپنے شہر کو ترک کئے ہوئے دیار رسول صلعم مین حاضر ہین، اور وطن کے ساتھ ہی یاد وطن کو بھی ترک کر چکے ہین، مولانا گنگوہیؒ سے بیعت و اجازت ہے، اور مرشدون کے مرشد، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے چشمۂ فیض سے سیراب، صبح سے لیکر رات تک ہر وقت خدمت خلق مین مشغول، ایثار و استغنا، بےنفسی و خود فراموشی، تواضع و فروتنی کا ایک کامل نمونہ ہندوستان مین دیکھا تھا، اور دوسرا نمونہ اللہ نے اس مقدس سرزمین پر پہونچتے ہی دکھا دیا، جلد ہی جلد ہی تعارف ہوا، اور فوراً اذان کی آواز فضا مین گونجنے لگی، ایک اپنا مصرعہ ذہن مین پڑا ہوا تھا، ع

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کیساتھ!

حکیم مومن خان تو شاعری کی دنیا مین چلے تھے، یہان چلنا خیالی دنیا مین نہین، عملی دنیا مین تھا، اور حاضری "بیت خلیل" مین نہین "بیت حبیب" مین دینی تھی، اس گھڑی ایک "پارسا" کی دستگیری و رہنمائی غنیمت نہین، نعمت تھی، دھڑکتا ہوا دل کچھ تھما، اور ڈگمگاتے ہوئے پیر کسی قدر سنبھلے، ادھر اذان کی آواز ختم

ہوئی اُدھر قدم دروازہ سے باہر نکالے، مکان سے حرم کے داخلہ کا دروازہ باب جبریل اگرچہ چند فٹ نہیں، تو چند گز پر ہی، اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کے منٹ مین طے ہوا، اس وقت نہ وقت کا احساس نہ فاصلہ کا ادراک، نہ "زمان" کی خبر نہ "مکان" کی!

کہتے ہین کہ داخلہ باب جبریل ہی سے افضل ہے، یہ افضلیت بلا قصد خود بخود حاصل ہو گئی، حرم کے اندر قدم رکھتے ہوئے، یہ دعا پڑھی جاتی ہے، اللھم افتح لی ابواب رحمتك وفضلك وارزقنی من زیارۃ رسولك صلی اللہ علیہ وسلم کما رزقت اولیاءك واغفرلی وارحمنی یا ارحم الراحمین، لیکن پہلی مرتبہ قدم رکھتے وقت ہوش وحواس ہی کب درست تھے، جو یہ دعا یا کوئی اور خاص دعا، قصد وارادہ کرکے پڑھی جاتی، ایک ربودگی، بیخبری، اور نیم بے ہوشی کی حالت مین معمولی درود شریف کے الفاظ تو محض حفظ کی بنا پر، بلا قصد وارادہ زبان سے ادا ہوتے رہے، باقی بس، ہوش آیا، تو دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے، دو چار منٹ ہو چکے ہین، اور امام پہلی رکعت کی قرأت ختم کرکے رکوع مین جا رہے ہین، جھپٹ کر جماعت مین شرکت کی اور جون تون کرکے نماز ختم کی، یہ پہلی نماز وہان ادا ہو رہی ہے جہان کی ایک ایک نماز، پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازون کے برابر ہے، اللہ اللہ! شان کریمی اور بندہ نوازی کے حوصلے دیکھنا! کس کو کیا کیا مرتبے عطا ہو رہے ہین!

اس مرتبہ کو دیکھئے، اور ہمکو دیکھئے!

وقت، نماز مغرب کا تھا، اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھی جاتی ہے،

لیکن جسکی نصیبہ وری کا آفتاب عین اسی وقت طلوع ہو رہا ہو جس کی سربلندیوں اور سرافرازیوں کی فجر عین اس وقت ہو رہی ہو، کیا وہ بھی اس وقت کو، مغرب ہی کا وقت کہتا اور سمجھتا رہے؟

لیجئے، نماز ختم ہو گئی، فرض ختم ہو گئے، سنتیں ختم ہو گئیں، اور روضۂ اطہر کے دروازہ پر ہر طرف سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں آنے لگیں، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، جس پر اللہ خود درود بھیجے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں، اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ وسلام کی کیا کمی ہو سکتی ہے! اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ، اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ، اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (آج "غائب" کا صیغہ سرے سے غائب ہے، حضوری کے وقت بھی غیبت کے آداب ملحوظ رکھنا کیسی کھلی ہوئی بدتہذیبی ہے) وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَجَاهَدْتَ فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنِّىْ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى! ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی، ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی، جسے دیکھئے مواجہہ شریف کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے، اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں، پتھر سے تعمیر کئے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں، بلکہ اس کے درِ اقدس کی جانب ہے جو

دلون کا کعبہ اور روحون کا قبلہ ہی، اور جس کے ارد گرد خود پاکیزگی طواف کرتی رہتی اور طہارت صدقہ ہوتی رہتی ہی! کسی کا نالہ جگر گداز کسی کے لب پر آہ و فریاد، ہر شخص اپنے اپنے حال مین گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف مین سرشار گنہگارون اور خطاکارون کی آج بن آئی ہے، آستان شفیع المذنبین تک رسائی ہی!

سجدون مین اور بڑھتی ہی رفعت جبین کی!

یہان بھی نہ مانگین گے تو کہان جائین گے، آج بھی نہ گڑگڑائین گے تو کدھر سر ٹکرائین گے، و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک الخ کا وعدہ پورا ہونے کیلئے ہے، محض لفظ ہی لفظ نہین ہین!

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہی، رند و پارسا، فاسق و متقی سب ہی اس دھن مین لگے ہوئے ہین، اُدھر ایک ننگ امت، حیران و ششدر، فرط ہیبت و جلال سے گنگ و مضطر، حواس باختہ، چپ چاپ، سب سے الگ کھڑا ہوا ہی، نہ زبان پر کوئی دعا، نہ دل مین کوئی آرزو، سر سے پیر تک ایک عالم حیرت طاری! یا الٰہی! یہ خواب ہی یا بیداری! کہان ایک مشت خاک، کہان یہ عالم پاک ـــــ جل جلالہ، جہان ابوبکرؓ اور علیؓ حاضر ہوتے ہوئے تھراتے ہون، جہان عمرؓ آواز سے بولتے ہوئے لرزتے ہون، جہان کی حضوری جبرئیل امین کے لئے فخر کا باعث اور شرف کا سبب ہو، آج وہان عبدالقادر دریابادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ، بے تکلف اور بلا جھجھک کھڑا ہوا ہی! دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدندان نہ زبان یاوری کرتی ہی، نہ لب کسی عرض و معروض پر کھلتے ہین، نہ دعاؤن

کے الفاظ یاد پڑتے ہین، نہ ملا جامی کی کوئی نعت خیال مین آتی ہی، چلتے وقت تو دل مین کیا کیا ولولہ اور کیسے کیسے حوصلہ تھے! لیکن اس وقت سارے منصوبے یکقلم غلط، سارے حوصلے اور ولولے یک لخت غائب! لے دے کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہی، وہ محض کلام مجید کی بعض سورتین، اور آیتین ہین، یا پھر یہی عام معمولی درود شریف، اور زبان ہی کہ بے سوچے سمجھے، بغیر غور و فکر کئے، انھین الفاظ کو رٹتے ہوئے سبق کی طرح، اضطراراً دوہرائے چلی جا رہی ہی! ع

نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد!

جالیون کے تین طرف سعودی سپاہیون کا پہرہ رہتا ہی، چوتھی طرف یعنی شمالی سمت سے جالیون تک پہونچنے کا کوئی آسان راستہ نہین، مسجد نبویؐ کے دروازے آخر وقت تہجد سے لیکر بعد نماز عشا تک کھلے رہتے ہین، اس درمیان مین پہرے برابر بدلے رہتے ہین، جنوبی سمت مین، جدھر مواجہ شریف ہی، پہرہ کا اہتمام زیادہ رہتا ہی، چار سپاہی ہر وقت تعینات رہتے ہین، زیارت کی عام اجازت بھی صرف اسی رُخ سے ہے، مغربی جانب، بالین مبارک ہے، ادھر سے زیارت کی اجازت نہین (سنا ہی کہ کسی زمانہ مین شیعون کو زیارت کی اجازت اسی رُخ سے تھی) مشرقی جانب پائین مبارک ہے، اور باب جبرئیل سے داخل ہونے کے بعد مواجہہ شریف تک پہونچنے کا راستہ اسی طرف سے ہے، ادھر سے بھی زیارت کی عام اجازت نہین، لیکن سپاہی بھی مختلف مزاجون اور طبیعتون کے ہوتے ہین، اکثر ایسے تندمزاج، متشدد اور شقی القلب، کہ دھکے دینے مین انھین باک نہین، بید مار بیٹھنے مین انھین تامل نہین، عورتون کو

پکڑ پکڑ کر گھسیٹنے اور ڈھکیلنے مین انھین دریغ نہین، کوئی کوئی اس کے برعکس ایسے نرم دل اور روادار، کہ زائرون کو ہر طرح کی بے ضابطگی اور قانون شکنی کرتے دیکھتے اور کچھ نہ بولتے، بلکہ سر جھکا کر کلام مجید پڑھنے لگتے! بعض ایسے بھی دیکھنے مین آئے جو زائر کی معمولی داد و دہش کے بعد پتھر سے موم ہو جاتے! سپاہیون کے علاوہ، اور شاید اُن کی نگرانی کے لئے بھی، دو چار آدمی محکمۂ امر بالمعروف کے بھی بید یا چھڑی ہاتھ مین لئے ٹہلتے رہتے ہین، اور "شریعت حقۂ نجدیہ" کا نفاذ اس حرم محترم کے حدود کے اندر، زبان اور ہاتھ دونون سے پوری قوت کے ساتھ کرتے رہتے ہین!

مواجہہ شریف، مشتاقانِ زیارت سے خالی تو کسی وقت نہین ہوتا، البتہ پانچون نمازون کے بعد زیارت کے اوقات باضابطہ مقرر ہین، قدرۃً ان اوقات مین بڑی چپقلش ہوتی ہی، اور بعض اوقات اتنا ہجوم ہو جاتا ہی، کہ جو لوگ مسجد کے اندرونی درجون مین محراب عثمانی کے آس پاس سنن و نوافل مین کچھ دیر مشغول رہنا چاہتے ہین، اُن کے لئے قطعاً کوئی موقع نہین باقی رہجاتا ہی، بلکہ بعض اوقات تو وہ پستے پستے بچ جاتے ہین! زیارت عموماً مزوّرون کی پیشہ ورجماعت کراتی ہی، اور زیارت کا عام طریقہ یہ ہے، کہ مواجہہ مبارک کے سامنے ہر مزوّر اپنے اپنے گروہ زائرین کو لا کھڑا کرتا ہی اور باآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھتا جاتا ہی، اور زائرین اسی کے الفاظ کو دوہراتے جاتے ہین، یہانتک کہ مسجد ان آوازون سے گونج جاتی ہی، اور جن کو یہ واضح وقطعی حکم ملا تھا کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ (نبیؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو) وہ مواجہہ مین حاضر ہو کر اپنے حلق کی پوری طاقت و قوت کیساتھ بے تحاشا چیخنے

لگتے ہین، اور اُس کو اپنے نزدیک کمالِ عقیدت و منتہائے تعظیم سمجھتے ہین! ع

خرد کا نام جنون پڑگیا، جنون کا خرد!

باہر کے آئے ہوئے زائرین بیچارے تو فی الجملہ ادب ملحوظ رکھ لیتے ہین، اور بہرحال ڈرتے ہی رہتے ہین، نڈر ہو کر غضب تو زیارت کرانے والے بزرگ کرتے ہین، جنکا پیشہ ہی زیارت کرانا ہی، اور جو مدتون سے اس پاک سرزمین مین آباد ہین! ان کے لئے نہ اس کی ضرورت، کہ اپنی آوازون کو پست اور نظرون کو نیچا رکھین، نہ اس کی حاجت کہ روضۂ اقدس کے عین پائین مین کھڑے ہو کر زائرون سے ہر قسم کی "معاملت" اور وہ بھی آدابِ شریعت کے ساتھ نہین، بلکہ لوازمِ "معاملت" کے ساتھ طے فرمانے سے محترز رہین، اور نہ ان کے علاوہ دوسرے آدابِ مسجد خصوصًا آدابِ مسجد نبویؐ کے لحاظ و احترام کی ضرورت! ان کے لئے یہ بالکل کافی ہی کہ یہ "جیرانِ رسولؐ" ہین، اور "اضیافِ رسول صلعم"، جو ہزارہا میل کے فاصلہ سے آئے ہوئے ہوتے ہین، اُن کے ساتھ انکا ہر سلوک جائز، اور ہر برتاؤ درست!

سرگروہِ عاشقان حضرت اویس قرنیؓ کی بابت بعض اکابرِ صوفیہ سے نقل ہے[1] کہ جب آپ زیارتِ مدینہ کو حاضر ہوئے، آستانِ حرم (باب جبرئیل) تک پہونچے ہی تھے، کہ کسی نے کہدیا کہ "دیکھئے وہ سامنے رسول اللہ صلعم کا مرقد ہی" یہ سننا تھا، کہ غش کھا کر گر پڑے، اور جب ہوش آیا، تو کہا مجھے ابھی واپس لے چلو، جس شہر مین بجائے حبیبؐ کے تربتِ حبیبؐ موجود ہو، وہان مین ایک لمحہ بھی نہین ٹھہر سکتا،

---

[1] احیاء العلوم غزالی،

اویس سے بڑھکر عاشق و شیدا ! اویس سے بڑھکر عشق و محبت مین غرق، اویس سے بڑھکر مجنون و دیوانہ اور کون ہوا ہی؟ اس عشق کے ساتھ یہ لحاظِ ادب، یہ کمالِ احترام یہ پاسِ عظمت! پھر اگر آج حرمِ رسول صلعم مین، مسجدِ رسول صلعم مین روضۂ رسول صلعم مین کوئی شریعتِ رسول صلعم کی تحقیر ہوتے ہوئے دیکھے حقوقِ رسول صلعم کو پامال ہوتے ہوئے پائے آدابِ رسول صلعم سے بیزاری پھیلی ہوئی پائے، تو عشق و محبت کے مدعیو! خدارا بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ خوشی خوشی گوارا کر لیا جائے؟ ٹوکنے کی قوت و استطاعت رکھتے ہوئے محض تقدیرِ الٰہی کے حوالہ کر دیا جائے؟ یا خوش عقیدگی کے معنی یہ فرض کر لئے جائین کہ سیاہ سفید ہی، اور سفید سیاہ؟ صحابہؓ نے، تابعین نے، مجتہدین فقہ نے، محدثین نے، اکابرِ صوفیہ نے، کسی نے خوش عقیدگی کے یہ معنی لیے ہین؟ روم کا عارفِ کامل تو اپنی مثنوی مین یہ کہہ گیا، کہ جب "امرِ حق" مل جائے، تو "نقشِ حق" کو بھی توڑ ڈالو، اور "شیشۂ یار" کو "سنگِ یار" سے چکنا چور کر کے رکھدو[1]، پھر کیا یہ کہا جائیگا، کہ عارفِ رومیؒ بھی آدابِ عشق و محبت سے بیخبر تھا؟

نوٹ متعلق باب (۱۱)

کمزور کو قوت والے کا، نابینا کو آنکھون والے کا، گنہگار کو متقی کا سہارا اگر ملجاتا ہی، تو بڑا سہارا ملجاتا ہی، مدیر سچ نے اپنے مضمون "سفرِ حجاز" کے ذیل مین لکھا تھا، کہ مسجدِ نبوی مین لوگون کو مواجہہ شریف کے روبرو بیباکی کے ساتھ جاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے دیکھکر تکلیف ہوتی تھی، اس کے شایع ہونے کے چند ہی روز بعد، مولانا

[1] نقشِ حق را ہم بہ امرِ حق شکن　　بر زجاجۂ دوست سنگِ دوست زن

عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (مترجم القرآن) نے اپنی تازہ تالیف تذکرۃ الخلیل لطف فرمائی، جو مولانا خلیل احمد صاحب امبیٹھوی قدس سرہٗ (شارح ابوداؤد و ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) کے حالات میں ہے، مولانا شریعت و طریقت کے جامع ایک مسلم بزرگ تھے، ان کے حالات میں حسنِ اتفاق سے ذیل کی عبارت نظر آئی جو بجنسہٖ نقل کر دیجاتی ہے:—

"آستانہ محمدیہؐ پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکلنا تو کیا مواجہہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ مودبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بہ کمالِ خشوع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے، زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی، اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلعم حیات ہیں، اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپکی ایذا کا سبب ہے،
لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے، اور یہ بھی فرمایا، کہ مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت صلعم خود سنتے ہیں"
(صفحہ ۲۶۰)

باب ۱۲

زیارت اور آداب زیارت

توحید کا مسئلہ ایک صاف اور سیدھا مسئلہ ہی، لیکن دہریون اور ملحدون ہی نے نہین، خداپرستی کے دعویدارون نے بھی عجیب عجیب شگوفہ کاریان کررکھی ہین، اسی طرح بارگاہ رسالت کے ادائے حقوق کے معاملہ مین انکار کرنے والون ہی نے نہین، اقرار کرنے والون کے دماغون نے عجیب عجیب مغالطے کھائے ہین لوگون کے کانون مین کہین سے ایک لفظ "محبت" کا پڑگیا، بس پھر کیا تھا، اسکی آڑ مین ہر حرام، حلال تھا، اور ہر عیب، ہنر بنکر رہا، ذرا نہین سوچتے اور دیکھتے کہ محبت اپنی کتنی بیشمار مختلف صورتون اور قالبون مین اپنے گردوپیش ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی ہی، بیوی کی محبت کی شکل اور ہوتی ہی، اولاد کی محبت کی صورت اور، اولادسے جس قسم کی محبت کیجاتی ہی، کون شخص ہوش وحواس درست رکھکر اپنے مان باپ سے اسی طرح کی محبت کریگا،؟ پھر خود اولاد کی محبت کا یہ حال ہی کہ بچہ جب تک چھوٹا ہی، اُسے گود مین لیا جاتا ہی، اُسے گدگدایا جاتا ہی، اُسکے ساتھ کھیلا جاتا ہی، اور جب سیانا سمجھدار ہوا تو اس کیساتھ ادب وقاعدہ برتا جانے لگا، اور ادب کے ساتھ محبت کا برتاؤ بالکل ہی دوسرے انداز کا ہونے لگا'

اب اگر کوئی شخص اپنے بوڑھے ماں باپ کو اس طرح چھیڑنے گدگدانے کھلانے کودانے لگے، جس طرح اپنے چھوٹے کو کرتا رہتا ہے، تو یہ اس کی "محبت" کی دلیل ہوگی یا انتہا حمق اور کھلے ہوئے جنون اور دیوانگی کی؟

پھر رسول صلعم کا مرتبہ، تو باپ، ماں، بزرگ، استاد، مرشد، حاکم، غرض مخلوق کے ہر مرتبہ سے بڑا، اور رسول صلعم کا رشتہ ہر انسانی رشتہ سے اونچا ہے، اس کی شان میں اُس کے مرتبہ کے لحاظ سے ادنیٰ فروگذاشت بھی کیسے نظر انداز کیجا سکتی ہے؟ اسکی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے، وَمَن یطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللہَ اُس کی اطاعت کا حکم ایک دفعہ نہیں بار بار وارد ہوتا ہے، أَطِيعُوا اللہَ واطیعوا الرسول، اسکی پیروی کا صلہ اللہ کی محبوبیت ہے، فاتبعونی یحببکم اللہ اُس کے مجلس کے آداب تصریح و تاکید کے ساتھ، بار بار تعلیم کئے جاتے ہیں اس کے حضور میں آواز نہ بلند کرو، یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، ایسا نہ ہو کہ ایسی نادانستہ گستاخی سے سارے اعمال مٹ مٹا کر رہجائیں لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون، اس مظہر نور خدا کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھنا ہی بڑی پاکبازی اور دینداری ہے، ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم، حجروں کے باہر سے آواز دے دیکر پکارنا شدید بدعقلی ہے، ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون، رسول صلعم کو اس طرح پکارنا جس طرح عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے، ممنوع، لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً

رسول صلعم کے حقوق کا اور کسی اور کے حقوق کا مقابلہ نہین ہو من کی نظر بین رسولؐ کا مرتبہ اپنے جان و دل سے بھی بڑھکر ہوتا ہی، النبی اولی بالمومنین من انفسھم، جسکی مجلس کے آداب کا مخلوق کو نہین خالق کو، بندون کو نہین پروردگار کو، یہ اہتمام ہو جس کے دربار مین حاضری کے یہ قواعد و ضوابط اس تفصیل کے ساتھ، ہمیشہ کیلیے اور ہر آنے والی قوم کی ہدایت کے لئے قرآن مجید مین محفوظ کر دیئے گئے ہون، اس کے آستانہ پر دور دراز سے آکر حاضری دینے والے امتی اگر اپنی نادانی اور بے سمجھی سے ان بندھے ہوئے قاعدون اور ضابطون کو توڑین، اور اس ربّانی دستور العمل کی جگہ اپنے ایجاد کئے ہوئے طریقون کو رواج دینے لگین، تو بجز اس کے کہ انکی کم نصیبی پر حسرت و تاسف کیا جائے، اور کیا کیا جا سکتا ہی؟

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کی ہدایات، آداب زیارت روضہ انور کے سلسلہ مین بالکل صاف، صریح اور واضح ہین، جنمین کسی قسم کا اختلاف نہین، علامہ رحمۃ اللہ سندھیؒ، لباب المناسک مین، اور ان کے شارح ملا علی قاریؒ المنسک المتوسط مین کہتے ہین،

ثم توجہ بالقلب و القالب مع رعایۃ غایۃ الادب تجاہ الوجہ الشریف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلۃ و الانکسار و الخشیۃ و الوقار و الھیبۃ و الافتقار غاض الطرف مکفوف الجوارح فارغ القلب و اضعا یمینہ الخ	پھر دل و جسم دونون کے حضور کے ساتھ غایت ادب ملحوظ رکھکر مواجہ شریف مین حاضر ہو، اس حال مین کہ تواضع، خضوع، خشوع، ذلت، انکسار، خشیت، وقار، ہیبت اور محتاجی اپنے اوپر طاری ہو، نظرین نیچی ہون، اعضا سمٹے ہوئے ہون، قلب یکسو ہو، داہنا ہاتھ بائین ہاتھ کے اوپر باندھے

شمالہ مستقبلاً للوجہ الکریم مستدبراً للقبلۃ تجاہ مسمار الفضۃ علی نحو اربعۃ اذرع لا اکثر ای لانہ لیس من شعار آداب الاحرار۔	ہوئے ہو، چہرہ روئے مبارک کے سامنے ہو، پشت قبلہ کی جانب ہو، اس ہیئت کے ساتھ چاندی کی کیل کے پاس آئے، اور تقریباً چار گز کے فاصلہ پر رہے اس سے زیادہ قریب نہ آئے کہ اس قریب تر آنا آداب صالحین میں داخل نہیں،

ادب کی جگہ ہے ہیبت کا مقام ہے، ناز نہیں نیاز درکار ہے، ناز کرنے اور اترانے کا نہیں، لرزنے اور تھرانے کا کام ہے، ہیبت، ادب، وقار، خشیت، سکینت پر تمام فقہاء نے زور دیا ہے، اور سب سے زیادہ زور اس پر ہے، کہ لپٹنا، چومنا، مس کرنا، الگ رہا، جالی مبارک کے قریب تک نہ جائے، بلکہ کمال ادب کے ساتھ کچھ فاصلہ ہی پر اپنے کو روکے، صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:۔

ثم یاتی القبر الشریف فیستقبل جدارہ ویستدبر القبلۃ علی نحو اربعۃ اذرع،	پھر قبر شریف کی طرف آئے، اس کی دیوار کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پشت رکھے، اور کوئی چار گز کے فاصلہ پر رہے،

اور عالمگیریہ میں ہے:۔

ثم یدنو منہ ثلثۃ اذرع او اربعۃ ولا یدنو منہ اکثر من ذالک ولا یضع یدہ علی جدار التربۃ فھو اھیب واعظم للحرمۃ یقف کما یقف فی الصلوٰۃ،	پھر تربت شریف سے بقدر تین یا چار گز کے قریب آئے لیکن اس سے زیادہ قریب نہ ہو، اور نہ اپنا ہاتھ دیوار مزار پر رکھے، کہ یہی مقتضائے ہیبت ہے اور اس طرح کھڑا رہے، جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے،

اور طحطاوی، شرح درمختار مین ہی،

یدنو منہ قدر ثلثۃ اذرع او اربعۃ	تربت سے بقدر تین یا چار گز کے قریب آجائے،
ولا یدنو اکثر من ذلک ولا یضع یدہ	لیکن اس سے قریب تر نہ ہو اور نہ دیوار مزار پر
علی جدار التربۃ فھو اھیب و اعظم	اپنا ہاتھ رکھے، کہ یہی ہیبت و عظمت مقام کا تقاضا ہی

اور فتاوی قاضیخان مین ہی:۔

و اذا اتی المدینۃ یستعد لزیارۃ قبر	مدینہ پہونچکر زیارت قبر نبی صلعم کے لئے آمادہ ہوا ور
النبی صلعم باتیھا بالسکینۃ و الوقار	وہان حاضر ہو ادب و احترام و ہیبت و عظمت کیساتھ
و الھیبۃ و الاجلال لانہ محل رسول	کہ یہ مقام ہی رسول خدا صلعم کا اور نزول وحی
اللہ صلعم مھبط الوحی و نزول الملئکۃ	و نزول ملائکہ کا،

یہ نہ خیال گذرے، کہ یہ احکام و ہدایات صرف خشک فقہا کے ہین، اہل "محبت" نے جو کچھ کہا ہی، پس وہ بالکل یہی ہی، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی فرما گئے ہین، شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے بڑھکر اہل دل اور اہل محبت کے گروہ مین اور کون ہوگا، مگر وہ فرماتے ہین:

ولا یضع یدہ علی جدار الحظیرۃ ولا	نہ اپنا ہاتھ روضۂ مبارک کی دیوار پر رکھے نہ اسے
یقبلھا فان ذالک و امثالہ من صنع	بوسہ دے، اس لئے کہ یہ اور اسی قسم کی حرکتین
الجاھلین ولیس من سیرۃ السلف	جاہلون کی باتین ہین، اور سلف صالحین کے
الصالحین بل یدنو علی قدر ثلثۃ	معمولات مین نہین، اور تین یا چار گز کے فاصلہ
اذرع او اربعۃ (ماثبت بالسنۃ)	پر رہے،

اس اجمال کی تفصیل خود شیخ ہی کی زبان سے سن لیجئے:۔

و از انچہ در وسع و امکان بود در ظاہر و باطن	جہان تک اپنے امکان و اختیار مین ہو، ظاہری

از خضوع و وقار و ذلت و انکسار ذرۂ نامرعی	و باطنی ہر حیثیت سے اپنے مین خضوع، وقار
نگذارد و غیر آنکہ از سجود و تمریغ وجہ بتراب	ذلت وانکسار پیدا کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ
و استلام و تقبیل شباک شریف و امثال آن	رکھے، البتہ سجدہ کرنے اور فرش زمین پر لوٹنے
آنکہ در شرع رخصت نہ کردہ اند و در نظر ظاہر	اور جالی کو چومنے چاٹنے سے بچے، نیز اسی
بینان از قبیل ادب نماید اجتناب کنند،	قبیل کی دوسری حرکتون سے، اس لئے کہ
بلکہ بیقین داند کہ حقیقت ادب و رعایت	شریعت مین ان کی اجازت نہین، گو ظاہر بینون
اتباع و امتثال امر آنحضرت صلعم است و ہرچہ	کی نظر مین یہ ادب معلوم ہوتا ہو، یقین رکھنا
نہ ازین باب است از توہم باطل است "	چاہئے کہ حقیقۃً ادب نام ہے آنحضرت صلعم کی
(جذب القلوب، باب شانزدہم در آداب زیارت)	پیروی و تعمیل احکام کا، اور جو کچھ اس کے علاوہ
	ہے، وہ سب توہم باطل ہے،

سرتاج علماء ربانیین و صوفیۂ کرام، حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد ملاحظہ ہو:۔

و لیس من السنۃ ان یمس الجدار	یہ مسنون نہین کہ دیوار (مزار مبارک) کو ہاتھ لگائے
ولا ان یقبلہ بل الوقوف من بعد اقرب	یا اسے بوسہ دے، بلکہ احترام کا تقاضا یہ ہے کہ
للاحترام (احیاء العلوم، اسرار الحج باب ۲)	دور ہی کھڑا رہے،

اور پھر چند ورق کے بعد:۔

و اما زیارۃ رسول اللہ صلعم فینبغی	اور آنحضرت صلعم کی زیارت آپ کے سامنے
ان تقف بین یدیہ کما وصفنا و تزورہ	کھڑے ہو کر اسی طرح کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم
میتا کما تزورہ حیا و لا تقرب	لکھ آئے ہین، آپ کی زیارت موت کے
من قبرہ الا کما کنت تقرب من	بعد اسی طرح کرو جیسے زندگی مین کرتے اور

شخصه الكريم لو كان حيا كما
كنت ترى الحرمة في ان لا تمس شخصه
ولا تقبله بل تقف من بعد مائلا بين
يديه فكذلك فافعل فان المس و
التقبيل للمشاهد عادة النصارى
واليهود،

آپ کی قبر مبارک کے قریب اُس سے زیادہ
نہ ہونا چاہیے، جتنا آپکی حیات مین آپ کے
جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کو
سوء ادب سمجھتے، بلکہ آپ کی طرف متوجہ کچھ فاصلہ
پر سامنے کھڑے رہتے اسیطرح اب بھی کرنا چاہیے اور مزارات کو مس
کرنا اور بوسہ دینا تو نصاری اور یہود کا شعار ہی،

محدثین کے گروہ مین قاضی عیاض مالکیؒ سے بڑھکر جمالِ رسالتؐ کے شیدائیون
مین اور کون گزرا ہی، حقوقِ رسالت پر اُن کی کتاب الشفاء سے جامع تر کوئی
کتاب آج تک موجود نہ ہو سکی، اپنی اسی کتاب مین خود انھون نے، اور انکی
شرح مین ملا علی قاریؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، ذرا ایک نظر اس پر بھی فرمالیجائے،

(ويدنو) اي يقرب الى القبر قدرا
يناسب الادب (ويسلم لا يمس القبر)
وكذا جدار قبة وشبكة حجرة
عليه السلام (بيده) ولا يقبله
لعدم وروده عن الصحابة الكرام
ولانه اقرب الى مقام الادب
ولان ذالك من عادة النصارى
على ما نقله الغزالي (شفا جلد ٢ باب

قبر شریف کے نزدیک آئے، مگر اسی حد تک جو
ادب و تعظیم کے مناسب ہی، اور آپ پر سلام
بھیجے، لیکن قبر کو ہاتھ نہ لگائے، اور یہی حکم ہی
قبہ شریف کی دیوارون اور جالیون کا، اور نہ
انھین منہ سے چھوئے، اس لئے کہ صحابۂ کرام
سے ایسا کرنا ثابت نہین، اور اس لئے بھی
کہ ادب کا مقتضا یہی ہی، نیز اس لئے کہ ایسا
کرنا نصاری کا شعار ہے، جیسا کہ غزالیؒ

رابع فصل فی حکم زیارۃ قبرہ صلعم) | نے نقل کیا ہی،

غرض یہ کوئی حنفی، وہابی، مقلد و غیر مقلد، کا اختلافی مسئلہ نہین، اہل سنت کے سارے اکابر، اور تمام فرقے اس پر متفق ہین، اور آداب زیارت پر جس کسی نے لکھا ہی یہی لکھا ہی،

لیکن عمل کی حالت؟ ـــــ آہ آج کہان اور کس چیز مین مسلمانون کا عمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہی، جو ایک اسی معاملہ مین مطابقت کی تلاش کیجائے؟ خدا معلوم کتنے زائر، صبح سے شام تک ایسے آتے رہتے ہین، جنھین نہ ادب سے واسطہ نہ تمیز سے، وقار، سکینہ، وانکسار و سکنت کا ذکر نہین، کتنے ایسے ہین جو باوضو تک نہین ہوتے، ادب سے بیگانہ آداب سے ناآشنا، سر اٹھائے قدم بڑھائے، دروازون مین داخل ہوئے، اور دوڑتے بھاگتے ہوئے حیرت سے آنکھین پھاڑے چارون طرف دیکھتے ہوئے، روضۂ انور کی طرف دھاوا کئے چلے آرہے ہین، اور پہونچتے ہی یہ چاہتے ہین، کہ جالیون سے لپٹ جائین، یا اُن کے اندر گھس جائین، ادھر سعودی سپاہی کی نظر چوکی اور اُدھر انھون نے جالی پر ہاتھ اور منہ رکھکر اندر کی طرف بیباکی کے انداز اور حیرت کی نگاہون کے ساتھ جھانکنا شروع کر دیا، اور سلام پڑھنے کے وقت تو جاہل مزوّرون کی رہنمائی مین اُس مسجد مطہر مین، جہان عمر فاروقؓ زور سے بولتے ہوئے تھراتے تھے، وہ شور اور ہنگامہ برپا ہوتا ہی، کہ نمازیون کو نماز پڑھنی، اور تلاوت کرنے والون کو تلاوت کرنی دشوار ہو جاتی ہی، اور پھر مزوّرون کی زائرون سے "لین دین" کی گفتگو! ـــــ ان باتون کا پڑھنا ناظرین کے لئے ناخوشگوار، اور انکا لکھنا راقم کے لئے ناخوشگوار تر!

بہرحال جو نہ ہونا تھا، وہ ہوتا ہی اور وہان ہوتا ہی جہان ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہیئے تھا، رحمتِ عالم کی شان رحمۃ للعالمینی سب کے عیبون پر پردہ ڈالے ہوئے ہے، اور رحمٰن و رحیم اور ربِ غفار سب کے مالک اور سب کے پروردگار کی شان ستاری ناوان وزیا ن کار مجرم و خطا کار، سب کو مہلت دیئے ہوئے ہے، ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیٰ ظلھرھا من دآبۃ،

لیکن ہزارون کے اسی مجمع مین اگر سیکڑون نہین تو بیسیون، ضرور ایسے ہوتے ہین جو دل والے بھی ہوتے ہین، اور آنکھون والے بھی، جو دیکھتے ہین کہ کس دربار مین حاضر ہین، جو سمجھتے ہین، کہ انکا نصیبہ انھین کہان سے آیا ہی، انھین دیکھیے، تو کبھی مواجہ مبارک کے سامنے، کبھی پائین مین، کبھی بالین کی طرف، کبھی مصلی نبیؐ پر، کبھی منبر نبویؐ کے قریب، کبھی ستون عائشہؓ کے متصل، کبھی ستون ابی لبابہؓ سے لگے ہوئے، کبھی پاک مسجد کے کسی اور پاک گوشہ مین دبے اور سمٹے ہوے، روتے اور گڑگڑاتے ہوئے مناجات مین مشغول ہین، سجدہ مین پڑے ہوئے ہین، رکوع مین جھکے ہوئے ہین، تلاوت مین لگے ہوئے ہین، درود خوانی مین محو ہین، تسبیح و تہلیل مین غرق ہین، اپنی خطائین ایک ایک کر کے یاد آرہی ہین، اپنے گناہون کی فرد کی ہر ہر سطر سامنے ہی، کسی کی رحمتِ بیحساب کا حساب لگ رہا ہی، کسی کے کرم بے انداز کا اندازہ کیا جا رہا ہی، کسی کی شفاعت کا خیال آکر ٹوٹے ہوئے دل کو تسلی دے رہا ہی، اپنے اور اپنے بزرگون، عزیزون دوستون کے حق مین دعائین ہین، امت اسلامیہ کے حق مین آہین ہین، فریادین ہین، پکارین ہین، دردمندیان ہین، بیقراریان ہین، غرض ہر صورت سے اپنی

عبدیت اور اپنی بندگی کا تحفہ محمدؐ کے رب کے حضور مین محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے
موافق پیش کیا جا رہا ہی، کون بتلائے کیا کیا مانگا جا رہا ہی، کیا کیا مل رہا ہی! دینے والے کے
کرم کی کوئی انتہا ہی؟ پھر آخر مانگنے والے کیون اپنی زبانین روکین، اور کیون اپنے دل مین
کوئی حوصلہ کوئی ارمان باقی رہنے دین؟ دینے والا وہی تو ہی جس نے ایک مانگنے والے کے
الحاح کو دیکھکر غصہ اور خفگی کے لہجہ مین نہین، پیار کے الفاظ مین اور محبت کی آواز مین "حریص"
کہکر پکارا تھا، اللہ اکبر! حرص تو جب کیجاتی ہی جب ملنے سے پورا اطمینان نہین ہوتا، بے حساب
دینے والے، اور بے اندازہ کرم کرنیوالے سے بھی جو کوئی اپنا سوال جاری رکھے، اسکی "حرص"
شفاعت اسکی "حرص" شفقت کا کون اندازہ کرسکتا ہی؟ دینے والا غیر محدود، اسکی فیاضیون کا
اندازہ طاقت بشری سے باہر، لیکن مانگنے والا تو غیر محدود نہین، محدود، اور خدا نہین انسان
ہی تھا، اس محدود اور متناہی، اور بندہ اور بشر ہی کی "حرص" شفاعت "حرص" شفقت کا کون
اندازہ لگا سکتا ہی؟ آج اور یہان مانگنے والے اُسی حریص شفاعت، اسی حریص علیکم بالمومنین
رؤف الرحیم کا لقب پانے والے کے امتی ہین، اسی کے نام لیوا ہین، اسی کا کلمہ پڑھ پڑھ کر
جینے والے، اور اسی کا نام لیکر مرنے والے ہین، اِن کی دعائین، اور اِن کی آرزوئین!
——— اللہ اللہ! کس کی زبان مین قوت، اور کس کے قلم مین طاقت، جو اس
اجمال کی تفصیل، اور ان اشارات کی تشریح کرسکے!

نوٹ متعلق باب (۱۲)

"مراسلہ"

آدابِ زیارتِ نبویؐ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا سیدی ہذا ما ارقت ایرادہ فی باب آداب یلیق بالنبی صلعم صلی اللہ علیہ وسلم (۱) سیدنا بلالؓ نے حضور (روحی فداہ) کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ تو نے یہ کیسی جفا کی کہ ہماری زیارت نہ کی، بلالؓ اسی وقت شام سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہونچکر جب روضۂ انور پر حاضر ہوئے تو روتے روتے بیہوش ہونے لگے اور اپنا منہ مزار اقدس پر ملنے لگے، (حافظ ابن عساکر عن ابی الدرداء) (۲) مروان نے ایک شخص کو مزارِ اقدس پر منہ رکھے دیکھا تو کہا اے شخص یہ کیا کر رہا ہے، اس شخص نے سر اٹھایا تو وہ ابو ایوب انصاریؓ تھے، انھوں نے مروان کو جواب ان الفاظ میں دیا، نعم جئت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم آت ہذا الحجر (امام احمد فی مسندہ) (۳) اخرج البزار فی مسندہ ان سیدنا عمرؓ خرج الی منبر رسول اللہؐ فاذا معاذ ابن جبل قائم یبکی عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

محمد افضل سلاخپوری دکن، ۱۲- آذر،

تصحیح، یہ مراسلہ آج ۲۲ اکتوبر کو سفر میں ملا، وطن واپس ہونے میں ابھی ڈیڑھ مہینہ کی دیر ہے، اور اس اثنا میں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع نہیں، پیج نمبر ۱۲۵ میں سفر حجاز نمبر ۱۲ کے ذیل میں آدابِ زیارت روضۂ رسولؐ پر جو کچھ لکھا گیا تھا، مراسلہ نگار

نے انکا معارضہ روایات بالا سے کرنا چاہا ہے، لیکن ان روایتون مین سے تیسری کا مسئلہ زیر بحث ہی، تو کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا، اسمین تو صرف یہ مضمون ہی، کہ حضرت معاذؓ رسول اللہ صلعم کے قریب کھڑے ہوئے مصروفِ گریہ تھے، یہ صحیح ہوگا لیکن اس سے اُن چیزون کی جو لکھی جاچکی ہین، کسی طرح بھی تردید نہین ہوتی، رہ گئین وہ دو روایتین جو ابن عساکر اور مسند احمد کے حوالہ سے بیان کی گئی ہین، یہ روایتین اگر اسی صورت مین مروی ہین، (مراسلہ نگار صاحب معاف فرمائین انکی خدمت مین تعارف سابقہ بالکل نہین، ورنہ انکے اعتماد پر انھین بالکل صحیح تسلیم کرلیا جاتا) سو اول تو یہ مشہور و معلوم ہی، کہ ابن عساکر اور مسند کے رجال اُس پایہ کے نہین، جیسے کہ صحاح کے ہین، اس لئے محض یہ روایات استناد کے اعلی مرتبہ پر نہین، لیکن بالفرض یہ تمامتر صحیح بھی ہون، تو حضرت بلالؓ اور حضرت ابو ایوبؓ کے ان افعال کو ان کے غلبۂ محبت اور وفورِ جوش پر محمول کیا جائیگا، چنانچہ حضرت بلالؓ کے متعلق تو روایت ہی مین تصریح ہی کہ وہ "بیہوش ہونے لگے" جو دوسرون کے لیئے سند اور حجت کا کام نہین دے سکتے، قاضی عیاضؒ، ملا علی قاریؒ، امام غزالیؒ، شیخ عبد الحق دہلویؒ اور فقہا حنفیہ کے حوالون سے سچ مین جو عرض کیا گیا تھا، وہ شریعت کا ایک عام ضابطہ و قانون تھا، باقی اہل محبت پر غلبۂ شوق و وفورِ جوش مین اضطرارًا جو کیفیات طاری ہو جاتی ہین، اُن پر کون اعتراض کرسکتا ہی، البتہ دوسرون کیلئے جو حال "بیگانہ" ہین محض رسمًا و تقلیدًا انکا اتباع بھی جائز نہین، اور شریعت کا ضابطہ و نظام ان مستثنیات کی بنا پر نہین قایم ہوسکتا، خضرؑ کے لئے ایک بیگناہ کا قتل کرڈالنا جائز ہوگیا لیکن ہم آپ اگر کسی کو بے قصور طمانچہ بھی ماردین، تو شریعت کے قانون مین مجرم قرار پائین گے،

(سچ، جلد ۵، نمبر ۱۶)

باب ۱۳

"روضۂ جنت"

اللہ ٹھنڈا رکھے اگلون کی تربتون کو، تربت مبارک کی حفاظت اور لوگون کی نظر سے مخفی رکھنے کا کیسا کیسا انتظام کر گئے ہین، دین کے بادشاہؐ کا جسد مبارک جہان مع دونون وزیرون صدیقؓ و فاروقؓ کے آرام فرما ہے، وہ ام المومنین حضرت عایشہ صدیقہؓ کا حجرہ تھا، سر اسی سال تک یہ حجرہ اپنی اصلی حالت مین زیارت گاہ خلائق بنا رہا، لیکن رسول صلعم کا جمال دیکھنے والے اور ان دیکھنے والون کے دیکھنے والے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے، ہجرت کی پہلی صدی ابھی ختم بھی نہین ہونے پائی تھی، کہ خلیفہ ولید کے حکم سے والی مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک مستحکم سنگی عمارت حجرۂ صدیقہؓ کے گرد اگرد تعمیر کرا دی جسمین کوئی دروازہ نہ رکھا، تربت اطہر تو حجاب مین تھی ہی، اب حجرۂ شریفہ اس حجاب مین آگیا، اور مشتاقان جمال کو اسی بیرونی عمارت کی زیارت پر قناعت کرنا پڑنے لگی کچھ روز کے بعد مزید تحفظ کے خیال سے ایک اور احاطہ پتھر کے ستونون اور محرابون کا، اس عمارت کے ارد گرد بھی بنا دیا گیا، اور گنبد خضرا اسی احاطہ پر قایم ہے، اس احاطہ پر کلمۂ طیبہ سے منقش پردے پڑے رہتے ہین، اور اس کے دو دو ہاتھ کے فاصلہ پر چارون طرف فولاد یا پیتل کی زرد جالیون کی دیوارین ہین، اور اب زائر کے

کے پیش نظر صرف یہی جالیان رہتی ہین، یہ اہتمام اور انتظام چودھوین صدی ہجری اور بیسوین صدی عیسوی مین جس پہلو اور جس اعتبار سے بھی دیکھیے، سرتاسر ضروری و مناسب نظر آئیگا، تربت مبارک اگر بغیر اتنے حجابات کے کہین کھلے میدان مین ہوتی تو شریعت سے بیگانے اہل ہوس و اہل بدعت خدا معلوم اب تک کیا کر گذرے ہوتے! اور پھر جو اہل نظر ہین، وہ اس نظارہ بے حجاب کی تاب کیونکر لا سکتے! ان کے علاوہ اور بھی متعدد مصلحتین ہین، جو ہر غور کرنے والے کی سمجھ مین آسکتی ہین،

زیارت سے فراغت ہو چکی ہو تو درود و سلام پڑھتے ہوئے اب مسجد کے اس حصہ کی طرف آئیے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہی، کہ :-

ما بین بیتی (او قبری) و منبری روضة من ریاض الجنة،	میرے مکان (یا میری قبر) اور میرے منبر کے درمیان جو کچھ ہے، وہ جنت کے باغون مین سے ایک باغ ہی،

اور اسی بنا پر اس قطعہ کا نام بھی "روضہ" یا "جنت کی کیاری" پڑ گیا ہی، بالین مبارک کی طرف، جو جالیان ہین، وہان سے "روضہ" کے حدود شروع ہوتے ہین، اور منبر پر ختم ہوتے ہین، جو تخمیناً پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر رکھا ہوا ہی، یہ منبر کہا جاتا ہی کہ سلطان مراد کا بنوایا ہی، لیکن رکھا ہوا اسی جگہ پر ہی، جہان منبر نبوی رہتا تھا، منبر اور جالیون کے درمیان منبر سے ڈھائی تین گز کے فاصلے پر محراب النبی اور مصلی نبوی ہین، یعنی وہ مقامات جہان اپنے رب کے سب سے بڑے پوجنے والے نے نمازین پڑھی ہین، سجدے کیے ہین، رکوع کیے ہین، امامت فرمائی ہی، اس خطۂ نور کی نورانیت کو

الفاظ میں کیونکر بیان کیا جائے! حدیث کی شرح میں شارحین کے قول مختلف ہیں، کوئی یہ کہتا ہے کہ اتنا ٹکڑا نزولِ رحمت و حصولِ سعادت میں جنت کے باغیچوں کے مثل ہے، اور اس لئے اسے چمن جنت کہا گیا، کسی کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں کی عبادت نہایت مقبول ہے، اور اس کے سبب یقیناً باغِ جنت ملے گا، اس مناسبت سے اسے روضۂ جنت ارشاد فرمایا گیا، اور بعض شارحین کا قول یہ ہے کہ اس ارشاد کو ظاہر ہی پر محمول رکھا جائے، یعنی اتنا ٹکڑا حقیقۃً جنت ہی کا ٹکڑا ہے، اور قیامت کے دن بعینہ جنت کیطرف اٹھا لیا جائیگا، یہ سارے شارحین اور تاویلین حافظ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے، اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح و درست ہیں، عبادت اگر یہاں کی بھی مقبول نہ ہوگی تو اور کہاں کی ہوگی نزولِ رحمت اور حصولِ سعادت اگر یہاں بھی نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا، یہ سب صحیح ہے، لیکن صحیح ترین مفہوم وہی ہے، جو سب سے آخری قول میں نقل ہوا، کوئی اور مانے یا نہ مانے لیکن جن خوش نصیبوں کو اس خطۂ بہشتی کی زیارت نصیب ہو چکی ہے، اُنکا دل تو یہی پکاریگا، اسی کو مانے گا، اور یہی سمجھے گا، اتنا حسین، اتنا جمیل، اتنا دلکش، اتنا جاذبِ نظر، اتنا پر انوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہو نہیں سکتا! یقیناً اسے جنت الفردوس ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے، اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھکر انشاء اللہ بجنسہ وہیں پھر اٹھا لیا جائیگا!

اور محض دل کی آواز نہیں، محض قلب ہی کا فتویٰ نہیں، اگلے بزرگوں میں بھی بعض محققینِ کرام اسی جانب گئے ہیں، شیخ دہلوی حدیثِ بالا اور اسکی شرحوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:—

"تحقیق آن ست کہ کلام محمول بحقیقت خود است، و مابین حجرۂ آنحضرت صلعم و منبر شریف بحقیقت روضہ ایست از ریاض جنت باٰن معنی کہ فردائے قیامت آن را بہ فردوس اعلیٰ نقل کنند و در رنگ سائر بقاع ارض فانی و مستہلک نگردانند۔ چنانچہ ابن فرحون و ابن جوزی از امام مالکؒ نقل کردہ اند، و اتفاق جماعۂ از علمائے یاد نیز منضم ساختہ، و شیخ ابن حجر عسقلانی واکثر علماء حدیث ترجیح این قول کردہ اند، ابن ابی حمزہ کہ از کبار علمائے مالکیہ است فرمودہ، کہ احتمال دارد کہ عین این بقعۂ شریفہ روضہ از ریاض جنت باشد کہ از آنجا بہ دار دنیا فرستادہ باشد، چنانچہ در شان حجر اسود و مقام ابراہیم واقع است، و بعد از قیام قیامت ہم بہ مقام اصلی خودش برند"

(جذب القلوب، باب ۴)

اور اسے نقل کرنے کے بعد شیخ حسب توقع خود بھی اسی معنی کی تائید کرتے ہیں:۔

"این معنی از روئے حقیقت جامع جمیع معانی ست کہ دیگران گفتہ اند"

بعض کتابوں میں بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت دیکھنے میں آئی، کہ ہر صبح کو ستر ہزار فرشتے اس روضۂ جنت پر اترتے ہیں، اور شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں، اس کے بعد واپس چلے آتے ہیں، اور نئے ستر ہزار آجاتے ہیں، جو اسی طرح صبح تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں، اس روایت میں تو ستر ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، جو پھر بھی ایک تعداد محدود و متعین کا نام ہے، جو آنکھیں اس روضہ کے دیدارِ جمال سے مشرف ہوچکی ہیں، وہ تو اسکی تصدیق کرنے کو تیار ہیں، کہ ہزاروں اور لاکھوں کے عدد کیسے، بے شمار اور بے تعداد فرشتے ہر لحظہ اور ہر ساعت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے اس مرکز نور کو منور اور منور سے منور تر بناتے رہتے ہیں!

اسی روضہ کے اندر وہ آٹھ ستون بھی ہیں جنھیں "اسطوانات رحمۃ" کہا جاتا ہے،
ان کے پاس نمازیں پڑھنے کی خاص فضیلتیں آئی ہیں، روضہ بھر میں کہیں بھی نماز پڑھئے سارا
تختہ، تختۂ جنت ہی ہے لیکن اگر آسانی سے بلا زحمت و کشمکش، ان میں سے کسی ستون کے پاس جگہ
مل جائے، تو سبحان اللہ نورٌ علیٰ نور،

(۱) اسطوانہ مخلقہ، یہ ستون عین مصلّی نبیؐ کی پشت پر ہے، منبر تیار ہونے سے قبل
رسول اللہ صلعم اسی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے، ستون حنانہ جس نے
منبر کی تیاری کے بعد حضور سے جدا ہونے پر گریہ و بکا کیا تھا، ٹھیک اسی مقام پر تھا،

(۲) اسطوانہ حرس یا اسطوانہ علیؓ، یہاں صحابۂ کرام حضورؐ کی دربانی یا پہرہ کے لئے
بیٹھے رہتے تھے، اور اکثر یہ خدمت حضرت علیؓ سے متعلق رہتی تھی، اور آپ کثرت سے
نمازیں یہیں ادا فرماتے تھے،

(۳) اسطوانہ وفود، باہر سے جو وفد حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے
اکثر اسی مقام پر ملاقات فرمائی جاتی،

(۴) اسطوانۂ ابی لبابہؓ، حضرت ابی لبابہؓ مشہور صحابیوں میں ہیں، ایک مرتبہ آپ
جہاد میں نہ گئے، بعد کو خود ہی ندامت ہوئی، اور اس زور کا احساس ندامت ہوا کہ اپنے
کو مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا، بالآخر جب رحمت عالم صلعم جہاد سے واپس تشریف
لائے، اور ابولبابہؓ کی بریت میں وحی نازل ہوئی تو اپنے دست مبارک سے ابولبابہؓ
کو کھولا،

(۵) اسطوانہ سریر، اس ستون کے پاس رسول اللہ صلعم حالت اعتکاف میں کبھی کبھی کھجور
کے بوریئے پر آرام فرماتے تھے،

(۶) اسطوانہ جبرئیل، حضرت جبرئیل اکثر وحی اسی مقام پر لیکر آئے ہین،

چار ستون یعنی اسطوانہ حرس، اسطوانہ وفود، اسطوانہ سریر، اسطوانہ جبرئیل،
بالین مبارک کی جالیون والی دیوار مین ایک ہی قطار مین قریب قریب ہین،

(۷) اسطوانہ عایشہ رضؓ جس جگہ اب مصلی بنی ہی اس کے اختیار کرنے سے قبل رسول اللہ
نے کچھ روز یہین نماز ادا فرمائی ہی ایک مرتبہ حضور صلعم کی زبان مبارک سے یہ نکلا تھا،
کہ میری مسجد مین ایک جگہ ایسی ہی، کہ اسکی فضیلت اگر لوگون کو معلوم ہو جائے، تو وہان
جگہ پانے کے لئے لوگ قرعہ ڈالین، اُس وقت سے صحابہؓ کو برابر اس جگہ کی جستجو رہنے لگی
حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عایشہ رضؓ نے اس جگہ کا پتہ اپنے بھانجے حضرت عبد اللہ
بن زبیرؓ کو بتایا اسی مناسبت سے اسے اسطوانہ عایشہ رضؓ کہتے ہین،

(۸) اسطوانہ تہجد، یہ مقصورۂ شریفہ کی پشت کی جانب ہی (یعنی شمالی دیوار مین)
کہا جاتا ہی کہ یہان رسول اللہ صلعم نے تہجد کی نمازین ادا فرمائی ہین، سعودی حکومت
نے یہان نماز پڑھنے کی، بلکہ یہانتک پہونچنے کی ممانعت کر دی ہی، شاید اس خیال
سے کہ یہان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تربت مبارک سامنے پڑتی ہی،

روضۂ جنت مین جہان کہین بھی جگہ مل جائے، اپنی خوش نصیبی سمجھئے، لیکن
اس کے لئے دوسرون کی جگہ زبردستی چھین لینا، ایک دوسرے سے دھکم دھکا کرنا،
آداب مسجد اور وقار دربار نبویؐ کے بالکل منافی ہی، اور حق یہ ہی کہ اسکی ضرورت
بھی نہین پڑتی، شدتِ ہجوم کے زمانہ مین بھی، اسے یہان کی کرامت سمجھئے، یا جو کچھ
کہ ہر آرزومند کو اس محدود رقبہ کے اندر جگہ مل ہی جاتی ہی، حالانکہ کل گنجائش اسمین

شاید ڈھائی تین سو نمازیون سے زائد کی نہ ہو، صرف چند لمحے صبر و انتظار کی ضرورت ہوتی ہی، یہان تک کہ مصلے نبی جو موسم حج مین کبھی نمازیون سے خالی نہین رہتا اور جس پر مشتاقون کے ٹھٹ ٹوٹے پڑتے ہین، وہان بھی کچھ ہی دیر کے صبر و انتظار کے بعد جگہ مل کر رہتی ہی، البتہ اتنا خیال اپنے کو بھی رہنا چاہئے، کہ اُس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ رکھے، اس پر سب مسلمانون کا حق یکسان سمجھے، اور ہلکی ہلکی رکعتین پڑھکر جلد اس جگہ کو دوسرے آرزو مندون کے لئے خالی کر دے، یہین منبر کے قریب اور ایک دوسرے مقام پر بھی، بہت سے کلام مجید رکھے رہتے ہین، جبکا جی چاہی، پڑھے، غرض روضۂ جنت کے اندر قدم رکھنے کے بعد جتنی دیر چاہے نماز پڑھئے، جب تک جی مین آئے قرآن کی تلاوت کرتے رہئے، اور جب تک دل لگتا رہے، درود خوانی مین مصروف رہئے، ہر عمل جنت ہی کی طرف لیجانے والا ہی، سب سے بڑی بات یہ ہی کہ مواجہ مبارک مین جو رعب و جلال ہے، اور وہان حاضر ہو کر قلب پر جو ہیبت طاری ہوتی ہی، نہ یہان مفقود ہے، یہان سکون، اطمینان اور ٹھنڈک ہی، یکسوئی اور حضور قلب کے ساتھ جب تک قسمت یاوری کرے، مناجات مین لگے رہئے، عرض معروض کرتے رہئے، دعائین مانگئے، اپنی ذات کے لئے، بزرگون کے لئے، عزیزون کے لئے، دوستون کے لئے، ساری امت اسلامیہ کے لئے، سب کے لیے بھلائی چاہئے، اپنے گناہون کو یاد کیجئے، اپنی تباہ کاریون کا حساب لگائیے، روئیے، اور گڑگڑائیے، سجدون مین گرئیے، اور کسی کو منائیے، دل سے بھی روئیے اور آنکھون سے بھی سیلاب بہائیے، نہ یہ جگہ سب کہین نصیب، اور نہ یہ گھڑیان ہر وقت حاصل!

جمعہ کا دن مسلمانون کی عید کا دن ہوتا ہی، پھر مدینہ کا جمعہ، اور مسجد نبوی صلعم کا جمعہ! جس کے نصیب مین یہ آجائے، اس کے نصیبہ ور ہونے مین کسے کلام ہو؟ لیکن جس نے اپنا نام قادر علی الاطلاق رکھا ہی، جس نے اپنی شان غنی عن العالمین بیان کی ہی، اس کی کارفرمائیون کے بھید کون پا سکا ہی، اور اس کی مشیت کی باریکیون کی تھاہ کس کو مل سکی ہی، آفتاب "عالمتاب" ہی، سارے عالم کی آنکھون کو روشن کر دیتا ہی، لیکن اسی عالم کے اندر ایسے جاندار بھی موجود ہین، جن کے حق مین یہی نور عالمتاب، آنکھون کا حجاب بنجاتا ہی، مدینہ پر اس وقت سعودی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہی، سلطان حجاز کی طرف سے مدینہ مین جو امیر (گورنر) مقرر ہین، وہ عیسائیون کی طرح ہفتہ مین صرف ایک دن، ایک وقت کے لئے مسجد مین حاضر ہونا ضروری خیال فرماتے ہین، "حاضر ہونا" غلط کہا گیا، وہ حاضر نہین ہوتے ہین، مسجد مین "تشریف لاتے ہین" تشریف آوری کی شان یہ ہوتی ہی، کہ نماز جمعہ کے وقت مقررہ سے تین گھنٹے قبل (یہ مین گھڑی کے حساب سے پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہون) سے "روضۂ جنت" کا ایک معتد بہ حصہ عام نمازیون، اور عبادت گذارون سے خالی کرایا جانے لگتا ہی، اور منبر سے لیکر مصلی نبی صلعم تک کا حصہ بقدر تین صفون کے، ہر نماز پڑھنے والے سے، ہر تلاوت کرنے والے سے، ہر درود پڑھنے والے سے کبھی طوعاً، اور زیادہ تر کرہاً، خالی کرالیا جاتا ہی، اس لئے کہ امیر مع اپنے خدم و حشم کے تشریف لارہے ہین! (خدا کا شکر ہی کہ اس طرح کی تشریف آوری ہفتہ مین ایک ہی بار ہوتی ہی!) اور یہ خالی کرانے والے سعودی حکومت کے پیادے نیز "محکمۂ امر بالمعروف" کے عہدہ دار ہوتے ہین! محکمہ کا مقصد شریعت کا نفاذ اور

بدعتوں کا مٹانا بتایا جاتا ہے، لیکن خاص جمعہ کے مبارک و متبرک دن عین صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں "بدعتوں" کو یوں مٹایا جاتا ہے! "امر بالمعروف" کی یوں جسارت کیجاتی ہے! "توحید عملی" کی یوں منادی کیجاتی ہے! مساوات و اخوت اسلامیہ کا درس، صرف رعایائے حجاز ہی کو نہیں ساری دنیائے اسلام کو یوں دیا جاتا ہے۔ اللہ کا حلم، بیشک بہت بڑا ہے، لیکن کیا ہمیشہ مہلت ہی دیتا چلا جاتا ہے!

نماز سے ذرا پہلے امیر صاحب (غالباً موٹر پر) تشریف لاتے ہیں، اور مسجد کے اندر اس شان سے داخل ہوتے ہیں، کہ بندوقچیوں کا ایک پورا دستہ ہمراہ، آگے بھی سپاہی اور بائیں بھی سپاہی، اور اس غول کے اندر امیر صاحب نہ کسی سے مصافحہ نہ کسی سلام علیک! قدم قدم پر حکومت کی شان عیاں، اور امارت کے نشانات نمایاں، بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہندوستان کی سرزمین پر مائیکل اوڈائر، یا جنرل ڈائر اپنے اردلیوں اور اپنے فوجیوں کی قوت پر نازاں، اپنی کالی رعایا کے سامنے، اکڑتا اور جھومتا ہوا چل رہا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ترک بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "خادم الحرمین الشریفین" لکھتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، اب سلطان نجد و جلالۃ الملک، گو اپنی سلطنت اور درجہ میں ان سے بہت چھوٹے ہیں، ایسا کیوں نہیں کرتے؟ جواب ظاہر ہے، جب سلطان کے نائب اور جب "ملک" کے گورنر تک "خادم" ہونے کے بجائے "مخدوم" ہوں اور حرم کے اندر عین عبادت و تضرع کے وقت، عین خشیت و انابت کے موقع پر بھی، اپنے مخدوم اور اپنے حاکم ہونے کا یوں مظاہرہ فرماتے رہیں، وہ کیا کوئی دیوانہ ہے، جو اپنے کو "خادم" کہتا رہے، اور اپنے تذلل و افتقار کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتا رہے؟ —— دوستو اور عزیزو! یہاں سوال

حنبلیت وحنفیت کا نہین، وہابیت اور سنیت کا نہین، ابن تیمیہؒ اور ابوحنیفہؒ کی تقلید کا نہین، سوال صرف قوت و اقتدار، حکومت و امارت کا ہی، عبدالعزیز آل سعود آج "ملک" ہی "ملک"، اور ملک کو جھکتے ہوئے اور ربچکتے ہوئے، بچھے ہوئے اور دبتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے اور لرزتے ہوتے آج تک کس نے دیکھا ہی؟ اقبال نے کہا تھا ؎

ایک ہی صف مین کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

پھر نہ بندہ رہا کوئی نہ کوئی بندہ نواز!

لیکن دنیا اُس وقت سے بہت آگے بڑھ چکی ہی، اب "محمود" اپنی صف ہی "ایاز" کی صف سے الگ رکھے گا، بھلا اب تو کوئی "بندہ" اور "بندہ نواز" کے فرق و امتیاز کو مٹا دیکھے؟

باب ۱۴

مسجد نبویؐ

مسجد پاک کے کن کن حصون کی پاکیان اور کن کن گوشون کی بڑائیان گنائی جائینؔ
اور جو ہمہ خوبی وہمہ محبوبی ہی، اسکے کس کس جزو کے حسن وجمال کا نقشہ کھینچا جاے، بسوا اسکے کہ ایک ہی بار

گلچین بہار تو ز دامان گلہ دارد!

پڑھکر خاموشی اختیار کر لی جائے، ابھی "روضۂ جنت" کا ذکر تھا، "روضہ" کے اندر ہی محراب النبیؐ ہے، اس کے مقابل، روضہ کے باہر، منبر نبوی کے دوسری جانب محراب سلیمانی ہی، سال کے بیشتر حصہ مین، چونکہ جماعت، مسجد کی وسعت وگنجایش کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی ہی، اس لئے امام محراب نبویؐ مین کھڑا ہوتا ہی، اور نمازی روضہ مین ہوتے ہین لیکن حج کے آگے پیچھے موسم زیارت مین جب مجمع کئی گنا بڑھ جاتا ہی، تو امام، محراب النبی کو چھوڑ کر چند صفین آگے بڑھکر محراب عثمانی مین کھڑا ہونے لگتا ہی، اور نمازی مسجد کے سارے عرض وطول مین پھیل جاتے ہین، یہ محراب ذو النورین خلیفۂ ثالثؓ کی تعمیر کرائی ہوئی ہے اس کی نورانیت کا بیان کس زبان سے ہو! ——— غرض ساری مسجد اللہ ہی کی ہی، اور اللہ کے بندون کے لئے ہے، جہان چاہئے نماز پڑھئے، اور جس جگہ دل مین آئے اپنے مولا سے راز ونیاز مین لگجائے، چپہ چپہ انوار سے معمور، ذرہ ذرہ برکتون سے پر نور،

کس حصہ کو بڑھائیے اور کس کو گھٹائیے! یہ فخر عمر بھر کہین مٹنے والا، اور یہ شرف زندگی بھر کبھی بھولنے والا ہے، کہ جس زمین کے ذرات کو رسول خدا صلعم کے قدمون نے مس کیا، جہان صدیقون نے نمازین پڑھین، جہان شہیدون نے سجدے کئے، جہان نور کے بنے ہوئے فرشتون نے بار بار فخر و ناز کے ساتھ حاضری دی، ہان زمین کے جس ٹکڑے پر آسمان کو رشک آرہا ہو، آج وہان ایک خاک کا پتلا، حرص و ہوا کا بندہ، آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک چلے پھرے، ہنسے بولے، روئے اور گڑگڑائے!

یہ نصیب! اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

پہلے کسی زمانہ مین چار مصلے تھے، جو چارون امامون کی جانب منسوب تھے، اب صرف ایک ہی مصلیٰ ہے، جس پر مذاہب اربعہ کے امام مختلف اوقاتِ پنجگانہ مین باری باری نماز پڑھاتے ہین، اور ہر امام کے پیچھے ہر وقت نمازین باقی مذاہبِ ثلثہ کے پیرو، جوق جوق نمازین پڑھتے ہین، چار مصلّون کو توڑکر ایک مصلےٰ قایم کردینا، نجدی حکومت کی یقیناً ایک بدعتِ حسنہ ہے، کاش اسی طرح، تفرقیون کو مٹاکر وحدتِ امت کا خیال، اس حکومت نے دوسری چیزون مین بھی رکھا ہوتا! فجر کی نماز حنبلی (نجدی) امام پڑھاتا ہے، ظہر، شافعی امام سے متعلق ہے، عصر مالکی امام کے اقتدا مین ادا کیجاتی ہے، مغرب کی امامت پھر حنبلی امام کے پیچھے ہوتی ہے، اور عشا کے وقت حنفی امام کی نوبت آتی ہے، نمازِ جمعہ پھر حنبلی امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، اس طرح حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کو ایک دوسرے کے پیچھے ہر روز نمازین پڑھنی پڑتی ہین،[1] اور یہی معنی ہین،

[1] بعد کو خبر آئی کہ حنفی اور شافعی امام موقوف کردیئے گئے، اور صرف مالکی و حنبلی امام باقی رہ گئے، افسوس!

وحدت امت اسلامیہ کے، مذاہب اربعہ کی تقسیم سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے، نہ کہ امت اسلامیہ کو مختلف ٹکڑیون مین توڑ دینے، اور ایک کو دوسرے کے مقابل و حریف بنا دینے کے لئے، چار جماعتین الگ الگ ہونے مین وہ لطف اور وہ حسن کہان باقی رہ سکتا ہی، جو سب کے یکجا پڑھنے اور ایک امام کی اقتدا کرنے مین آتا ہی، شیعون کے لئے کسی علٰحدہ جماعت کا انتظام نہین، خالی اوقات مین شیعون کی چھوٹی چھوٹی جماعتون کو "روضہ" مین اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا گیا، اور چودھری محمد علی ردولی کے سے شیعہ تو ہم لوگون کی جماعت مین بے تکلف شریک ہو جایا کرتے تھے کاش یہ فراخ دلی شیعہ فرقہ مین عام ہو جاتی!

فرض نمازون کی اذان کے علاوہ، یہان تہجد کی اذان بھی، ہندوستان کے وقت کے اندازہ سے کوئی ڈھائی پونے تین بجے شب کو ہوتی ہی، اسی وقت حرم مدنی کے دروازے کھل جاتے ہین، اور اسی وقت خلقت کے ٹھٹ کے ٹھٹ، جو دروازون سے لگے ہوئے باہر کھڑے ہوتے ہین، ذوق و شوق کے ساتھ لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہونے لگتے ہین، اور سب کی تمنا یہ ہوتی ہی، کہ سب سے پہلے مصلے نبوی پر یا کم کم "روضہ" کے کسی حصہ تک جا پہونچین، تخمیناً گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد فجر کی اذان ایسے وقت ہوتی ہی، کہ خوب اندھیرا چھایا ہوتا ہی حنبلی امام کی قرأت عموماً بہت طویل ہوتی تھی، پھر بھی جب نماز ختم ہوتی، اندھیرا اچھا خاصہ باقی رہتا، اور لوگ تارون کی چھاؤن مین گھر واپس جاتے، دن نکلنے سے لیکر کوئی چار ساڑھے چار گھنٹہ کا وقت مسجد نبوی مین نسبۃً تخلیہ کا ہوتا ہی، اس وقت ہجوم اور وقتون کے مقابلہ مین کم ہوتا

ہے "روضہ" کے اندر نفلین پڑھنے کا بھی بہترین وقت ہوتا ہی مصلے نبوی پر بھی نماز پڑھنے کا موقع ملجاتا ہی جس خوش قسمت کی رسائی یہان تک ہوجائے، اسے یہ نہ بھول جانا چاہئے کہ خدا معلوم کتنے دوسرے بھی اسی مصلے پر نماز پڑھنے کے آرزو و اشتیاق مین ہین، اس لئے اس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ جمائے رکھے بلکہ جلد دوسرون کے لئے جگہ خالی کردے حضور قلب کے ساتھ اگر چار بلکہ دو رکعتون کا بھی موقع ملجائے تو بالکل کافی ہی، ظہر مین ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہوتا ہے کہ پھر زائرون اور نمازیون کا ہجوم بڑھنے لگتا ہی، ٹھیک دوپہر کو بالکل اول وقت، نماز ظہر ادا ہوتی ہی، اور اسیطرح اس کے کوئی تین گھنٹے بعد بالکل اول وقت نماز عصر بھی، عصر کے بعد پھر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ذرا مجمع کم رہتا ہی، یہان تک کہ مغرب مین جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہتا ہی تو پھر بڑھنا شروع ہوجاتا ہی، اس وقت صحن بھی عموماً گھر جاتا ہی، اور درس حدیث و درس صرف ونحو کے حلقے جابجا قایم ہوجاتے ہین، مغرب کے بعد بعض لوگون کے وعظ بھی اکثر سننے مین آئے، ان مین ایک "واعظ" بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اردو مین بولتا رہتا تھا اپنے کو دہلی کا باشندہ بتاتا تھا لیکن لہجہ مین پنجابیت اچھی خاصی تھی ہندوستان مین تو کوئی اسے جانتا نہین، مگر یہان اس کا شمار "علما" مین تھا، قرآن کی عبارتین غلط پڑھتا، اور اس کے معنی غلط تر بیان کرتا، اور "غیر مقلدی" کی تبلیغ بیباکی، اور بدزبانی کے ساتھ کیا کرتا، ایک روز مین ذرا دیر کی کھڑا ہوکر سننے لگا تو کہہ رہا تھا کہ "جو لوگ یہان کی خاک بطور تبرک لیجاتے ہین، وہ سخت گنہگار ہون گے اور ہرگز نہ بخشے جائین گے، اس لئے کہ قرآن مین آچکا ہی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ" عشا کی نماز مغرب کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے، اس وقت کے امام حنفی ہوتے

تھے جو ماشاء اللہ تجوید سے واقف ہین، اور خوش الحان بھی ہین، حنبلی امام کے برخلاف
قرات مختصر کرتے اور ارکانِ نماز بڑے اطمینان سے ادا کرتے، اس لئے قدرۃً اس نماز
مین اور تمام نمازون سے زیادہ جی لگتا، جماعت عشا کے کچھ دیر کے بعد مسجد ہر شخص سے
خالی کرالیجاتی، خدام کھوج لگاتے ہین، کہ کہین کوئی شخص چھپکر تو نہین بیٹھ رہا ہی،
روشنیان گل کردیجاتی ہین، اور دروازے بند ہوجاتے ہین، صرف دو ایک خادم
اندر رہجاتے ہین،

مسجد کے خدام عموماً سیہ فام خواجہ سرا ہین، حبشہ، مراقش، زنجبار، وغیرہ افریقہ کے
مختلف علاقون سے ترکون کے زمانہ مین نوعمر خواجہ سرا آ آ کر بکتے تھے، اور ترک سلاطین
انھین خدمت حرمین کے لئے خرید لیتے تھے، سلطان ابن سعود نے اس دستور کو جو
ہرگز نہ سنت رسول صلعم کے مطابق تھا، نہ سنتِ صحابہؓ کے، بحمد اللہ بند کردیا ہی، تاہم پرانے
خواجہ سراؤن کی ایک تعداد (بیس تیس کے قریب ہوگی) اب بھی باقی رہ گئی ہے،
حرم نبویؐ کے اصلی خدام چند سال قبل تک یہی لوگ تھے، اور اس مقدس چار دیواری
کے اندر سیاہ و سپید سب انھین کے ہاتھ مین تھا، اب انکے اختیارات بہت گھٹ
گئے ہین، اور تنخواہین بھی بہت کم ہوگئی ہین، نذرانون کی آمدنیان بھی یون ہی
سی رہ گئی ہین، تاہم ان کے حسن اخلاق، ان کے ولولۂ خدمت، انکے حبّ رسول
مین اب بھی کوئی فرق نہین، انکا وہ سر سے پیر تک سفید براق لباس، وہ اونچی اونچی
پگڑیان، وہ ڈھیلی ڈھیلی عبائین، وہ لمبی لمبی آستینین، ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد انکی
صورتین نظر مین ایسی کھپ جاتی ہین، کہ پھر نکالنا چاہیے بھی، تو نہین نکلتین، مدینہ والے

خصوصاً حرم مدینہ والے، یون تو سب ہی آپ کی امداد و اعانت کے محتاج و منتظر، لیکن بن پڑے تو ان خدام کی کچھ خدمت، خلوصِ دل سے ضرور کیجئے، ان کو یہان کی اصطلاح مین "آغا" کہتے ہین، بیچارے اپنے وطن سے دور، اور اپنے عزیزون قریبون سے مہجور، آستانۂ نبیؐ پر پڑے ہوئے ہین، نہ کہین آنے کے نہ کہین جانے کے، کچھ بھی ہوجائے، کیسے ہی انقلابات آئین، سارے شہر مدینہ کی آبادی خالی ہوجائے، یہ یہان سے نہین ٹلتے، جب دیکھئے، حجرۂ مطہرہ کی پشت پر، جانب شمال، باب جبرئیل، باب النساء کے درمیان اپنے وسیع چبوترہ (دکۃ الاغوات) پر بیٹھے ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی چبوترہ کبھی اصحاب صفہ کا صفہ (چبوترہ) تھا، ان کے کمزور جثون، ان کے نحیف جسمون، اور سب سے بڑھکر ان کے سیاہ رنگ پر اگر کبھی نظر جائے، تو فوراً یہ یاد کرلیجئے، کہ حضرت بلالؓ کس ملک کے اور کس رنگ کے تھے، موجودہ آغاؤن کے سردار خلیل آغا، خاص طور پر خوش اخلاق ہین، ہندوستان بھی آچکے ہین،

حرم کے اندر ایک خاص شخصیت "شیخ الروضہ" شیخ توفیق کردی کی ہے، جو ترکون کے زمانہ سے اسی عہدہ پر ہین، نورانی چہرہ، سفید رنگ، پرسن، سفید داڑھی، بہت سے کلام مجید آس پاس لئے ہوئے، روضہ کے اندر منبر نبویؐ و مصلی نبویؐ کے درمیان بیٹھے ہوئے، تلاوت کے لئے جس وقت جتنی دیر تک جی چاہے اُن سے کلام مجید لے لیکر پڑھتے رہئے، ایک صاحب "نقیب العلماء" کے لقب سے باب مجیدی کے قریب صحن کے شمالی دالان مین لڑکون کو درس دیتے رہتے ہین، یہ بھی ملنے کے قابل ہین، خوش علم، خوش اخلاق، بے طمع، ہندوستان کی سیر کئے ہوئے، پانچوان دروازہ

پر ایک ایک دو دو بواب یعنی دربان، جنکا کام یہ ہی، کہ جب آپ مسجد کے اندر قدم رکھنے لگین، تو اپنا جوتہ، یا چھتری، یا لالٹین، ان کے پاس رکھا دین، واپسی پر بہ حفاظت آپ کی چیز آپ کو مل جائیگی، اس مقدس مکان کی دربانی، کوئی معمولی چیز ہے! جس کے نصیب مین آجائے، اسکی خوش نصیبی قابلِ رشک! بابِ جبرئیل کے دربان سے سابقہ زیادہ پڑتا رہا، ایک ہندوستانی ہین، صوبۂ بہار کے رہنے والے، قمر الدین نام ہے، سالہا سال سے ترکِ وطن کئے، دررسول ﷺ پر پڑے ہوئے ہین، عربی فارسی سب زبانین بقدر ضرورت سیکھ لی ہین، ذرا خوشدلی سے انکی خدمت کر دیجئے، بس پھر دیکھئے کیسے مہربان ہو جاتے ہین، اور آپ کے کیسے کیسے کام نکال دیتے ہین، بابِ رحمۃ پر جو دربان ہین، ایک نورانی شکل کے پیر مرد ہین، ثقہ لوگون سے سننے مین آیا، کہ صاحبِ دل و صاحبِ نسبت ہین، بابِ مجیدی کے بواب سے صرف دو ہی ایکبار سابقہ پڑا، لیکن انکی خدمت مین جو کچھ پیش کیا گیا، اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا، یہی کہتے رہے کہ "میرے لئے کعبہ و عرفات مین دعا کر دینا، یہی معاوضہ کافی ہے" یہ بے طمعی، اور ایسی ستھرا دلانہ روش ایسے موقع پر، جہان ہر وقت ترغیبات موجود ہون، قایم رکھنا بجائے خود ایک مجاہدہ ہے،

بلدۂ طیبہ مین قیام کی جگہین بہت سی ہین، علاوہ کرایہ کے مکانات کے رباط بھوپال، رباط ٹونک، حیدر آباد کی متعدد رباطین، وغیرہ، اوپر گذر چکا ہے، کہ اپنا قافلہ حیدر آباد کی ایک رباط مین آکر اترا، لیکن دوسرے تیسرے ہی روز قافلہ مختلف ٹکڑیون مین تقسیم ہو گیا، مولانا مناظر صاحب، مولوی عبد الباری صاحب، ڈاکٹر ... مسعود ...

رباط حسین ہی مین مقیم رہے، جو حرم سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہی، بعض دوسرے رفقار بھی الگ الگ مکانات مین اُٹھ گئے، لیکن جو جماعت بھر مین سب سے زیادہ کم ہمت اور بہانہ باز تھا، اُسے مع خاص اس کے چھ آدمیون کے قافلہ کے، اللہ کے فضل و کرم نے حرم کے باب جبریل و باب النسار سے کل دس بیس گز کے فاصلہ پر، مولانا سید احمد کے مدرسۃ الیتامیٰ سے متصل مولانا ہی کے ذریعہ سے جگہ دلادی! وہ کمزورون اور ناتوانون کا رب، اپنے پست ہمت بندون کی شاید یون ہی دستگیری کرتا رہتا ہے، مولانا سید احمد فیض آبادی کے احسانات و عنایات کا بیان کن الفاظ مین ہو، محض انھین کے لطف و توجہ نے قیام کا مسئلہ یون حل کردیا، اور اس کا پورا موقع بہم پہونچادیا، کہ جتنی دیر تک اور جتنی بار جی چاہے، حرم مین حاضری ہوتی رہے، اور پھر کھانے پینے اوڑھنے بچھانے، اور ہر قسم کے سامانِ آسایش کی، جس اہتمام و التزام کے ساتھ، وہ ہر وقت خبر لیتے رہے، اس کی تفصیل اگر تحریر مین لائی جائے، تو یقیناً ایک گروہ اسے مبالغہ بیانی پر محمول کرے،

حرم کے دروازے نماز عشا کے کچھ دیر بعد بند ہوجاتے ہین، اور شب مین کسی کو اندر رہنے کی اجازت نہین، الا یہ کہ خدام و محافظین سے مخصوص اجازت قبل سے حاصل کرلی جائے، کون ایسا بدنصیب ہے، جسے اس کی تمنا نہ ہوئی ہوگی؟ لیکن اس آرزو کے پورے ہونے کی آخر کیا صورت؟

حلِ این نکتہ ہم از روے نگار آخر شد!

لہ اب یہ اجازت بھی نہین مل سکتی،

ایک بار پھر اپنے انھین فیض آبادی بزرگ، اور اُن کے حقیقی بھائی
حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا نام لینا پڑتا ہے، کہ ایک کے مکتوب
نے اور دوسرے کی زبانی گفتگو نے اغوات حرم، خصوصاً شیخ خلیل آغا کو
(جو حدیث مین موجودہ شیخ الحدیث دیوبند کے شاگرد بھی ہین) مہربان
کردیا، اور ایک شب، کہ شب دوشنبہ تھی، قیام کی اجازت اس نامہ سیاہ
اور اس کے رفیقون مین مولانا مناظر صاحب کو مل گئی، چند اور اصحاب
کو بھی، جو سب کے سب ہندی ہی تھے، اسی شب اجازت ملی جن مین
قابلِ ذکر میر نیرنگ صاحب (معتمد انجمن تبلیغ اسلام انبالہ) اور حیدرآباد
دکن کے وکیل مولوی ابوالخیر خیراللہ صاحب ہین، یہ شب کس طرح گذری
اور کس نے کیا کیا کیا، اس کی شرح اخبار کے صفحہ پر لانے کی نہین، صرف لوح
دل پر محفوظ رکھنے کی ہے، البتہ ایک بدنصیب ایسا تھا، جس نے اپنی ناقدری
سے اس شبِ قدر کو بھی بالکل ضایع کر کے رکھا، وہ صحن مین جا کر سویا بھی، اور
جتنی دیر تک جاگا، اتنی دیر بھی اس کا وقت غفلت ہی کی نذر رہا! وہ اپنی
محرومیون اور کوتہ بختیون کا گلہ کس سے، اور کن لفظون مین کرے! سکندر کو
حضرت خضر جیسے رہبرِ کامل ملے، اور چشمۂ حیوان تک رسائی ہوئی، لیکن نتیجہ؟
یہ واقعہ دنیا کی تاریخ مین صرف ایک ہی بار، ایک ہی شخص کو پیش نہین
آیا ہے، خدا معلوم کتنے سکندر ہین، جنھین ہر جگہ ہر وقت یہی پیش آتی رہتی
ہے ——— باقی اور بعض مہربانون نے اس شب مین جو کچھ کیا
حکومت کے قانون، اور شریعت کے قانون دونون کو جس طرح توڑا

آستانۂ مبارک پر جس طرح سجدے کئے، اُس کے آستانہ پر سجدے کئے، جسکی ساری زندگی کا منشا اسی انسان پرستی کو مٹانا تھا، اُن کی بابت کیا کہا جائے، اور بیسویں صدی عیسوی کا دور یا جو جی جو کچھ دکھا رہا ہے، اس کا رونا کہاں رویا جائے!
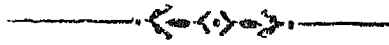
باب ۱۵

انوارِ مدینہ

مسجد نبویؐ کی زیارت ہو چکی، آستانۂ نبوت پر سلام عرض کیا جا چکا، صدیقؓ اور فاروقؓ کے دربار مین حاضری کے آداب بجا لائے جا چکے، گھڑیان اور گھنٹے گذر چکے، راتین آئین اور جا چکین، دن طلوع ہوئے اور ختم ہو چکے، لیکن ابھی وہان حاضر ہونا باقی ہے، جہان آدھی رات کو خواب اور آرام چھوڑ کر تشریف لیجانا، اور اپنے مولا سے راز و نیاز مین مصروف ہو جانا، خود محبوب رب العالمین کو محبوب تھا، اس مقام کا نام کون مسلمان ہے جسکو معلوم نہین؟ اس جگہ کی حاضری، کون سا دل ہے، جسمین اس کا ارمان نہین؟ بقیع الغرقد، یا عرف عام کے مطابق جنت البقیع وہ خاک پاک ہے، جہان رسول صلعم کے چہیتے اور لاڈلے، اللہ کے برگزیدہ اور پیارے، ایک دو نہین، دس بیس نہین، خدا معلوم کتنے اور کس تعداد مین، آرام فرما رہے ہین! حرم نبویؐ سے کچھ زیادہ دور نہین، مشرق کی جانب پیدل ٹہلتے ہوئے چلیے، تو آٹھ دس منٹ مین بآسانی پہونچ جائیے گا، آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری، اور اس احاطہ کے اندر کیا بتایا جائے کہ کیسے کیسے گوہر نایاب زیر خاک آسودہ ہین! ادھر دیکھیے تو جگر گوشۂ رسول صلعم صاحبزادہ ابراہیمؑ، جو اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے، اور نور نظر

امام حسنؓ، اُدھر دیکھیے تو دونون صاحبزادیان حضرت رقیہؓ وحضرت ام کلثومؓ، اور شہید کربلا کے لخت جگر امام زین العابدینؒ ایک طرف امت کی شفیق مائین، مائی عائشہؓ، اور مائی حفصہؓ، مائی زینبؓ اور مائی ام سلمہؓ اور تقریباً ساری امہات مومنینؓ، اور دوسری طرف عم رسولؐ عباسؓ اور عمۂ رسول صفیہؓ ایک گوشہ مین خلیفۂ ثالث عثمانؓ ذوالنورین اور ایک ٹکڑے مین عبدالرحمن بن عوفؓ، اور سعد بن ابی وقاصؓ، اور اگر ایسی روایات بھی قبول کرلیجائین جواب تک محققین کے ہان مقبول نہین کی گئی ہین، تو خاتون جنت فاطمہ زہراؓ، اور امیرالمومنین علی مرتضیٰؓ بھی!

ایسے ایسے آفتاب اور ایسے ماہتاب جہان زیرخاک ہون، اُس زمین کی نورانیت پر اگر خود آسمان بھی رشک کرنے لگے، تو کس کو حیرت ہوسکتی ہے، اور یہ چند نام تو صرف نمونہ کے طور پر لیے دیئے گئے، کہ ان سے اس خطۂ صالحین کی عظمت ونورانیت کا کچھ اندازہ ہوسکے، ورنہ جہان ایک نہین، چند نہین، ہزارون صحابی آرام فرما ہون، جہان بے گنتی شہدا وصدیقین مدفون ہون، اور جہان زمانہ صحابہ وتابعین سے لیکر اس تیرہ سو برس کے اندر بے شمار اولیاء کاملین اور ابرار صالحین کی ایک پوری بستی کی بستی آباد ہوچکی ہو، وہان کے انوار وبرکات کا احاطہ کرنا کس کے بس کی بات ہے! آج ان مین کوئی ایک ہستی بھی کہین علٰحدہ مدفون ہوتی، تو اس کا مزار مرجع خلائق بنجاتا، اور اُس کے آستانہ پر ایک پورا میلہ لگا رہتا، لیکن یہان روضۂ رسولؐ کا جوار ہے، بجلی کے قمقمے بڑے روشن سہی، ستارون کی روشنی شب تار کی تاریکیون کو کافور کر دینے والی سہی، اور خوش جمال ماہتاب ان سب سے روشن تر سہی، لیکن جب

آفتاب عالمتاب طلوع ہوتا ہی، تو اُس کے پہلو مین، کون ایسا ہے، جس کی روشنی ماند نہین پڑجاتی! آستانۂ رسول صلعم سے فرصت کس کو، اور فرصت ہو بھی تو دل کس کا، کہ بقیع تک جائے، خواہ اس کا فاصلہ چند ہی قدم سہی! اسی حیص بیص مین دن گذرتے گئے، اور ٹلتے گئے، لیکن بالآخر ایک روز صبح سویرے بعد نماز فجر، کہ وہ وقت بقیع مین ہجوم کا بالکل نہین ہوتا، حاضری کا ارادہ کر کیا، اور داغستانی صاحب کی رہبری مین چل کھڑا ہوا،

بقیع کو جا کر دیکھا، اچھی طرح دیکھا، کاش نہ دیکھا ہوتا! کاش وہان جانے کی نوبت نہ آئی ہوتی،! کاش وہان کی حاضری، جہان چند روز تک ملتوی ہوتی رہی تھی، ہمیشہ ٹلتی ہی رہی ہوتی! شاعر کا مصرعہ

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم!

پڑھا جا رہا تھا، معنی کا تحقق آج جا کر ہوا! شریعت کے قانون مین شاندار مقبرون اور اونچے اونچے قبون کی یقیناً گنجایش نہین، قبرون کے پختہ کرنے تک سے نہی آئی ہے، (گو وہ نہی، نہی تنزیہی سمجھی جائے) لیکن کیا قبور مسلمین کی توہین، چہ جائیکہ قبور صالحین وصدیقین کی اہانت، کا حکم بھی کہین وارد ہوا ہے؟ حکم نہ سہی، کسی امام نے اس کی اجازت بھی دی ہی؟ نجدیون نے قبے گرا دیئے، درست، قبرین بھی تمام ترکچی بنا دی گئی ہوتین، تو حکومت کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا، لیکن یہ کیا قیامت ہے، کہ مقبرۂ صالحین کو گرے ہوئے مکانات کا ملبہ بنا دیا جائے، بلکہ (مسلمانون کے کان اس سے بھی زیادہ صاف صاف سننے کے لئے تیار ہین؟) اس کی ہیئت اس درجہ مسخ کر دیجائے

کہ دیکھنے والوں کو، پاکوں کے پاک مدفن پر نعوذ باللہ ایک طرح کے مزبلہ یا گھورے کا دھوکا ہونے لگے! ٹین کے ٹکڑے، ٹاٹ کے سڑے گلے ٹکڑے، بالوں کے گچھے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، جو عموماً گھورے پر پھینکدی جاتی ہیں، ان پاک جسموں کی پاک تربتوں پر، کثرت کے ساتھ، پڑی ہوئی اپنی انھیں آنکھوں سے دیکھنی پڑیں! بقیع کے مقابر ایک احاطہ کے اندر ہیں، احاطہ کا ایک پھاٹک ہے، پھاٹک پر سرکاری پہرہ رہتا ہے، ان پہرہ داروں کا کام یہ ہے، کہ زائروں کو ہر "بدعت" سے روکیں، لیکن "بدعت" کی نجدی تعریف میں قبور صالحین کی توہین، اور ان پر گندگی کا ڈالنا یقیناً داخل نہیں! گویا قبور صالحین کو اتنی گندی اور غلیظ حالت میں رکھنا (نعوذ باللہ) سنت و آثار سلف کے مطابق ہے!

امت اسلامیہ کی شورہ بختیوں کی کوئی انتہا ہے؟ ایک طرف اگر محبت کا نام کہیں سے کان میں پڑ گیا ہے، تو بس "مزارات" پر میلے ہیں، راگ ہے، ناچ ہے، نشہ بازیاں ہیں، بدکاریاں ہیں، طواف ہے، سجدہ ہے، چادر ہے، گاگر ہے، دوسری طرف اگر "اصلاح" اور "بدعت شکنی" کی بولی زبان نے سیکھ لی ہے، تو یہ بے ادبیاں ہیں، بے احترامیاں ہیں، اہانتیں ہیں، زندوں کی دلآزاریاں ہیں، اور مردوں کی توہینیں اور خواریاں ہیں! ضد اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، فریقانہ جنبہ داریوں کی گرم بازاری ہے، کون کسے روک سکتا ہے، ہر زبان آزاد، ہر قلم بیباک، ہر ہاتھ گستاخ!

خرد کا نام

جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

ہو گناہ کیجئے، ثواب ہے آج!

ان سطور کے پڑھنے والون مین بہت سے ایسے ہین جو دلسوزی و نیک نیتی کیساتھ نجدی حکومت کے ہمدرد و ہواخواہ ہین، اور ان مین سے بعض ان سطور کے لکھنے والے کے کرم و مخدوم بھی ہین، از راہ کرم وہ عالم الغیب والشہادۃ کو گواہ کرکے خود اپنے قلب سے استفتا کرین، کہ آج اگر امام احمد بن حنبلؒ زندہ ہوتے، اور امام احمدؒ نہ سہی، حافظ ابن قیمؒ یا ان کے استاد شیخ ابن تیمیہؒ بھی ہوتے، تو وہ بقیع کی اس گندی حالت کو گوارا فرما سکتے تھے، جو چودھوین صدی کے نجدی "حنابلہ" نے اس کی بنا رکھی ہو، یہ تو ایسی شے ہے، کہ بالفرض فقہ حنبلی نے اسے جائز رکھا ہوتا، تو بھی نجدی حکومت کو جمہور مسلمین کے مذاق کی رعایت لازمی تھی، چہ جائیکہ جب فقہ حنبلی مین سرے سے اس بابت کوئی حکم ہی نہ موجود ہو، مصالح امت کی اہمیت اسی سے واضح ہے، کہ خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا لحاظ رکھا ہو، اور حطیم کو خانۂ کعبہ مین شامل کرنے سے اسی بنا پر اعراض فرمایا، کہ اس سے امت مین ایک تفریق اور فتنہ پیدا ہونے کا احتمال تھا، پھر کسی غیر نبی کا جزئیات مین اس قدر غلو و تشدد اپنے اندر کیونکر کوئی پہلو جواز کا رکھ سکتا ہو!

سعودی حکومت کے روشن پہلوؤن سے انکار نہین، لیکن نہ ہو، کہ کسی اہل دل کی زبان پر آیۂ کریمہ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا کا مضمون آجائے، اسکی ساری خوبیان ایک طرف، اور جنت البقیع کی یہ ناقابل برداشت حالت تنہا ایک طرف کم سے کم، عام مسلمان تو اس مشاہدہ کے بعد اپنے دماغون مین سعودی حکومت کی کوئی خوشگوار یاد لے کر نہین واپس ہو سکتے، اور حکومت کی فہرست جرائم کا

یہ آخری عنوان ہرگز نہین، خود مسجد نبوی صلعم کے ساتھ جس بے التفاتی و سردمہری کا مستقل برتاؤ قائم ہی، اُسے بھی کوئی کیسے بھلا سکتا ہی؟ مسجد مین قالین بچھے ہوئے ضرور دیکھے گئے، لیکن اول تو یہ سننے مین آیا، کہ یہ قالین ہمیشہ نہین بچھے رہتے، بلکہ صرف موسم زیارت بھر کے لئے بچھوا دیے گئے ہین، باقی سال کے بیشتر حصہ مین محض چٹائی بچھی رہتی ہی! اور پھر جو قالین بچھے ہوئے دیکھے گئے، وہ اتنے بوسیدہ اور ایسے ادنیٰ درجہ کے تھے، کہ مسجد نبوی صلعم تو الگ رہی، اگر دہلی کے جامع مسجد مین بھی بچھا دیے جائیں، تو بجاے زیب و زینت کے بدنمائی اور بدزیبی کا سامان بن جائین! یہ صحیح ہے کہ سعودی حکومت ترکون کی سی دولت نہین رکھتی، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ سعودی حکومت اتنی مفلس و نادار بھی نہین، کہ مسجد نبوی صلعم کے لئے ایسے قالین بھی نہ بہم پہونچا سکے، جنکا انتظام بھوپال، ٹونک، بہاولپور اور رامپور کی مسلمان ریاستین بدقت نہین، بلا دقت، کر سکتی ہین! اور تنہا فرش ہی پر موقوف نہین، روشنی کا انتظام بھی ایسا ہی ناقص و ابتر ہے، بجلی کا انجن خاص مسجد نبوی صلعم کے لئے موجود ہی، لیکن خدا معلوم انجن کا قصور ہی، یا انجن چلانے والون کا، کہ روشنی اول تو ہی بہت ناکافی، یعنی جس وقت سارے قمقمے روشن ہوتے ہین، اس وقت بھی دھندلی ہی سی رہتی ہی، دوسرے بجلی کی رو بار بار "فیل" ہوتی رہتی ہی، بارہا ایسا اتفاق ہوا، کہ تہجد کی اذان ہو گئی، دروازون پر نمازیون کا ہجوم ہی، لیکن پھاٹک اس لئے نہین کھلتے کہ اندر اندھیر الگھپ پڑا ہوا ہی، اور روشنی کی رو کسی طرح آ نہین چکتی! بجلی کی روشنی اور ایسا اندھیر!

فرش اور روشنی کی بد انتظامی سے کہین زیادہ تکلیف وہ وضو خانون کی بد انتظامی ہے، جس قسم کے وضو خانے اور حوض ہندوستان کی بڑی بڑی مسجدون مین عموماً ہوتے ہین، اس طرح کی کوئی چیز مسجد نبوی مین سرے سے موجود ہی نہین، البتہ مختلف دروازون کے باہر پانی کے نل کی چند ٹونٹیان لگا دیگئی ہین، یہ گنتی کی چند ٹونٹیان اول تو کسی بڑے مجمع کے لئے کسی طرح کافی ہی نہین ہوسکتین، پھر اکثر تجربہ یہ ہوا، کہ جن حوضون مین یہ ٹونٹیان لگی ہوئی ہین، نماز کے وقت سرے سے وہ حوض ہی خشک ہین! اور اگر ٹونٹیون سے پانی آتا ہوا دیکھا بھی گیا، تو خدا جانے ٹونٹیون مین کیا نقص ہی، کہ پانی نکلنا بہت قلیل مقدار مین ہے، اور بہت باریک دھار سے، جس کا نتیجہ یہ ہی، کہ جتنے وقت مین تین آدمی وضو کر سکتے ہین، اتنی دیر ایک آدمی کو لگ جاتی ہی، اور ہجوم کی کشمکش مین پورا ادھورا الٹا سیدھا، جس طرح بھی وضو کرنے کو ملجاتا ہی، وہ بیچارہ اسی کو غنیمت سمجھتا ہی، وضو خانون ہی کی طرح طہارت خانون کے بھی کافی انتظام کی شدید ضرورت ہی اور یہ سارے انتظامات ایسے ہین، جو تھوڑی ہی سی توجہ سے، بغیر کسی غیر معمولی بار مصارف کے، انجام پا سکتے ہین، کاش سعودی حکومت کو اس کی توفیق نصیب ہوتی، کہ اختلافی و نزاعی جزئیات امور کو چھوڑ کر اپنی توجہ و التفات کا مرکز انھین معاملات کو بناتی، جنکا تعلق، بلا نزاع و اختلاف، زائرون اور نمازیون کے ہر فرقہ اور ہر طبقے سے ہی!

اپنے ملک کے فرقۂ شیعہ کی حالت دیکھکر خیال یہ ہوتا تھا، کہ حج و زیارت کیلئے شیعہ تو جاتے نہ ہونگے، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا، ہندوستان

کے شیعہ تو بے شک برائے نام ہی تھے، لیکن عراق و خراسان کے شیعہ ہزاروں
کی تعداد میں آئے ہوئے تھے شیعون کے مزار علیحدہ ہین، انھین آداب زیارت
وہی تلقین کرتے رہتے ہین، "روضۂ جنت" کے اندر شیعون کو مین نے بکثرت نماز پڑھتے دیکھا
فرداً فرداً بھی، اور اپنی جماعتین بنا بنا کر بھی، اہل سنت کی پنجوقتہ جماعت کے وقت یہ
لوگ الگ الگ ہٹ جاتے تھے یا اکثر باہر چلے جاتے تھے، بعض فراخ دل شیعہ اپنے بھی
دیکھنے مین آئے، جو ستونِ عائشہؓ صدیقہ کے پاس کھڑے ہوکر دیر تک نمازین پڑھتے رہتے،
اور اپنے شیعی دوست چودھری محمد علی ردولوی کا یہ فقرہ مجھے کسی طرح نہین بھولتا جو
اس موقع پر انھون نے فرمایا تھا کہ "بیوی عائشہؓ جیسی بھی ہون بہر حال ہمارے
رسولؐ کی محبوب تھین" لیکن یہ حال سب کا نہ تھا، بیشتر تو یہ ہوتا رہتا، کہ یہ لوگ نہایت
کثیف جسم و لباس کے ساتھ کئی کئی کے غول مین آتے، اور جالیون کو یا منبرِ رسولؐ
کو بوسہ دینے کی کوشش کرتے سعودی سپاہیون کی نظر پڑ جاتی، اور وہ انھین ڈھکیلتے
اور کبھی کبھی مارتے بھی، یہ لوگ بھاگتے، اور سپاہی انھین پکڑنے کو دوڑتے، یہ ماجرا
عموماً خراسانی شیعون کے ساتھ پیش آتا رہتا تھا، عراق کے شیعہ اپنے خراسانی بھائیون
سے جسم و لباس مین ہر طرح بہتر ہوتے تھے، یہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہوجاتے تھے، اور
سپاہیون سے کلہ بکلہ لڑتے، غرض دونون صورتون مین، وہ مقدس جگہ جو صرف
نماز اور عبادت، تضرع و الحاح کے لئے تھی، اور جسکا ادب و احترام فرشتے تک کرتے
ہین، خود امت محمدیہ ہی کے نادانون کے ہاتھون بے ادبیون اور بدتمیزیون
کی تماشا گاہ بنجاتی! ایسا ہی ہنگامہ مصری عورتون کی زیارت کے وقت برپا
رہتا، ماشاءاللہ بڑی قدآور تنومند، چہرے کھلے ہوئے، لیکن اور ہر طرح پر مستور

سر سے پیر تک سیاہ لباس مین ملبوس، غول کے غول آتی ہین، اور آتے ہی جالیون سے چمٹ کر بوسہ دینا چاہتی ہین، سعودی سپاہی، عموماً جثہ کے لاغر و نحیف، بڑھکر انھین روکنا اور دھکے دینا چاہتے ہین، لیکن اکثر خود ہی شکست کھاتے ہین، اور اس ہاتھا پائی آپا دھاپی مین، جو جو بد تمیزیان، نادانستہ سہی، عین مواجہہ مبارک یا پائین مبارک یا پائین مبارک مین سرزد ہوتی رہتی ہین، خدا کرے کہ آیندہ کبھی نہ واقع ہون، اور ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کسی کو پیش نہ آئے،

بوہرون کے مختلف فرقون، داؤدیون اور سلیمانیون کو، اور دوسرے اسلامی فرقون کو اپنے اپنے طریقون پر نمازین پڑھتے اور زیارت کرتے دیکھا، رحمت عالمؐ کا دربار سب کی عقیدتون کا مرکز ہے، اختلافات جتنے ہین، باہر ہین، اندر نہین، راہ مین ہین، منزل مقصود مین نہین، امام ابو حنیفہؒ ہون یا امام شافعیؒ، حضرت جیلانیؒ ہون یا خواجہ اجمیریؒ، سب آستانِ رسالت تک پہونچانے کے واسطے اور ذریعے ہین، حرم کے اندر داخل ہوکر، دررسولؐ پر پہونچکر، نہ کوئی حنفی ہے نہ شافعی، نہ مالکی ہے نہ حنبلی، نہ اشعری ہے، نہ ماتریدی، نہ قادری ہے، نہ چشتی، نہ صابری ہے، نہ مجددی، نہ مقلد ہے، نہ غیر مقلد سب کے سب صرف محمدی ہین، رسولؐ کی حیات مین صحابہؓ کا کیا مذہب تھا؟ کیا وہ بجز محمدی ہونے کے کچھ اور تھے؟ حضورؐ کے مواجہہ مین اپنے آپ کو کسی اور کی جانب منسوب کرنا کتنی بڑی گستاخی، اور نادانی تھی؟ پھر آج جب آپ کی خوش نصیبی آپ کو دررسولؐ تک لے آئی ہے، اور آپ کو یقین ہے کہ آپ کا رسول زندۂ جاوید ہے تو یہ کتنی بڑی گستاخی، اور کیسی کھلی ہوئی نادانی ہوگی، کہ آپ نبیؐ کے ہوتے ہوئے کسی غیر نبی

کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رہیں، اور اس رشتہ پر فخر و ناز کرتے رہیں، رات کی تاریکیوں میں بے شبہہ ہر روشنی ایک نعمت ہے لیکن جب آپ آفتاب کے سامنے ہیں، تو اتنی دیر کے لئے تو اپنی قندیلوں اور اپنی مشعلوں کو گل کر ہی دیجیے، اور ہو سکے تو آج نئے سرے سے مسلمان ہو جیے، اپنے اسلام کی تجدید کیجیے، اللہ اور رسول کے سامنے اپنے عہد و پیمان کو استوار کیجیے، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کیجیے جس کا ہاتھ قادر مطلق کا ہاتھ تھا، اور جس کی بیعت خالق کائنات کی بیعت ہے، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم، مبارک ہیں وہ جنھیں اس عہد کی توفیق نصیب ہو، مبارک تر ہیں وہ جنھیں اس عہد پر ثابت قدمی نصیب ہو!
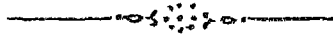
باب ۱۶

آثارِ مدینہ

مدینہ وحوالیِ مدینہ مین مقاماتِ زیارت کی کیا کمی، ذرّہ ذرّہ مقدس ادچپہ چپہ زیارتگاہ!
مزوّروں کے ہاتھ مین اپنے آپ کو دیدیجئے، تو خدا معلوم کتنے مقامات کی زیارت کرادینگے
مقبرے، مسجدین، پہاڑیان، کنوئین، ولادت گاہین، اور کتنے ہی اور مقدس آثار ومشاہد!
زیادہ مشہور زیارت گاہون کے نام یہ ہین، مسجد قبا، مسجد ذو قبلتین، جبل احد، بیر اریس،
بیر رومہ، مقتلِ شہدائے اُحد، ان مین سے کوئی مقام بہت زیادہ فاصلہ پر نہین، عموماً دو
دو چار چار میل کے اندر ہین، اگر پیدل چلنے کی عادت وہمت ہو، اور وقت کافی ہو، تو
پاپیادہ ہی زیارت ہوسکتی ہے، ورنہ یہان کی سواری جو اعرابی کہلاتی ہے، چند روپیہ کے
کرایہ پر آمد ورفت کے لئے طے ہوسکتی ہے، دوستون اور رفیقون نے اکثر مقامات
پر حاضری دی، اور خصوصاً مولانا مناظر احسن صاحب تو ہمہ تن ذوق وشوق بنے
ہوئے، ہر جگہ

تمتع زہر گوشۂ یافتم

پر عمل کرتے رہے، اور ہر بابرکت زمین سے مشرف ہوتے رہے، لیکن قافلہ مین ایک
کاہل وبے ہمت ایسا بھی تھا، جو باوجود خاصے طویل قیام کے کہین نہین نکلا، اور

اس کا نفس ہمیشہ یہ تاویل کرتا رہا، کہ آستانِ پاک مسجد نبویؐ سے کہین ہٹنا، آفتاب کو چھوڑ کر قندیلون اور مشعلون کی روشنی تلاش کرنا ہی، البتہ ایک مسجد قبا اس سے مستثنیٰ تھی، اس کی زیارت کی فضیلت کسی ظن و قیاس سے نہین، نص سے ثابت ہی، اور حدیث مین وارد ہوچکا ہی، کہ مسجد قبا مین نماز پڑھنے کا اجر، عمرہ کے اجر کے مساوی ہی، من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد القباء فصلی فیہ صلوٰۃ کان لہ کاجر العمرۃ، اسلام مین جو مسجد سب سے پہلے تعمیر ہوئی، وہ یہی مسجد قبا ہی حضور صلعم نے مکہ سے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی ہی، تو اوّل اوّل قیام اسی مقام قبا مین فرمایا، اور یہین اس مسجد کی تعمیر شروع فرمادی، اللہ اللہ! بڑے بڑے صدیقین اور ایک سے ایک بڑھکر اولیائے امت، یعنی حضرات صحابۂ کرام جس مسجد کے مزدور اور معمار ہون، اور جس کی تعمیر مین خود رسول کریم صلعم کا دست مبارک شامل ہو، اس کی نورانیت اور اس کے تقدس کا کوئی اندازہ ہوسکتا ہی! بہت سے مفسرین اس جانب گئے ہین، کہ آیہ کریمہ لمسجد اُسس [illegible] علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ مین جس مسجد کی مدح آئی ہی، وہ یہی مسجد ہی،

حدیث مین آیا ہی، کہ عادت مبارک یہ تھی، کہ ہر شنبہ کو اس مسجد مین تشریف لے جاتے تھے، ایک سنیچر کی صبح کو مولانا مناظر احسن صاحب کی رہنمائی مین، اپنے چھوٹے سے قافلہ کو ہمراہ لیکر اس مسجد مین حاضری کے لئے روانگی ہوئی، شہر مدینہ سے کچھ ایسا زائد فاصلہ نہین، مسجد نبویؐ سے تخمیناً ڈھائی میل ہوگی، عورتین ہمراہ تھین، ایک اعرابی کرایہ پر کرلی تھی، کرایہ یون تو بہت ارزان رہتا ہی، لیکن حج و زیارت کے

موسم مین قدرۃً بڑھ جاتا ہی، آمد و رفت کیلئے غالباً آٹھ روپے طے ہولے، شہر سے باہر نکلے، تو دیہات کا سا سماں نظر آیا، کھجور کے درخت اور باغ ہر طرف لگے ہوئے، اکثر نہایت سرسبز و شاداب، عرب کی خشکی پر ہندوستان کی شادابی کا دھوکا ہوتا تھا، راستے بھر چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کی ٹولیاں نعت و سلام کے اشعار پڑھتی ہوئی، اور گاتی ہوئی کثرت سے ملتی رہیں، صبح کا سہانا وقت، ہر طرف سناٹا، معصوموں کی زبان کا پیارا لب و لہجہ، ہر قلب متاثر، اور ہر روح کو وجد، تھوڑی دیر مین یہ سفر ختم ہو گیا، مسجد قبا خاصی بلندی پر واقع ہی، اچھی خاصی وسیع عمارت، سفید رنگ، پرانی وضع کی بنی ہوئی، ہر قسم کے تصنع و آرایش سے خالی، سادگی کی موثر تصویر، یہان نہ کسی ہجوم کا کھٹکا، نہ کسی چپقلش کا اندیشہ، پورے سکون و اطمینان، یکسوئی و فراغ خاطر کیساتھ جہان جتنی دیر تک چاہیئے، نمازین پڑھیئے، سجدے کیجئے، عبادت کرتے رہیئے، صحن مین ایک مسقف چبوترہ، اور اس پر عربی مین یہ عبارت کندہ کہ یہ وہ جگہ ہی، جہان رسول اللہ صلعم کی اونٹنی بیٹھی تھی، ذرہ ذرہ آنکھون سے لگانے کے قابل!

یہ وہ جگہ ہی، جہان اللہ کے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے، اور سب سے زیادہ تعریف کئے گئے، بندہ کو اس وقت پناہ ملی تھی، جب اس کے وطن والے اس کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے، غنی عن العالمین کی شانِ بے نیازی کا کوئی ٹھکانا ہی! پناہ اسے ڈھونڈھنی پڑی تھی، جو خود اس واسطے بنایا گیا تھا، کہ سارا عالم اس کی پناہ مین آئے!

رسول صلعم کی زندگی کے آئینہ مین امت کی ساری تاریخ کا عکس دکھا دیا گیا، جس رسول صلعم پر ایک روز مکہ کی زمین تنگ کر دیگئی تھی، آج اس کی امت پر عرصۂ عالم

تنگ ہو! رسول صلعم کی جان کے دشمن ایک ابوجہل اور ایک ابولہب تھے، رسول صلعم کی عزت کے، رسول صلعم کے پیام کے، رسول صلعم کے دین کے دشمن آج خدا معلوم کتنے ابوجہل اور کتنے ابولہب پیدا ہو گئے ہیں، اُن کی دشمنانِ حق کا خاتمہ ہلاکت و بربادی پر ہوا تھا، کیا یہ بیسویں صدی عیسوی کے "روشنخیال" ابوجہل اور ابولہب ہمیشہ مہلت ہی پاتے رہیں گے؟ مکہ کے مہاجر کو اپنے رب کا نام پکارنے توحید کا کلمہ بلند کرنے کو قبا کا ایک ٹھکانا مل گیا تھا، کیا اسی محبوب کی امت کی قسمت میں کوئی قبا نہیں، اور کیا اُسے خدانخواستہ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہنے دیا جائیگا!

مسجد نبوی میں ایک روز حاضر تھا، عصر کی جماعت کے بعد سلام پھیرا، تو ایک صاحب نے ایک دستی خط لاکر دیا، حیرت ہوئی کہ یہاں خط بھیجنے والا کون، لفافہ کھول کر پڑھا تو امیرِ مدینہ کا کرمنامہ "مدیر جریدۂ سچ" کے نام تھا کہ جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود ریاض سے مکہ جاتے ہوئے مدینہ سے گذر رہے گئے، اُن کے ورودِ مدینہ کے دن، سہ پہر کو امیرِ مدینہ کی طرف سے اُن کی دعوت ہوگی، اس میں شریک ہو، مزید حیرت ہوئی کہ مدیر سچ نے تو یہاں اپنے تئیں مخفی و گمنام رکھنے کا پورا اہتمام کرلیا تھا، اُس کے وجود کی خبر سرکاری حلقوں کو کیونکر ہوگئی، بہت کھوج لگایا، کچھ پتہ نہ چلا، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس دعوت نامہ کو قبول بھی کرنا چاہئے؟ جس نے آغازِ سفرِ حج سے اخبارات کا پڑھنا تک یکلخت ترک کر دیا ہو، اس کے لئے ایسے سرکاری مجمع اور شاہی دعوت میں شرکت آسان نہ تھی، کافی کشمکش رہی حیص بیص اور ایک بزرگ دوست کے مشورہ کے بعد بالآخر طے یہ پایا کہ جب

خود اسی طرف سے تحریک ہوئی ہے، تو چلنا چاہئے، اور سلطان سے مل کر مسجد نبوی اور بقیع وغیرہ سے متعلق جو زیادتیاں، بد انتظامیاں، اور بے تمیزیاں مشاہدہ میں آچکی ہیں، سب ان کے گوش گذار کر دینا چاہئے، یہ سوچ کر تمام اصلاح طلب پہلوؤں کی ایک مفصل یادداشت قلمبند کر لی، اور مولانا مناظر احسن صاحب سے اسکا عربی ترجمہ کرالیا، کہ ملاقات کے وقت، ایک مختصر تمہیدی گفتگو کے بعد اسے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا، سلطان کی آمد ایک مدت تک برابر ملتوی ہوتی رہی، آخر کار ایک صبح کو انکا ورود ہوا، اور اسی روز بعد عصر وہ دعوت ہوئی، دعوت کا مقام وہ تھا، جہاں حجاز ریلوے کا اسٹیشن بنا ہوا ہے، اتفاق سے فوراً بعد عصر بارش شروع ہو گئی، کچھ دیر یوں ہوئی، اور پھر جب بارش کے ہلکے ہوتے ہی، مولانا مناظر کو بطور ترجمان اپنے ہمراہ لیکر روانہ ہوا ہوں تو مقام دعوت کا فاصلہ اندازہ سے زائد نکلا، غرض جب پہونچے ہیں، تو وقت معینہ سے کچھ دیر ہو چکی تھی، اسٹیشن کی عمارت جھنڈیوں وغیرہ سے خاصی آراستہ تھی، صحن میں فوج پولیس، چوکی پہرہ کا ہر طرف انتظام، بدوی سادگی کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی، آرائشیں اس درجہ کی تھیں، جیسے ہندوستان میں اوسط درجہ کے والیان ریاست کے دربار کے موقع پر ہوتی ہیں، دعوت اندر بڑے ہال میں ہو رہی تھی، اور دروازوں پر بجائے اس کے کہ میزبان یا ان کے نائب، مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے، بندوق اور سنگین لئے پہرہ دار موجود تھے! ہم لوگ جب پہونچے اور ہال کے اندر جانا چاہا، تو ایک پہرہ دار نے، کہ نہ ہم اس کی زبان سمجھ سکتے تھے، اور نہ وہ ہماری، جانے سے روک دیا، عربی اخلاق و میزبانی کا یہ تجربہ شاید نجدی دور سے پیشتر کسی کو نہ ہوا ہوگا!

مجبوراً برآمدہ مین کرسیون پر بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد سلطان مع اپنے رفقا کے
کھانے سے فارغ ہوکر برآمدے مین آگئے، اور ایک آراستہ صوفہ پر جلوس فرمایا، سلطان
کے لباس و وضع مین واقعۃً کوئی امتیازی شے نہ تھی، ان کی اس ذاتی سادگی کی
داد جس قدر بھی دیجائے، درست ہی، ان کے اسٹاف کے لوگ ان سے کہین زیادہ
زرق برق لباس مین تھے، اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہوتا، تو محض وضع ولباس
سے سلطان کو پہچاننا ممکن نہ تھا، کاش جس طرح سلطان کا لباس اور ظاہر سادہ ہی
ایسی ہی سادگی حق تعالیٰ انھین زندگی اور اخلاق کے ہر شعبہ مین نصیب کردے آمین!
بہر حال سلطان جب صوفہ پر آکر بیٹھ لئے تو لوگ اُن کے سامنے پیش ہونے لگے ہم
لوگون نے اس وقت پھر اپنے میزبان امیرِ مدینہ کو تلاش کرنا شروع کیا، کہ جنھون نے
خط بھیجکر مدعو کیا تھا، وہ دعوت کے بعد ہی سہی، کم ازکم مل تو لین، تلاش ناکام ہی
کافی انتظار کے بعد، مجبوراً ہم دونون پردیسی خود ہی، بغیر کسی تعارف کرانے والے
کے ہمت کرکے سلطان کے صوفہ کی طرف بڑھے، اور قریب پہونچ کر السلام علیکم
کہا، سلطان نے وعلیکم السلام کہا، اور کھڑے ہوکر مصافحہ فرمایا، ہم لوگون نے
اپنا تعارف (یا اپنی تعریف؟) خود کرنا چاہا، لیکن ابھی زبان سے صرف دو لفظ "نحن
ہندیون" نکلنے پائے تھے، کہ شاہی چوبدار نے ہاتھ پکڑ کر ہم لوگون کو فوراً کھینچ لیا اور
کہا کہ یہ گفتگو کا محل نہین، ہم لوگون نے ہر چند سمجھانا چاہا، کہ ہماری حاضری کا مقصد
ہی ضروری گفتگو کرنا تھا، لیکن بھلا وہ چوبدار صاحب ہمارے سمجھائے کیا سمجھ سکتے
تھے، اتنے مین دوسرے لوگ سلطان کے سامنے پیش ہونے لگے، اور ہمین ایکبار پھر
جبراً صبر اختیار کرنا پڑا، اتنے مین سلطان کا موٹر آ لگا، اور وہ سوار ہوگئے، آخری با

امیرِ مدینہ کی تلاش پھر شروع کی، اور ابکی وہ مل گئے، ہم نے ان کے سامنے ساری سرگذشت سنائی، بغیر کسی اظہارِ تاسف و معذرت کے فرمایا، کہ آج تو موقع نہین رہا، اور کل سلطان چلے جائینگے، البتہ کل صبح اگر آجاؤ، تو ملاقات کرادونگا،

مشیت الٰہی مین جو کچھ ہوتا ہے، وہی ہو کر رہتا ہے، طبیعت کچھ خراب پہلے ہی سے تھی، سلطانی دعوت گاہ سے واپسی پر طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اور شب مین اچھا خاصہ تیز بخار ہو آیا، ضعف اس درجہ ہو گیا، کہ سلطان کے ہان جانے کا کیا ذکر، کوٹھے سے اترنے اور عشاء و فجر کی نماز مین جماعت کے لئے مسجد نبوی تک حاضر ہونے کی سکت باقی نہ رہی، مجبوراً صبح کو ایک مختصر خط مولانا مناظر احسن سے عربی مین لکھوا کر، سلطان کی خدمت مین بھیجدیا، جو صاحب لیکر گئے تھے، انکا بیان ہے، کہ سلطان نے پڑھکر اپنے ایک سکریٹری کو دیدیا، اور فرمایا "اسے رکھ لو، مکہ مین حج کے زمانہ مین یاد دلانا، اُس وقت ان صاحب سے ملاقات کرونگا" اور اسی واقعہ پر سلطان و گدا کی ناتمام ملاقات تمام ہوئی، یادداشت جو ان کی خدمت مین پیش کرنے کے لئے لکھی گئی تھی، اس کا لکھنے والا محض پیچ کا مدیر ہی نہ تھا، بلکہ خلافت کمیٹی کا بھی ایک خادم تھا، اور یہ دونون حیثیتین اس مین واضح کردی گئی تھین، لب و لہجہ مین آداب شاہی کا پورا لحاظ کر لیا گیا تھا، اور اس کا شائبہ بھی نہ آنے پایا تھا، کہ سلطان کی کسی قسم کی اہانت ہو، ادب کے ساتھ، اصلاح طلب امور کی فہرست نمبروار درج تھی، اور آخر مین پورے زور کے ساتھ یہ گذارش کی گئی تھی، کہ مسجد نبویؐ، مقصورۂ شریفہ، جنت البقیع وغیرہ پر سارے اسلامی فرقون کے یکسان حقوق ہین، اس لئے یہان کے آداب زیارت، و انتظامات مین بڑی

فراخدلی سے کام لینا چاہیئے، اور تابہ امکان ہر فرقہ کے یہانتک کہ گمراہ و باطل اسلامی فرقون کے معتقدات و مزعومات کی رعایت، تاوقتیکہ وہ صحیح اصول اسلامی سے معارض نہ ہون، رکھنی چاہیئے، اور دولت حجازیہ کے محکمۂ مذہبی کی خدمت مین یہ مشورہ پیش کیا گیا تھا، کہ دوسرے اسلامی ملکون کے متدین و مصلحت فہم علما سے برابر مشورہ جاری رکھنا چاہیئے، ہندوستان کے گروہ اعظم، اہل سنت مین خدا کے فضل سے متعدد بزرگ ایسے موجود ہین، جو دولت حجازیہ سعودیہ کی مشکلات مین اضافہ کیے بغیر، اس باب مین اسے بہترین مشورہ دے سکتے ہین، جانشین شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ صدر جمعیۃ العلما مولانا مفتی کفایت اللہ، جماعت اہلحدیث کے ممتاز فاضل مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوری[1] مصنف "رحمۃ للعالمین" "شیخ الاسلام" مملکت آصفیہ مولانا شروانی، شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ مولانا مناظر احسن گیلانی، فاضل محترم مولانا سید سلیمان ندوی، اور اسی قسم کے دوسرے صاحب علم و صاحب نظر علمائے اہل سنتہ سے اگر حکومت حجاز، آداب زیارت وغیرہ کے باب مین مشورہ کرتی رہے، تو ہندوستان کے مسلمانون کے ایک خاصے بڑے گروہ کے دل مین اس کی طرف سے جو تلخیان پیدا ہو رہی ہین، وہ یقیناً بڑی حد تک دور ہو سکتی ہین،

اس قسم کے تذکرے جو بار بار اس سفرنامہ مین آ رہے ہین، اس سے اگر ایک طرف لوگون کو صحیح حالات اور ضروری معلومات سے باخبر کرنا ہی، تو دوسری طرف حکومت حجاز اور اس کے ہواخواہون کو خود اپنی فلاح و اصلاح پر توجہ دلانا ہی

[1] افسوس ہی کہ قاضی صاحب نے ۱۳۴۹ھ حج سے واپس ہوتے ہوئے جہاز مین انتقال فرمایا،

اور یہ جو کچھ لکھا جارہا ہی، حاشا نجدیون کی مخالفت وعناد مین نہین، انکی بدنامی ورسوائی کے لئے نہین، بلکہ انکی سچی دوستی اور حقیقی خیر اندیشی مین، وہ لاکھ برے سہی، پھر بھی بہرحال کلمہ گو ہین، دائرۂ اسلام سے خارج نہین، خاطی ہین، کافر نہین، نادان ہین، باغی نہین، بھائی ہین دشمن نہین، انکی رسوائی مسلمانون ہی کی رسوائی ہی، انکی پردہ دری کرکے خوش ہونا، محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والون کی پردہ دری پر خوش ہونا ہے، خانہ جنگی قابل داد کبھی بھی نہ تھی، لیکن آج تو اس سے بڑھکر شاید ہی کوئی گناہ ہو، آج وقت نجدی وحجازی کی آویزش کا، حنفی وحنبلی کی جنگ کا، اہل سنت واہل بدعت کی کارزار کا نہین، وقت تو اس کا ہی، کہ یہ سب ملکر، یاجوج کی اس بے گنتی اور بے تعداد لشکر سے مقابلہ کرین، جو بے شمار ناموں اور نشانون کیساتھ، بے حساب لباسون اور نقابون کے ساتھ، ہر سمت اور ہر جہت سے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے، من کل حدب ینسلون اللہ کے دین پر، رسول کی شریعت پر، اسلام کے پیام پر حملہ آور ہو رہا ہی، اور جس کی زد سے نہ ہندوستان محفوظ ہی نہ نجد، اور نہ مرکز اسلام کے وہ مقدس ومحترم مقامات ——— نام لکھنے کی جرات قلم کہان سے لائے ———
جن کے شرف سے اسلام کا شرف قائم، اور جنکی عظمت سے اسلام کی عظمت وابستہ ہی! جہاد کی ضرورت ان کے مقابلہ مین نہین جنھون نے عثمان غنیؓ کے قبۂ مزار کو گرایا اور فاطمہ زہراؓ کی تربت کو کھنڈر بنادیا، جہاد ان پر کرنا ہی، جو عثمانؓ وفاطمہؓ کے دین کے دشمن ہین، جو قبۂ عثمانؓ کو نہین، خود عثمانؓ کے کارنامون کو فنا کر رہے ہین، اور جو تربت فاطمہؓ کی نہین خود فاطمہؓ کی تحقیر اور بے وقعتی دلون مین پیدا کر رہے ہین!

اہل دل بزرگون اور نیک نفس دوستون کی ایک جماعت، حسرت و تاسف،
خلوص و ہمدردی کے لہجہ مین ازیرلب کہہ رہی ہی کہ مشاہد متبرکہ کے انوار و برکات کی
شرح کرنے کے بجائے، یہ بے محل سیاسی رجزخوانیان کیسی شروع ہوجاتی ہین لیکن
بزرگو اور دوستو، اللہ کوئی یہ بتائے، کہ کلمہ توحید کی بنیاد نفی غیراللہ پر کیون ہی، ؟
اور اللہ کے اقرار سے بھی پہلے آخر غیراللہ کی نفی کیون اس قدر اہم سمجھی گئی ہی؟
انوار و تجلیات کا مشاہدہ جنھین ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، ایک عامی اور دنیادار سیاہ کار سے
اس کی توقع ہی کیون قایم کی گئی، وہ تو وہی لکھے گا، جو کچھ اُس نے خود محسوس کیا
اس کا مال گھٹیا سہی، ناقص سہی، ادنی درجے کا سہی، لیکن بہرحال اُس کا اپنا مال
ہوگا، کیا دوسرون کا حسن ظن قایم رکھنے کے لئے، صوفیون کی بول چال کی نقالی شروع
کردیجائے، ؟ کیا خود وہ بزرگ اس سے خوش ہونگے، کہ اُن کے خوش کرنے کے لئے
جھوٹے موتی کشتیون مین لگا لگا کر پیش کئے جانے لگین، ؟ یہان تو مسجد نبویؐ کے ہر ہر
ستون، اور ہر ہر محراب سے، ایک ایک درا اور ایک ایک دیوار سے، قبا کی ایک ایک
اینٹ سے، بقیع کے ذرہ ذرہ سے، شہر مدینہ کے چپہ چپہ سے ایک ہی پکار سنائی دی،
اور وہ پکار من انصاری الی اللہ کی تھی! ہر جگہ ایک ہی جلوہ دکھائی دیا، اور
جلوہ دین کی تقاضائے نصرت کا تھا! آج اللہ کے بجائے یاجوج کی الہیت والوہیت
کا کلمہ ہر جگہ پڑھا جانے لگا ہی، عدالتون مین حاکم مسلمان بنا کے جاتے ہین، اور ان
مسلمان حاکمون سے شریعت کے فیصلون مین ترمیم کرائی جاتی ہی، کونسلون مین ممبر
مسلمان لئے جاتے ہین، اور ان مسلمان ممبرون کی تجویزون اور تقریرون سے شریعت
کی دھجیان اڑائی جاتی ہین، وزارت و امارت کی کرسی پر مسلمان بٹھائے جاتے ہین،

اور ان مسلمان امیرون اور وزیرون کے احکام سے شریعت کو توڑا جاتا ہی، یونیورسٹیان اور درسگاہین مسلمانون کی قایم کرائی جاتی ہین، اور ان مسلمان ماہرین فن کے مقالات و مضامین سے شریعت پر قہقہے لگائے جاتے ہین، حب وطن و حب قوم کا جذبہ مسلمانون مین پیدا کرایا جاتا ہی، اور نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ ترک ترکیت کی، مصری مصریت کی پرستش شروع کر دیتے ہین، اور ہندی مسلمان بھی اپنے اسلام کو چھوڑ کر اپنی ہندیت پر فخر و ناز کرنے لگتا ہی! قوالی کی محفلین بہت دیکھ لین، نعتیہ نظمین بہت سن لین، شعر و شاعری بہت ہو چکی، اب اللہ کے ہان سے پکار ہی تو یہ، اور محمدؐ کے دربار سے طلب ہی تو اسکی کہ کچھ اللہ کے بندے، اور محمدؐ کے امتی اٹھین، اور دین کی غیرت سے مست و دیوانے ہو کر، دوستون اور عزیزون سے بیگانے بنکر، یاجوج کے لشکر کے مقابلہ مین صف بستہ ہو کر، کانھم بنیان مرصوص، باہر نکلین، اور اس ہاری ہوئی لڑائی مین حق کا علم بلند کر کے، اپنے سر اور اپنی جانین نذر کر دین!

باب ۱۷

دیارِ حبیبؐ

مدینہ شہر کی موجودہ بستی کچھ ایسی بڑی نہین، آبادی ہندوستان کے چھوٹے شہرون یا بعض بڑے قصبون کے برابر ہوگی، سنتے ہین کہ کسی زمانے مین آبادی کی وہ کثرت تھی، کہ راستہ چلنا مشکل تھا، لیکن جس وقت سے ریل کے قدم آئے، حجاز ریلوے کا اسٹیشن کھلا، اور شام سے ریل کی آمد و رفت شروع ہوئی، اُس وقت پہلے تو اخلاق و قلوب کے عالم مین انقلاب آیا، اور جو چھپ چھپا کر بھی نہ ہونا تھا وہ کھلے خزانہ ہونے لگا، اور پھر وہ زبردست مادّی جھٹکے لگے، کہ ساری آبادی تباہ ہو کر رہ گئی، ترکی حکومت کی بربادی، شریفی دور، نجدی دور، ہر سیاسی زلزلہ کا پہلا ہدف اسی شہر کو بننا پڑا، اور اس وقت مدینہ دنیا کے مظلوم ترین شہرون مین ہی، سچّے، اور مدینہ والے سچّےؐ کا قول بالآخر پورا ہو کر رہنا تھا، کہ ظہورِ دجّال کے وقت بیت المقدس آباد ہوگا، اور مدینہ تباہ، بیت المقدس کی آبادی اور روزافزون رونق و آبادی سب دیکھ رہے ہین، پھر مظلوم مدینہ کی تباہی و بربادی پر حیرت کیون ہو؟ —— لیکن شہر آباد ہو یا برباد، آبادی خواہ بڑھے خواہ گھٹے، بس ایک مدینہ والاؐ، سلامت رہے، کہ اُس کے طفیل مین مدینہ بھی ہمیشہ سلامت ہی رہیگا،

شاعر نے کہا ہے، ع

مکین کی خیر ہو یارب مکان رہے نہ رہے!

لیکن مکین اگر سلامت ہے، تو مکان کی سلامتی بھی یقینی ہے، اور پھر بھلا کون ایسا مکان ہوگا، کہ سارا عالم تو اُس کے مکین کی برکتون سے مہک رہا ہو، اور خود وہی مکان محروم رہجائے!

صاحبِ جذب القلوب نے ایک مستقل باب فضائلِ شہر مدینہ کا باندھا ہے، اور اسکی افضلیت پر مفصل عقلی و نقلی دلائل قایم کئے ہین، لیکن درحقیقت اس تفصیلی بحث کی سرے سے ضرورت ہی نہین جن کے پہلو مین دل ہے، اُن کے لئے تو بس یہی ایک دلیل سب سے بڑی دلیل ہے، کہ اُنکا محبوب آقا، اور اُن کے رب کا محبوب ترین بندہ اس سرزمین پر آرام فرما ہے! سه

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اور جن کے سینہ مین دل ہی نہین، اُن کے لئے دلیل و بحث کے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہین مثنوی مین مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے، کہ کسی کنوین کو ایک دیوزاد نے اپنا مسکن بنا لیا تھا، اور جو کوئی اس کنوین کے اندر اترتا، اس سے وہ سوال کرتا، کہ بہتر شہر کون ہے، ہر شخص اپنی اپنی پسند کے موافق کسی شہر کا نام لیتا اس پر وہ ناخوش ہوکر اسے وہین قید کر لیتا، اور باہر نہ نکلنے دیتا، آخر مین ایک مرد دانا اترا، اور اس سے جب حسب معمول وہ سوال ہوا، تو اس نے جواب مین کہا، کہ

"جہان اپنا محبوب موجود ہو، وہی مقام سب سے بہتر ہے" اس جواب پر وہ دیوزاد خوش ہو گیا اور خوشی مین آکر تنہا اُسی کو نہین، بلکہ سارے قیدیون کو بھی رہا کر دیا پس مومن کیلئے تو اسی قدر کافی ہی کہ یہ شہر رسول اللہ صلعم کا شہر ہی اور یہی وہ شہر ہی جس کا نام طابہ (پاک، پاکیزہ اچھا) کسی بندہ نے نہین، بندون کے پروردگار نے رکھا ہی،

ان اللہ تعالی سمی المدینۃ طابۃ

اور "پاک" کی شرح مین ائمۂ فن نے لکھا ہی کہ مدینہ کفر و شرک کی نجاستون سے پاک ہے، مدینہ والون کے ساتھ جس نے دھوکہ بازی کی، وہ خود دھوکا کھا گیا جس نے انکی بدخواہی کی، اس نے خود اپنی بدخواہی کر لی جس نے انھین تباہ کرنا چاہا، وہ خود تباہ ہو کر رہا، حدیث مین آیا ہو کہ وہ اس طرح گھل جاتا ہی جس طرح نمک پانی مین گھل جاتا ہی، بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ لا یکید اهل المدینۃ احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء، یاجوج کے دور مین سب کچھ ہو گا، اور سب کے نیچے بھی ظاہر ہو کر رہین گے، سختیان اور ناگواریان کہان نہین پیش آتین؟ لیکن اس ارض محبوب کی سختیان بھی رحمتین ہین، اور یہان کی ناگواریون کو گوارا بنا لینے والون کے لئے وہ انعام اور قطعی انعام ہی جس کی تمنا ہر مسلم کے سینہ مین ہی ارشاد ہوتا ہی، بروایت صحیح مسلم کہ

لا یصبر علی لاواء المدینۃ وشدتها احد من امتی الا کنت لہ شفیعا یوم القیٰمۃ،	میری امت مین کوئی ایسا نہین کہ وہ مدینہ کی سختیون اور محنتون پر صبر کرے، اور مین قیامت کے دن اسکی شفاعت کرنے والا نہ ہون!

اب اس کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی رہجاتا ہے؟ ایک دوسری روایت مین یون آتا ہی:-

من سکن المدینۃ وصبر علی بلائھا کنت لہ شفیعا یوم القیٰمۃ	جس نے مدینہ مین سکونت اختیار کی، اور یہان کی بلاؤن پر صبر کیا، تو مین قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا ہونگا،

اتنے بڑے انعام کے وعدہ کے بعد کچھ حیرت نہ کرنا چاہئے، اگر مدینہ مین زحمتون سے بچنے کے بجائے، اور دوڑ دوڑ کر زحمتون مین اپنے تئین ہنسی خوشی مبتلا کیا جانے لگے، اور یہ سختیان اور ناگواریان تو انکو پیش آسکتی ہین، جو اس سرزمین پر زندہ رہین، لیکن اگر یہین موت آجائے تو؟ اس "تو" کا جواب بھی سچی بشارتین دینے والے کی سچی زبان سے سنئے:-

من مات فی احد الحرمین بعثہ اللہ من الآمنین یوم القیٰمۃ،	جس شخص کی وفات مکہ یا مدینہ مین ہو جائے، وہ قیامت کے دن ان لوگون مین اٹھیگا جو بیخوف ہونگے

اور بعض احادیث مین بجائے حرمین کے صرف مدینۃ کا لفظ آیا ہی، من مات بالمدینۃ کنت لہ شفیعا یوم القیٰمۃ اور بعض روایات مین اسے محض بطور خبر کے نہین بیان فرمایا گیا ہی، بلکہ مدینہ مین مرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہی،

من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت فمن مات بالمدینۃ کنت لہ شفیعًا وشھیدًا	جس کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ مدینہ مین آکر وفات پائے تو اُسے چاہئے کہ یہین آکر مرے، اس لئے کہ جو یہان مریگا مین اسکا گواہ اور شفیع ہونگا،

اس سے ملتے جلتے ہوئے مضمون کی متعدد احادیث ہین، اور صحابہؓ کرام برابر مدینہ مین اپنے مرنے کی دعائین اور آرزوئین کرتے رہتے تھے، بس جس شہر مین جینا، اور جس شہر مین مرنا، دونون اس قدر مبارک ہون، کس کو وہان حاضر ہونے اور حاضر

رہنے کی تمنا نہ ہوگی؟

یون تو سال کے بیشتر حصہ مین سناٹا چھایا رہتا ہے، دوکانین بند، بازار سرد، مکانات مقفل رہتے ہین، لیکن موسم حج مین تین چار مہینے کے لئے اچھی خاصی چہل پہل ہوجاتی ہے، اور سڑکون اور بازارون مین خاصا مجمع رہنے لگتا ہے، ذی الحجہ کی ۲۰، ۲۲ تاریخ سے حاجیون کے قافلے ماشاء اللہ بہت بڑی تعداد مین آنے لگتے ہین، اور یہ مجمع آخر محرم تک قایم رہتا ہے، شوال و ذیقعدہ مین مجمع نسبتہً ہلکا رہتا ہے، پھر بھی ہزارون کی تعداد مین رہتا ہے، خصوصاً ذیقعدہ مین، بازارون مین ضرورت کی سب چیزین مل جاتی ہین، اور نرخ بھی کچھ زیادہ گران نہین، گوشت (بکرے اور دنبہ دونون کا) گھی، شکر، گیہون کا آٹا، بعض سبزیان، دودھ، دہی، ہر چیز اچھی حالت مین بآسانی دستیاب ہوجاتی ہے، عام دستور یہ ہے، کہ لوگ روٹی گھر مین نہین پکاتے، بلکہ بازار سے خرید لیتے ہین، باقی سالن وغیرہ گھرون مین پکتا ہے صبح کے وقت، بہت تڑکے سے، جو ناشتہ بازارون مین ملنے لگتا ہے، وہ خاص طور پر لذیذ و خوش ذائقہ ہوتا ہے، اور قیمتاً بھی ارزان، شام کا کھانا عموماً عصر کے وقت ہوجاتا ہے، شب مین، کھانے کا دستور نہین، دوکانین بھی، شام ہی کو بند ہوجاتی ہین، اور عشا کے بعد بالکل سناٹا چھاجاتا ہے، کپڑے وغیرہ کی قسم سے بھی ضرورت کی سب چیزین مل جاتی ہین، مادی نعمتون مین دو چیزین ایسی ہین، جو صرف مدینہ طیبہ ہی کے لئے مخصوص ہین، ایک تو کھجورہے، جس کے خدا معلوم کتنے اقسام بازارون مین ڈھیر لگے رہتے ہین، بڑے اور چھوٹے، میٹھے اور بہت میٹھے، خشک و شاداب

سیاہ و سرخ، جتنے طرح کے، اور جس رنگ کی چاہیے لیجئے، اتنے لذیذ و نفیس، کہ پیٹ بھر جائیگا، لیکن جی نہ بھریگا، افسوس ہے کہ ہندوستان زیادہ مقدار مین لانا اول تو دشوار و زحمت طلب، اور پھر اگر دشواریان برداشت کرکے لایا بھی جائے، تو یہان زیادہ عرصہ تک ٹھہرتے نہین، خراب جاتے ہین بمبئی مین جو کھجور رہتے ہین، وہ عراق وغیرہ کے ہوتے ہین، مدینہ کے کھجور بجز مدینہ کے اور کہین نہین دستیاب ہوتے، دوسری مادّی نعمت، اس سے بھی کہین بڑھکر، مدینہ شریف کا پانی ہے، زبان اس کی تعریف سے حقیقۃً قاصر ہے، اتنا سرد، اتنا لطیف، اتنا سبک، ایسا ہاضم، پانی، شاید پردۂ ارض پر کہین بھی نہ ہو، بار بار برف کا دھوکہ ہوتا تھا، جتنا چاہیئے پیتے چلے جائیے، ذرا بھی گرانی نہ محسوس ہوگی، جنت مین جو پانی، ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے ملیگا، شاید اسی کا ایک نمونہ اس جنت ارضی مین دکھادیا گیا ہے! افسوس ہے کہ اس تحفہ کو مدینہ سے باہر لانے کی کوئی صورت اس وقت تک ممکن نہین،

مکانات کے کرایے بہت ارزان، موسمِ حج مین نسبۃً گران ہو جاتے ہین، پھر بھی کہان تک؟ کوئی پرانا مکان خریدنا منظور ہو، تو وہ بھی بہت سستے دامون مل سکتا ہے، اللہ غریق رحمت کرے مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کو، اس طمع مین ایک مکان مدینہ طیبہ مین خرید رکھا تھا، کہ شاید اسی بہانے حشر مین اہلِ مدینہ مین شمار ہو جائے! یہ راہ ہر خوش عقیدہ مومن کے لئے اب بھی کھلی ہوئی ہے، آبادی مین بیرونی عنصر کثرت سے شامل ہو گیا ہے، ترک کرد، عراقی، ہندی، مصری، نجدی، مغربی، خدا معلوم کتنے خاندان کے خاندان باہر سے آکر آباد ہو گئے ہین، سب کے اخلاق اور سب کے مزاج جداگانہ،

باقی جو چند مخصوص گھرانے اصلی اہلِ مدینہ یعنی سادات و انصار کے رہ گئے ہین، انکے اخلاق اور اُن کے جوہرِ شرافت کا کیا کہنا! ہم لوگون کو قدرۃً ہندیون ہی سے سابقہ زیادہ پڑا، ان سب مین ایک بار پھر سب سے پہلا نام قلم کی زبان پر مولانا سید احمد فیض آبادی کا آتا ہی جنھون نے مسافرت کو ہر پہلو سے گویا وطن بنا دیا، جی مین آتا ہی کہ اس پیکر اخلاص و ایثار، اور مجسمہ بے نفسی و خدمت خلق کے رازون کو خوب کھول کر بیان کر دیا جائے، لیکن پھر انھین کی ناخوشی و ناگواری کا خوف غالب آکر زبان کو روک دیتا ہی، اب یہ اللہ ہی جانے کہ نفس کا اتنا پاک ہو جانا، حرمِ رسولؐ کی تیس سال کی مجاورت کی برکت ہی، یا نفس پہلے ہی سے خود اتنا پاک ہو چکا تھا، کہ اُس نے وطن اور ہزارہا وطن سے ہزارون میل دور کسی کے آستان پاک پر پڑے رہنے پر آمادہ کر دیا! اللہ ان کے مقاصد دینی و دنیوی پورے کرے، اور ان کے مدرسۃ الیتامیٰ[1] کو اپنے خزانہ غیب سے مالا مال کر دے، انھین کے ہمنشینون مین ایک صاحب منشی محمد حسین فیض آبادی

---

[1] اس مدرسہ کے متعلق سچ نمبر ۱۲، جلد ۵ مین حسب ذیل نوٹ شایع ہوا ہے:۔

مدینہ طیبہ کی ایک صحیح خدمت

حجاز کا سفر کئے بغیر اہل حجاز کی موجودہ دردناک اور عبرتناک پستیون کا اندازہ نہین ہوتا، مدینہ طیبہ کے دوران قیام مین اس کی بیشمار فضیلتون اور بے حساب برکتون کے باوجود یہ منظر دیکھ کر قلب کو کس درجہ تکلیف ہوتی تھی، کہ ہر ہاتھ ہر موقع پر آپ کی طرف پھیلا ہوا ہی، اور وہ جنکا کام غیرتمندی و استغنا کا سبق دینا تھا عین اُس محترم ہستی کے جوار محترم مین جس نے مسجد مین سوال کرنا حرام ٹھہرایا ہی، ہر ہر لمحہ اس کے حکم کو توڑ رہے ہین، اسکا علاج سختی نہین، اور نہ اہل مدینہ کے ساتھ سختی اور بیدردی تو کسی صاحب ایمان کے خواب و خیال مین بھی نہین آسکتی، تاہم

ہین، ان کی یاد بھی شکر گذاری کے ساتھ دل مین قایم ہی لکھنو کے خاندان فرنگی محل کے ایک ممتاز رکن، مولانا عبد الباقی صاحب بھی سالہا سال سے ترک وطن کئے ہوئے یہین مقیم ہین، اور مدرسۂ نظامیہ کو چلا رہے ہین بڑی شفقت اور بزرگانہ نوازش سے پیش آئے، اور اپنے ہان ٹھہرانے پر اصرار فرماتے رہے، ان کے مدرسہ کی عمارت بہت وسیع اور مہمانون کیلئے ہر طرح آرام دہ تھی لیکن مسجد نبویؐ سے ذرا فاصلہ پر تھی، اس لئے معذرت کر دینی پڑی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) نفس علاج نہایت ضروری ہے، اور مرض سے بے پروائی مریض کیساتھ دوستی نہین، دشمنی ہی، صحیح علاج صرف یہ ہی کہ صحیح دینی تعلیم مین لگا کر اور ایثار و استغنا، و غیر تمندی کا عملی نمونہ پیش کر کے عادتون کو بگڑنے سے روکا جائے، اور بگڑی ہوئی عادتون کو حتی الامکان درست کیا جائے الحمد للہ کا شکر ہی کہ اس خطۂ پاک کی اس اہم خدمت کا شرف ہمارے ایک ہندی بزرگ کے نصیب مین آیا ہی اور انھون نے نہایت صحیح اصول پر ایک دینی درسگاہ مدرسۃ الیتامیٰ کے نام سے، انھین اصلاحی مقاصد کے ساتھ حرم نبویؐ سے بالکل متصل قائم کر دی ہی، ان بزرگوار کا (جو رسماً و تعظیماً نہین حقیقۃً اور اپنے صحیح معنی مین ایک قابل صد رشک بزرگ ہین) اسم مبارک مولانا سید احمد فیض آبادی ہی حضرت مولانا حسین احمد صاحب (شیخ الحدیث دیوبند) کے برادر کلان ہین اور اپنی عمر جوار و جیران رسولؐ کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہین، مدرسہ کا تفصیلی معائنہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے قلم سے انشاء اللہ آیندہ نمبر مین نکلیگا، مختصراً اس وقت اس قدر عرض ہے کہ ہم سے جو پڑھنے والے اہل ایمان اپنے دل مین اہل مدینہ کی حقیقی خدمت کا ارمان اور ولولہ رکھتے ہون، وہ بلا تامل اور بے تکلف، اس مدرسہ کی اعانت کو اپنا فرض سمجھین مولانا موصوف سے بڑھکر امین اور قابل اعتماد و اطمینان بزرگ اس زمانہ مین، تلاش کے بعد بھی شاید نہ مل سکے،

روپیہ بھیجنے کے پتے:۔ (۱) حکیم ڈاکٹر عبد العلی صاحب گوئن روڈ لکھنو، (۲) کوٹھی حاجی علی جان چاندنی چوک دہلی، (۳) عبد اللہ بھائی عبد القادر نمبر ۲۰ ناگدیوی اسٹریٹ بمبئی (۴) مولینا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم

ہندی تاجرون مین اطراف بمبئی کے ایک صاحب عبد الغنی نامی ہین، چاے اور غلہ کی دوکان ہی، دوکان کا نام عثمان احمد و شرکاءہے، بڑے ہمدرد و خدمتگزار ہمولی تعارف پر ہر طرح امداد و دستگیری فرماتے رہے، اللہ انھین جزائے خیر دے،

ہم لوگ یکم ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے، ہندی عشاق مین معلوم نہین کتنے ایسے تھے جو اس سے بھی قبل سے یہان حاضر تھے، منشی امیر احمد صاحب کاکوروی کا ذکر اس سے قبل آچکا ہی، وہ مہینون پیشتر سے حجاز آچکے تھے، اور مکہ معظمہ مین حاضری دیکر اور عمرہ سے فارغ ہوکر آستان حبیب پر مقیم تھے، اسی طرح مولوی غلام بھیک صاحب نیرنگ (ایڈوکیٹ انبالہ و معتمد انجمن تبلیغ) بھی ایک مدت سے حاضر آستانہ تھے، ان صاحبون کے ذوق و شوق کا کیا پوچھنا، جس دربار کی زیارت اگر ایک دن کے لئے بھی میسر آجائے، تو خوش قسمتی ہی، وہان یہ حضرات مہینون کی مسلسل حاضری سے بھی سیر نہ تھے، بہار کے ہومیوپیتھ ڈاکٹر عبد الرحمن بھی، حکومت نظام حیدر آباد کی طرف سے خدمت حجاج پر متعین، یہین مقیم تھے، اور فرائض علاج و تیمارداری کے علاوہ، یون بھی ہر طرح پر حاجیون اور زائرون کی خدمت مین لگے رہتے تھے، خدا جانے کتنے لوگون کے کام ان کے ذریعہ سے نکلتے تھے، حیدر آباد کے وکیل مولوی ابو الخیر خیر اللہ صاحب جو سچ کے صفحات مین کبھی کبھی جلوہ گر ہوچکے ہین، اور فیض آباد کے منشی محمود عالم صاحب سے، جن سے بہت قدیم خاندانی تعلقات ہین، بارہا ملاقاتین ہوتی رہین، زیادہ ملنے جلنے کی یہان فرصت کسے تھی، ہر شخص اپنے اپنے مشاغل مین مست تھا، پھر بھی بشریت سے منزہ تو کوئی ہو نہین گیا تھا، ملاقاتین بھی ہوتین اور دعوتین بھی، آپس کے لوگ ہنستے بھی اور بولتے بھی، بعض خوش نصیبون کی موت بھی اس پاک سرزمین پر آتے دیکھی، اعجاز کے

لائے جاتے، اور مسجد نبویؐ کے اندر محراب عثمانی کے سامنے نماز پڑھائی جاتی، اور روضۂ اقدس کے سامنے سے، اور کبھی پشت سے "روضۂ جنت" کے اندر ہوتے ہوئے، باب جبرئیل سے میت کو باہر لاتے، اور بقیع میں لیجاکر سپردِ خاک کر آتے، اللہ اللہ! ان مردون پر کتنے زندون کو رشک نہ آئیگا! مدینہ کی موت، مسجد نبویؐ کے اندر نماز جنازہ، رسول کریمؐ کے ہموطنون اور ہمسایون کی دعائے مغفرت، شافع امتؐ کے مواجہہ مبارک یا سرہانے سے میت کا گذرنا، بقیع کا قبرستان، جس کے لئے اتنے سامان رحمت جمع ہوجائیں، اس پر کیونکر رشک نہ آئے! بیچارہ فرنگی، ایمان کی لذت و حلاوت سے ناآشنا اپنی جان پر ہر وقت جان دیتا رہتا ہی، اسے کیا خبر کہ اس ناسوتی زندگی سے بڑھکر بھی کوئی زندگی ہی، اقبال کا یہ شعر بھولتا نہیں، رہ رہ کر یاد آتا ہی، ؎

دین اور کو حضور یہ پیغام زندگی، ہم موت ڈھونڈتے ہین زمین حجاز مین!

مدینہ پاک سارے حجاز کا طرز معاشرت، ظاہر ہی کہ ہندوستان سے مختلف ہی لیکن ایسا مختلف نہیں، کہ دل کو اس سے وحشت ہو، یا زیادہ نامانوس معلوم ہو، بس ایسا ہی اختلاف ہی، جیسا خود ہندوستان کے مختلف صوبون، بلکہ ایک ہی صوبہ کے دور دراز شہرون کے درمیان پایا جاتا ہی، زبانِ اردو بقدر ضرورت، اچھی خاصی سمجھ لیجاتی ہی، اگر عربی بولنے پر قدرت ہو تو سبحان اللہ ورنہ کوئی ضروری کام خالی اردو جاننے والون کا بھی اٹکا نہیں رہتا، مدینہ کا موسم بھی کچھ ایسا سخت نہیں، اپریل اور آغاز مئی کا تجربہ ہی، گرمی سخت اور دھوپ تیز تھی لیکن ہم یوپی کے لوگون کو تو کوئی غیر معمولی شدت نہیں محسوس ہوئی، درمیان میں بارش کئی بار ہوئی، راتین عموماً ٹھنڈی اور خوشگوار رہی تھیں، اور بارش کے زمانہ میں تو اچھی خاصی سردی پڑی، ایسی کہ جو لوگ کافی سامان سرمائی نہیں رکھتے تھے، انھیں تکلیف اٹھانی پڑی، راتون کو کمرہ کے اندر بھی دولائی یا کمل کی ضرورت پڑ گئی،

آب وہوا بہت اچھی ہی، اور کوئی شخص اگر خود ہی بدپرہیزیان اور بے احتیاطیان نہ شروع کر دے تو بیمار پڑنے کی کوئی وجہ نہین، ہمارے قافلہ کے اکثر لوگ بیمار پڑے لیکن جلد اچھے ہو گئے، مکانات عموماً صحن سے خالی ہوتے ہین، مگر اسکی تلافی بالاخانہ کی کھڑکیون اور کھلی ہوئی چھتون سے ہو جاتی ہے، اکثر مکانات مین ٹھنڈے تہخانے بھی ہوتے ہین، ہترون کی کوئی قوم یہان آباد نہین اس لئے مکانات مین کنوئین کی طرح گہرے گڈھے ہوتے ہین، وہی پاخانہ کی سنڈاس کا کام دیتے ہین، ضروری ہی کہ فنائل وغیرہ بدبو مارنے والی دوائین اکثر چھڑکی جاتی رہین، قیام اگر دو ہی چار روز کا ہی، تو ہر مکان مین گذر ہو جائیگی لیکن اگر کچھ زیادہ روز حاضر رہنے کا ارادہ ہو، اور خصوصاً جبکہ بیوی بچّے بھی ہمراہ ہون، چاہئے، کہ مکان تلاش کر کے اپنی پسند اور کل ضرورتون کے مطابق لیا جائے، اسمین بے پروائی، کنجوسی کو نہ دخل دیا جائے اگر مکان تکلیف دہ ہوا، تو قلب کو تشویش رہیگی اور یکسوئی نصیب نہ ہوگی، بشری ضرورتون اور آسائشون کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو جانا اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہی، ہر شخص کو اپنے متعلق یہ حسن ظن نہ قائم کر لینا چاہئے، بعض مکانات بہت ہی شاندار اور کوٹھیان دیکھنے مین آئے، ایکمرتبہ ضرورتاً شیخ عبداللہ الفضل (بمبئی والے) کی قیامگاہ پر جانا ہوا، بڑا لق و دق احاطہ اور کھجورون کا باغ نہایت وسیع شاداب، درمیان مین ہندوستان کے رئیسون کیطرح ایک بلند کوٹھی

وطن چھوٹے ہوئے آٹھ دس ہفتے ہو چکے، مگر وطن کی یاد کچھ زیادہ نہین آئی، ہندوستان کی ڈاک یہان مہینے مین تین بار (ہر دس دس دن کے بعد) تقسیم ہوتی ہی، اور جلد سے جلد ایک مہینہ کی مدت مین وہان سے پہونچتی ہی، —— یہان کا ڈاکخانہ اپنے ارتقاء کی ابھی بالکل ابتدائی منزل مین ہی —— لفافہ پر تین آنے کا ٹکٹ لگتا ہی، بعض عزیزون اور دوستون کے خطوط آئے اور انھین پا کر دل کو خوشی بھی ہوئی، مگر ویسی خوشی نہین ہوئی جیسی ایک مسافر کو اپنے وطن سے

دو ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر، ڈیڑھ دو مہینے کے بعد، اپنے والوں کی خیریت سنکر ہوا کرتی ہی، کیا یہ قلب کی قساوت یا سنگدلی ہر؟ کیا رحمت عالم ؐ کے آستانہ پر پہونچ کر اپنے عزیز و قریب یوں ہی بھلا دیئے جاتے ہین؟ یہ صورت تو نہ تھی، اپنے والے کوئی بھی بھولے نہ تھے، والدہ ماجدہ کی خبر خیریت مین خاص طور پر دل لگا رہتا تھا، اور روضۂ جنت مین حاضری کے وقت، رحمۃ للعالمین ؐ کے واسطہ سے رب العالمین سے دعائین مانگنے کے وقت تو خاص خاص عزیزون اور دوستون کا ذکر نہین، خدا معلوم کون کون بھولے ہوئے، اور کہاں کہاں کے دور دور کے محض شناسا تک یاد پڑ جاتے تھے، البتہ دل پر ہر وقت یاد کسی کی بھی غالب نہ رہتی، اسے اگر محض سرزمین پاک کی برکت، اور جوار آستانۂ رسول ؐ کے تصرف سے تعبیر نہ کیجئے، تو اور کیا کہئے!
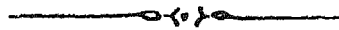
باب ۱۸

چل چلاؤ،

دن گذرتے دیر نہین لگتی، دیکھتے دیکھتے روانگی کا زمانہ آن لگا ——— اور یہ تو خیر چند ہفتون کا زمانہ تھا، جلد کٹنے والا تھا ہی، ساری ساری عمرین ایسی ہی تیزی اور روانی کے ساتھ گذر جاتی ہین، اور پتہ بھی نہین چلنے پاتا، کہ بچپن کے کھیل کب کھیلے، جوانی کی نیند کب سوئے، اور ضعیفی کے گوشۂ تنہائی مین کب بیٹھے! ———

ایکدن وہ تھا، کہ مدینہ آنے کی آرزوئین تھین، کیسے کیسے منصوبے باندھے جارہے تھے، کیا کیا خیالی پلاؤ پک رہے تھے، ذوق وشوق کی کیسی کیسی امنگین دل مین اٹھ رہی تھین، کیا کیا حوصلے تھے، کیا کیا ولولے تھے، سینے مین کیا کیا تمنائین تھین، لب پر کیا کیا دعائین تھین! اور ایک دن یہ آگیا، گویا (اور گویا کیا اپنے وقت ہی پر، لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آگیا) کہ چل چلاؤ کی تیاریان ہو رہی ہین، بستر لپیٹے جارہے ہین، سامان باندھا جارہا ہے، سواریون کی فکر ہے، اور ایک ایک سے مل کر زبان پر الوداع والفراق!

آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

غفلت وشامت نے یہان بھی ساتھ نہ چھوڑا! اور وقت کی جو بے بہا دولت

اتنی تمناؤن اور آرزوون کے بعد نصیب مین آئی تھی، وہ اس بے پروائی اور زبیدردی کے ساتھ ضایع کی گئی، کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مسرف بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے!

چو پرسش گنہم روز حشر خواہد بود،
تسکات گناہان خلق پارہ کنند!

بہر حال جو کچھ ہونا تھا، ہو کر رہا، تسکین و تسلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہے تو صرف یہ کہ دربار رحمۃ للعالمین کا تھا، اور سابقہ اُس سے پڑنے والا ہی جو رحمٰن رحیم ہے!

عصیان ما و رحمت پروردگار ما
این را نہایتے ست نہ آن را نہایتے!

مدینہ منورہ کا بڑا تحفہ یہان کی کھجورین ہین، قافلہ کے ہر شخص نے ان کی ایک ایک اچھی خاصی مقدار وطن کے عزیزون اور دوستون کے واسطے خرید کی اور نیت کسی کی بھی نہ بھری، ٹین کے ایک کنستر مین تقریباً ۱۳ سیر کھجورین آتی ہین، محض بار برداری کی دقتون کے خیال سے ایک ایک دو دو ٹین کے کنستر بھر کر ہر شخص نے لین، ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا، کہ اتنی مقدارین لیجیے، کہ کھانے والون اور دیکھنے والون سب کا جی بھر جائے، بعض صاحبون نے جانمازین، رومال، عبائین، تسبیحین، خاک شفا کی ٹکیان، روضۂ انور کی جلی ہوئی موم بتیان، اور ہر طرح کے تبرکات بھی خرید کئے، جانمازین مدینہ کیا معنی حجاز بھر مین کہین کی بھی بنی ہوئی نہین ہوتین، نہ انکا کپڑا حجازی، نہ کپڑے کا سوت حجازی، نہ سوت کاتنے والے

حجازی، نہ جانماز بنانے والے حجازی، سب کی سب فرنگی کارخانوں کی بنی ہوئی، عبائیں بھی عموماً باہر کی بنی ہوئی ملتی ہیں، تلاش سے عراق و شام کی بھی ملجاتی ہیں، لیکن بہرحال مدینہ کے بازاروں کی ہوا تو انھیں لگ ہی چکتی ہے اور خوش عقیدگی کی آنکھ میں محبوب بنا دینے کے لئے اس قدر نسبت بھی بس ہے، یہ سارا سامان، اور زائد سامان، سب کئی دن قبل سے اونٹوں پر لاد کر جدہ، اپنے وکیل کے ہاں بھجوا دیا گیا، اور یہ سارا انتظام مولانا سید احمد کے معرفت بسہولت و بکفایت ہوگیا، ورنہ موٹر پر اپنے ہمراہ یہ سارا سامان لاد کر لیجلنا بڑی زحمت کا باعث تھا، اتنے بوجھ کے لئے مستقل لاریاں الگ کرنی پڑتیں، اور خدا جانے کتنا صرف کرنا پڑتا، مکہ معظمہ میں قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے ساتھ کے لئے صرف بالکل ضروری سامان رکھا گیا، اور باقی سب سامان اونٹوں پر جدہ روانہ کردیا گیا،

چلنے سے قبل ایک فکر یہ ہوئی کہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنا کہاں ہوگا، گرمی کی شدت حاجیوں کا ہجوم عظیم، بوڑھوں کمزوروں اور عورتوں کا ساتھ، فکر صرف یہی نہ تھی، کہ ٹھہرنا کہاں ہوگا، بلکہ یہ تھی، کہ آرام و آسایش کے ساتھ کہاں ٹھہرنے کو ملے گا، اللہ کے گھر جارہے تھے، اللہ کے حکم سے اللہ کے مہمان ہو رہے تھے، چاہیے یہ تھا کہ مہمانداری کی ساری فکریں صاحب خانہ اور میزبان ہی پر چھوڑ کر، خود بالکل بے فکر رہتے، لیکن ایسا صرف اللہ والے ہی کر سکتے ہیں، زبان سے کہدینا آسان ہے، لیکن عمل ہم جیسے آرام طلب، تن پرور، اور پست ہمت دنیا طلبوں کے لئے ممکن نہ تھا، حاجیوں کے اتارنے اور ٹھہرانے کی ذمہ داری، ضابطہ سے معلم کے سر

ہوتی ہی، لیکن بہ نظر احتیاط مناسب یہ معلوم ہوا، کہ سلم سے بے نیاز نہ ہو کہ بھی کوئی معقول انتظام قیام کا ہو رہے، مکہ کا مدرسہ صولتیہ مشہور مدرسہ ہی، مولانا رحمۃ اللہ ہندی مہاجر کا قائم کیا ہوا، اس کے مہتمم مولانا محمد سعید صاحب ہم لوگون کے ہندوستان سے چلتے وقت اپنے وطن کیرانہ ضلع مظفر نگر، مین تھے، انھون نے ایک تعارف نامہ اپنے صاحبزادہ اور قائم مقام مولوی محمد سلیم صاحب کے نام دیدیا تھا، وہ تعارف نامہ اپنے خط کے ہمراہ مدینہ سے مولوی صاحب موصوف کے نام روانہ کر دیا گیا، ڈاک کی واپسی کے ساتھ ہی جواب آیا، ایک ایک لفظ اخلاق و اخلاص شوق و اشتیاق مین ڈوبا ہوا، لکھا تھا کہ مدرسہ کی جدید و وسیع عمارت مین متعدد کمرے بہ مسرت تمام خالی رہین گے، لوگ کہتے ہین، کہ مکہ مین رہکر اخلاق مین خشکی اور خشونت آجاتی ہی، لیکن اگر اس کا نمونہ مولوی سلیم صاحب کی تحریر کو قرار دیا جائے، تو خدا کرے، ایسی خشکی اور خشونت سب کو نصیب ہو، سرکار نظام کی طرف سے بھی تین رباطین مکہ معظمہ مین ہین، مولانا شروانی اور اختر مینائی صاحب کی عنایت سے ان کے مہتمم داروغہ حبیب اللہ صاحب کے نام بھی خطوط مل گئے تھے، ان انتظامات کے بعد قیام کی طرف سے دل مطمئن ہو لیا تھا،

مدینہ سے واپسی کے وقت ایک بڑا اہم مرحلہ سواریون کے دستیاب ہونے کا ہوتا ہی، خصوصاً اس وقت جبکہ زمانہ حج قریب آجائے، اونٹ ہون خواہ موٹر، دونو کی فراہمی مین بڑی دشواریان پیش آتی ہین، اور اپنی پسند کے لائق اچھی سواری کا بہم پہونچ جانا تو محض ایک خداداد قسمت ہی، اتنے بڑے ہجوم مین قابل اطمینان انتظام قائم رہنا آسان ہی بھی نہین، کئی کئی دن مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہی، جب کہین جا کر سواری کا ٹھیک ہوتا ہی، اور بڑے بڑے پختہ وعدے بار بار ٹوٹ لیتے

ہیں، جب جا کر روانگی کی نوبت آتی ہے، بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حج ایک عبادت
عشقیہ ہے، اس کے تمام ارکان و اعمال میں عاشقوں اور دیوانوں کے سے کام کرنا
پڑتے ہیں، یہ اگر صحیح ہے، تو اس کے آثار اس سفر کے ہر جزو میں
ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ارادہ کو توڑنے والے، اور خودی کو مٹانے والے سبق قدم
قدم پر ملتے رہتے ہیں، اون کو اپنے اوقات کی خوش نظمی اور اپنے پروگرام کی پابندگی
پر بھروسہ رہتا ہے، انھیں اپنے نظام اوقات کو بار بار بدلتے رہنے پر مجبور ہو جانا
پڑتا ہے، اللہ کے گھر کا سفر اللہ ہی کے ارادہ کے مطابق طے ہوتا ہے، اور بندہ کو ہر ہر
لمحہ یاد دلایا جاتا رہتا ہے کہ کم سے کم اتنی دیر کے لئے تو اپنے ارادہ کو معطل کر کے
اپنی بندگی، بیچارگی، اور بے بسی کو محسوس کرنا سیکھے! اونٹوں کے متعلق تو کوئی ذاتی
تجربہ حاصل نہیں ہوا، یہ "جگ بیتی" صرف سنتے ہی رہے، البتہ موٹروں کے سلسلے
میں "جگ بیتی" بھی گذری اور "آپ بیتی" بھی، جدہ میں جتنی موٹر کمپنیاں مدینہ منورہ
کے لئے ہیں، سب کے چھوٹے چھوٹے دفتر مدینہ میں بھی موجود ہیں، اور تار، ٹیلیفون
کے ذریعہ سے جدہ اور مدینہ برابر ہمکلام رہا کرتے ہیں، ہم نے جدہ سے چو لاریاں کی
تھیں، ایک مہینے کے لئے کی تھیں، اور حسب قاعدہ پورا کرایہ پیشگی دے چکے تھے،
پہلی ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے، ذیقعدہ کے آخری ہفتہ کی ابھی ابتدائی تاریخیں
تھیں، کہ بعض رفیقوں نے چلنے کی عجلت شروع کی، انکا کہنا تھا، اور یہ کہنا واجبی
تھا، کہ عین وقت کے وقت مکہ پہنچنے سے حج میں بے لطفی رہے گی!

ماہ ذیقعدہ کا وسط گذرا، ۲۰ تاریخ گذری، ۲۲ گذری، ۲۵ گذری، سیکڑوں

ہزاروں حاجی روانہ ہو گئے، اور پچاسوں اور سیکڑوں ہر صبح اور شام روانہ ہونے لگے، دل خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بیتاب تھا، اور کون بدبخت ایسا ہوگا جو ہر روز کعبہ کی طرف پانچ پانچ مرتبہ جھکے اور سجدہ کرے، اور اس کی زیارت وطواف کا ارمان دل میں نہ رکھتا ہو، لیکن آستانِ رسالتؐ سے جدائی بھی ایسی شے نہ تھی جسے آسانی سے گوارا کر لیا جاتا، دن گذرتے گئے، تاریخیں ٹلتی گئیں، یہاں تک کہ ذیقعدہ کی بالکل آخری تاریخیں آگئیں، اور اب تو بہرحال روانگی کی فکر کرنی ہی پڑی، حرمین موٹر کمپنی کے دفتر میں کئی روز قبل سے اطلاع کردی تھی، کہ یکم ذی الحجہ تک لاریاں ضرور مل جائیں، اور اس کا پختہ وعدہ بھی ہو چکا تھا، لیکن پہلی تاریخ آگئی، اور لاریاں نہ آئیں، ۲؍ ذی الحجہ کو مسجد قبا جانا ہوا تھا، اتفاق سے وہیں شیخ عبداللہ الفضل (بمبئی والے) اپنے حشم و خدم کے آگئے، اور ہمارے خود ہی اخلاق و محبت سے بڑھکر ملے، علاوہ اور مشغلوں سے ذی اختیار ہونے کے، حرمین کمپنی کے مالکوں میں بھی ہیں، ان سے ذکر آیا، کہ سواری ملنے میں دقت ہو رہی ہے، اسی وقت اپنے کسی سکریٹری کو حکم دیا کہ سواری کا انتظام فوراً کیا جائے، اس کے باوجود بھی پہلی کو سواری نہ ملی! مجبوراً الفضل صاحب کے مکان پر جاکر پھر کہنا پڑا، کمپنی کے منیجر، علی کے نام اسی وقت خط لکھدیا، اس خط کے باوجود بھی کامیابی فوراً نہیں ہوئی، صبح وعدہ ہوتا تھا کہ دوپہر کو لاری مل جائیگی، دوپہر کو شام کا وعدہ ہوتا تھا، اور شام کے وقت پھر صبح کا حوالہ دیدیا جاتا تھا، پہلی گذری دوسری گذری، تیسری کی صبح ہوئی، آٹھ اور نو بجے کے درمیان ہمارے مزور کے بھتیجے شیخ حسینی نے آکر خوشخبری سنائی، کہ "لاری اسٹیشن پر ملیگی، فوراً روانہ ہو" جلدی جلدی جس طرح بن پڑا، سامان باندھا، غسل کیا، احرام باندھا، مسجد نبویؐ اور روضۂ انور کے

رخصت ہوئے اور کوئی گیارہ بجے تک سارا قافلہ اعرابیون پر سوار اسٹیشن پہونچ گیا،
اسٹیشن پہونچے تو یہاں کا منظر ہی دوسرا تھا، ایک انار و صد بیمار، کانون سے سنا تھا
ایک لاری و صد سوار، آنکھون سے دیکھا، ایک نفسی نفسی کا عالم، وہ ہجوم وہ کشمکش کہ میدان
حشر کا بھولا ہوا نقشہ آنکھون کے سامنے!

لئے تین تین لاریان ملی تھین، دو پر سواریان سوار ہوئی تھین، ایک خالی بہ نظر احتیاط
ہمراہ تھی، اور اسی پر سامان بھی لاد دیا گیا تھا آج تین لارین کا تو خیال بھی نہین
آسکتا تھا، دو کے ملنے کی بھی کوئی توقع نہین! ادھر کوئی لاری آتی ہوئی دکھائی
دی، اور ادھر بغیر اس خیال کے کہ لاری کس کمپنی کی ہی، اور کس کے لئے لائی گئی ہی،
ہجوم بے تحاشا اس پر حملہ آور ہوتا، بدزبانی اور دھکّے تو معمولی بات تھے، نوبت اس سے
بڑھ کر بھی آجاتی تھی، ہمارے لئے ایک لاری آئی، اور اس کے ساتھ بھی یہی ماجرا پیش
آیا، عجمیون کا ایک دستہ بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑا، ہم لوگ تو کیا مقابلہ کرسکتے تھے لیکن
حنیفی صاحب نے ماشاء اللہ لاری پر سوار ہو کر پوری قوت سے مقابلہ کیا، اور گو اس
معرکے مین اتنے زخمی ہوئے، کہ ہاتھ سے خون جاری ہوگیا، لیکن سعودی پولیس کے
ہنٹرون کی اعانت سے بالآخر کامیاب رہے، غرض ایک لاری پر جون تون قبضہ ہوا،
لیکن اس کے بعد اب دوسری لاری عنقا تھی! گھنٹہ، دو گھنٹہ، چار گھنٹہ، دوپہر سے
سہ پہر، اور سہ پہر سے شام ہوگئی، ظہر کے بعد عصر، اور عصر کے بعد مغرب کی نماز بھی ختم
ہوگئی، لیکن دوسری لاری کا انتظار ختم نہین ہوا! گویا مدینہ سے رخصت ہو کر پھر بھی مدینہ
ہی مین ہین، مسجد نبوی یہان سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہی، گنبد خضرا تو دکھائی

نہین دیتا، البتہ مسجد مبارک کے مینار نظر آرہے ہین، اور دور ہی سے دل کو تسلی دیرہے ہین، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نگاہ اُن کی طرف بیاختہ اُٹھ جاتی ہو! عشا کی نماز کے بعد ہمین میدان مین بستر لگا لئے گئے، ایک میلہ کی سی کیفیت ہو، عراقی، خراسانی ہندی، مصری، سیکڑون پردیسی یہان سے وہان تک بستر جمائے لیٹے ہین ۴ ۔ ذی الحجہ کی صبح ہوئی، اور صبح سے پھر انتظار شروع ہوا، نو دس بجے کے قریب خدا خدا کرکے دوسری لاری ملی، مگر اس کے شوفر صاحب غائب تھے! گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد وہ تشریف لائے، تو اب ضابطہ کی کارروائیان شروع ہوئین! خلاصہ یہ کہ عین دوپہر کو ٹھیک نماز ظہر کی اذان کے وقت لاریون کو روانگی کی اجازت ملی، اور شہر مدینۂ پاک کے پھاٹک سے قدم باہر ہوئے،

ذیقعدہ کی پہلی تھی، جب اسی پھاٹک سے اس نور و برکت والے شہر مین داخل ہوئے تھے، ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پھاٹک سے، اسی رحمت و مغفرت والے شہر سے باہر نکلے، جہان ایک دن کا بھی قیام اگر میسر آجائے، تو تقدیر کی یاوری، اور ابرار و متقین کی نصیبہ وری ہی، وہان ایک دن نہین، دو دن نہین، اکٹھا ۳۳ دن کی حاضری ایک تباہ کار نامۂ سیاہ کو نصیب ہو گئی! شانِ کریمی کے بھی عجیب عجیب انداز ہین، جس مفلس کو چاہین، دم بھر مین مالامال کر دین، جس تہی دامن کو چاہین، ایک پل مین نواز دینا جس ریگستان کو چاہین آن کی آن مین گلزار بنا دین، جس آتشکدہ کو چاہین چشم زدن مین پھول کھلا دین! نہ کریم کا دستِ کرم کوتاہ ہونے والا ہی، نہ بخششون کا خزانہ کبھی خالی ہونیوالا ہی!

اے مبدل کردہ خاکے رابہ زر | خاک دیگر رانمودہ بو البشر
کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا | کارِ ما سہوست ونسیان و خطا
اے کہ خاک شورہ را تو نان کنی | وے کہ نانِ مردہ را تو جان کنی
اے کہ جانِ خیرہ را رہبر کنی | وے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

یہ داستانِ درد اس وقت نہ سنئیے، کہ وقت کی یہ بیش بہا گھڑیاں ضائع کس بیدردی کے ساتھ ہوئین، سوال اس وقت یہ نہین، کہ اپنے سے کیا بن پڑا، بلکہ صرف یہ ہے کہ اُدھر سے کیا کیا نوازشین اور کیسی کیسی سرفرازیاں ہوتی رہین! یہ نعمت کچھ کم ہی کہ حضور کی توفیق اتنے عرصہ تک نصیب کردی گئی! عصرِ حاضرہ کے شیخ المشایخ حضرت حاجی امداد اللہؒ سے ایک مرید نے شکایت کی، کہ طایف مین چلہ باندھکر روزانہ سوالاکھ مرتبہ اسم ذات کا ذکر کرتا رہا، اور کچھ ثمرات و انوار ظاہر نہ ہوئے، حضرتؒ نے جواب مین ارشاد فرمایا، کہ" ارے میاں، یہ دولت کچھ کم ہا تھ رہی، کہ چالیس دن تک اللہ پاک کا نام سوالاکھ مرتبہ روزانہ زبان سے نکلتا رہا!" بہرحال جو کچھ ہوا، وہ اپنے حوصلہ اور مرتبہ سے کہین بڑھکر!

اعتراف ہے کہ آنکھوں نے جس مدینہ کو دیکھا، وہ بیسوین صدی عیسوی کا مدینہ تھا، پہلی صدی عیسوی کے ربع اول کا مدینہ نہ تھا، سید المرسلینؐ کا مدینہ نہ تھا، صدیقؓ و فاروقؓ، عثمانؓ و علیؓ کا مدینہ نہ تھا، صحابہ و تابعین کا مدینہ نہ تھا، مجتہدین و ائمہ تصوف کا بھی مدینہ نہ تھا —— خزان مین موسم گل کی توقعات ہی کسی چمن سے کیون قائم کی جائین؟ —— لیکن بااینہمہ مدینہ پھر بھی مدینہ تھا، آج نہ سہی، کبھی تو

اللہ کے پیارے اور اُس پیارے کے پیارون کا شہرہ چکا ہی، اس دور یا جو جیت مین بھر
اگر کہین کوئی جگہ بھی پناہ کی ہی، تو بجز اس آستان پاک کے اور کہان ہی؟ آج رخصتی
اس دربار سے تھی! آج کوچ اس جنت ارضی سے تھا! آج فراق اس دیارِ حبیب کے گلی
کوچون سے ہو رہا تھا! آدمؑ جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہین، اس قصہ سے سب
واقف ہین، لیکن ابن آدمؑ کو جب فخرِ آدمؑ و فخرِ نسل آدمؑ کی گلیون کو چھوڑنا پڑتا ہی، تو
اس وقت اس کے دل پر کیا گذرتی ہی، یہ داستان کون سنائے، اور کس کو سنائے؟

باب ۱۹

احرام پوشی،

ذی الحجہ کی تیسری تاریخ یکشنبہ کا دن تھا صبح کے آٹھ بج چکے تھے، کہ مزور کے یہان سے اطلاع ملی کہ سواری کا انتظام ہو گیا، فوراً روانہ ہو جاؤ، کیا بیان ہو، کہ اس وقت دل کی حالت کیا تھی! ایک طرف یہ احساس، کہ مدینہ سے جدا ہونے کی آستانِ رسولؐ سے دور ہونے کی گھڑی آگئی، دوسری طرف یہ فکر کہ اب چلنے مین اگر کچھ بھی تاخیر کی، تو حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ، ٹھہرنے کی تو اب کوئی صورت ممکن نہین، لیکن چلنے پر بھی دل کو ذوق و شوق کے ساتھ کیونکر آمادہ کر لیا جائے؟ پھر مزور کی طرف سے باربار جلدی کی تاکید، اور یہ دھمکی کہ چند لمحون کی دیر مین بھی ممکن ہو کہ سواری پر کوئی دوسرا قبضہ کرے، اور اپنے ہاتھ سے چھن جائے! بہرحال جس طرح بھی بن پڑا، جلدی جلدی اسباب باندھا جون تون غسل کیا کپڑے اتارے، اور اُس قسم کا لباس تھرتھراتے ہوئے ہاتھون، اور کپکپاتے ہوئے دل کے ساتھ زیب تن کیا، جو زندگی کے خاتمہ پر امیر غریب، عالم و عامی، زاہد و فاسق، بڑے اور چھوٹے، ہر مسلمان کے حصہ مین آتا ہو! آج نہ ٹوپی ہو نہ عمامہ، نہ عبا ہے نہ شیروانی، نہ قمیص ہو نہ پاجامہ، صرف ایک چادر ہی، اور ایک تہ بند الباس

کی کل کائنات آج صرف یہ دو (بے) سلے ہوئے کپڑے ہین! اللہ کے دربار مین حاضری دینے والون کی یہ وردی ہی، اللہ رہی مشت خاک اور اس کے حوصلے! دیوانون کو سودا یہ ہوا ہی، کہ جو بے نشان ہی، اُس کے نشان کا کھوج لگائین گے! پاگلون کو دھن یہ سوار ہوئی ہی، جو بلا مکان ہی، اُس کے مکان کے چکر کاٹین گے! عارفون نے کہا ہی کہ مدینہ کی حقیقت یہ ہی کہ وہ مقام عبدیت ہی، اور مکہ کی حقیقت یہ ہی، کہ وہ مقام الوہیت ہی، رسولؐ مکہ سے مدینہ کو آئے تھے، اور رسولؐ کے امتی آج حج رسولؐ ہی کے اتباع مین مدینہ سے مکہ جا رہے ہین، کیا شان حکمت ہی، اور کیا حسن صنعت ہی، اللہ خود ہی اپنے بندون کو اپنے رسول صلعم تک پہونچاتا ہی، اور پھر رسولؐ ہی اللہ اور اللہ کے گھر کا راستہ دکھاتے ہین!

مدینہ سے حج کے لئے روانہ ہونے والون کا میقات (احرام باندھنے کا مقام) مدینہ نہین، ذوالحلیفہ ہے، جو مدینہ سے باہر نکلتے ہی مل جاتا ہی، بعض لوگ سمجھتے ہین کہ مسجد نبوی مین احرام باندھ لینا افضل ہی، یہ صحیح نہین، خود حضور انورؐ نے بھی حج کو جاتے وقت احرام مدینہ مین نہین بلکہ شہر سے نکلکر ذوالحلیفہ مین باندھا تھا، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے، لیکن خیال یہ ہوا، کہ قافلہ مین اتنے آدمی ہین، مرد بھی اور عورتین بھی، سب کے غسل کرنے کی جگہ، پردہ کی احتیاط کے ساتھ وہان کہان ملیگی اور پھر موٹر والے، اتنے آدمیون کو باطمینان غسل سے فارغ ہونے کی مہلت کیون دینے لگے۔ ؟ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ غسل کر کے احرام یہین سے پہن لیا جائے باقی نیت احرام ذوالحلیفہ ہی سے کیجائے گی، گویا باضابطہ احرام وہین سے بندھیگا!

نفل نماز وہین پڑھی جائیگی، اور تلبیہ وہین سے شروع ہوگا، احرام کے معنی حرام کرلینے کے ہین، اور اسے احرام اس لئے کہتے ہین کہ بہت سی چیزین جو پہلے جائز تھین اس کے بعد حرام ہوجاتی ہین، اور اُن سے رک جانا پڑتا ہی، اس لئے کوئی شخص محض جامۂ احرام پہن لینے سے محرم نہین ہوجاتا، بلکہ لازم ہی، کہ نیت بھی احرام کی رکھے، غرض جھٹ پٹ نہا دھو احرام پہن مسجد نبویؐ و روضۂ اطہر پر رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے، رخصتی کا یہ سمان بھی شاید عمر بھر یاد رہے، آستانہ کے خادمون کی حسب توفیق کچھ خدمت کی گئی، ایک ایک سے دعاے خیر کے لئے التجا کی گئی، آستانۂ پاک پر الوداعی سلام عرض کیا گیا، روضۂ جنت مین آخری بار رکوع و سجود کا فخر حاصل کیا گیا، اور مصلیٰ نبیؐ پر بیٹھکر دل مین جو کچھ تھا زبان پر آ تا رہا، اور محمدؐ کے امتی کو جو کچھ عرض کرنا تھا، محمدؐ کے رب کے حضور مین عرض کردیا گیا،

مدینہ سے رخصتی کا منظر بھی ایک خاص منظر ہوتا ہی، اگر یہ تشبیہ بالکل ہی سوء ادب اور گستاخی مین داخل نہ سمجھی جائے، تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہی، کہ گویا لڑکی ماں کے گھر سے رخصت ہورہی ہی، یہ اپنے ذہن سے گڑھکر نہین کہا گیا، ایک بیوی نے اپنی بعینہٖ یہی کیفیت بیان کی، دوسرون کے حالات تو سنے سنائے ہین، مگر اپنے قافلہ والون کا حال تو دیکھا ہوا ہی، کہ آنکھین آنسوؤن سے لبریز، لبون پر آہین، چہرے اترے ہوئے، منہ پر ہوائیان اڑتی ہوئی، بدحواس و پریشان، مغموم و منتشر، اور دل ہی کہ بھرتا چلا آرہا ہی، چلتے ہین اور پھر پیچھے مڑکر دیکھتے ہین، اور دیکھنے سے جی نہین بھرتا، جی یہی چاہتا ہی کہ یہ منظر کبھی بھی نظرون سے اوجھل نہ ہو،

بہانے ڈھونڈھتے ہین، اگر کسی نہ کسی طرح کچھ دیر اور رکنا ہو جائے! عموماً سب کا
یہی حال، کم وبیش، رہتا ہی، بعض کو غش تک کی نوبت آجاتی ہی، کانون سے سنا
بھی ہی، اور آنکھون سے دیکھا بھی ہی، لیکن ایک قسی القلب، اپنے قلب کی
قساوت کا کیا بیان کرے، اس کی حالت سب سے الگ اور سب سے مختلف رہی، ریاض جنت
مین مصلّی نبیؐ پر دعائین کرتے وقت، تو خیر، قلب مین کچھ رقت رہی بھی، لیکن
اُس کے بعد اس قسم کی ساری ہی کیفیتین غائب! رنج وصدمہ الگ رہا، سرے سے
جدائی کا احساس ہی نہین! یہ محسوس ہی نہین ہو رہا ہی کہ کسی عزیز جگہ سے بچھڑ رہے
ہین، اور دل مین بجائے ہراس و پریشانی کے ایک طرح کی طمانیت و بشاشت!
—— کریم کو کریمی کے کتنے ڈھنگ یاد ہین! کسی کے سینے مین شوق و
اشتیاق کے شعلے بھڑکائے جا رہے ہین، اور کسی کو تسکین و تسلی کی تھپکیان
دیجا رہی ہین!

مدینہ آتے وقت، تین لاریان قبضہ مین تھین، ابکی صرف دو ہی ملین مجبوراً
انھین دو پر سامان اور سواریون کو تقسیم کرنا پڑا، سامان ہر چند بہت کچھ اونٹون
پر روانہ کر دیا تھا، پھر بھی جتنا ساتھ رہ گیا تھا، بہت تھا، اور سامان کی زیادتی یون
تو ہر موقع پر مشکلات ثابت ہوتی رہی، لیکن اس وقت خاص طور پر کھل گئی، آتے
وقت گرمی بھی ایسی زیادہ تیز نہ تھی، ۹، ۱۰ اپریل تھی، اب موسم بھی اپنے شباب پر
آچکا تھا، مئی کی ۱۴ تاریخ تھی، پھر سفر بھی ٹھیک دوپہر کے وقت شروع ہوا،
اور سب سے بڑھکر یہ کہ آتے ہوئے مین جو دونون لاریان ۱۳-۱۳ سواریون کیلئے

تھین، اُن مین سے ایک پر ہم کل دس آدمی تھے، اور دوسری پر گیارہ، یہ عبدالرحمٰن الفضل صاحب کی خاص عنایت تھی، اکی مرتبہ اس شدت ہجوم مین، اس عنایت وعنایت کی کوئی گنجایش نہ تھی، شیخ عبداللہ الفضل بیچارہ نے اسی رعایت کی گنجایش ابکی بار بھی کی لیکن کمپنی کے مقامی منیجر علی نے کمپنی کے مالک کی بھی پروانہ کی اور ہماری لاریون مین پانچ اجنبیون کو (جو غالبًا یمنی تھے) زبردستی بٹھاکر ۲۶ کی تعداد پوری کردی! "صبر وشکر" نہ سہی، خالی "صبر" کرنا ہی پڑا، اور اس کے سوا چارہ کیا تھا؟ ـــــــ سرکش اور ناشکر گزار بندہ، اللہ کے گھر کی حاضری کے لئے چلا ہی، انانیت اور راحت طلبی وتن پروری پھر بھی زندہ! کاش آج تو چند گھڑی کے لئے اپنی عبدیت، اپنی بندگی کا احساس ہو گیا ہوتا! ـــــــ ۴ر ذی الحجہ یوم دوشنبہ کو عین اذان ظہر کے وقت مدینہ منورہ سے نکلے، اور موٹر کے لئے چھ سات میل کا فاصلہ ہی کیا، دم کے دم مین ذوالحلیفہ پہونچ گئے، جو اہل مدینہ کیلئے میقات یعنی احرام باندھنے کا مقام ہے، عام زبانون پر اس مقام کا نام بیر علی ہے، علی سے امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰؓ مراد نہین، کوئی اور صاحب اس نام کے ہوئے ہین، حضور انورؐ نے یہین سے حج کا احرام باندھا تھا، ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے، اور ایک کنوان، اور پانی اور چاے کی ایک آدھ چھوٹی سی دوکان بھی ہی، بس کل اس قدر آبادی ہی، یہ وہ مقام ہی، جہان ہزارہا حاجی احرام باندھتے ہین، اگر یہان سَو دوسَو غسلخانے، زنانہ ومردانہ، پانی کے نل کے ساتھ تعمیر کردیئے گئے ہوتے، تو حاجیون کو کتنی آسایش ہوجاتی؟ اور کتنے، اللہ کے بندون کی زبان ہی سے نہین، دل سے دعائین نکلتین؟

اور حکومت ہرگز زیر بار نہ ہوجاتی،

احرام محض ایک خاص وضع کے کپڑے پہن لینے کا نام نہین، اس کے بعد سب جائز چیزون سے رُک جانا لازمی ہی، مثلاً منہ اور سر کو ڈھانپنا (عورت کے لئے صرف منہ کا ڈھانپنا) سلے ہوئے کپڑے پہننا، بدزبانی کرنا، فحش چیزون کی جانب اشارہ کرنا، جانورون کا شکار کرنا، خط بنوانا، ناخن ترشوانا، عطر اور تیل لگانا، وغیرہ، احرام ایک طرح کا کفن ہوتا ہی، مُردون کا لباس پہن لینے کے بعد، حیات ہی، اگر انسان اس حد تک بھی اپنے نفس کو مردہ نہ کرلے! اسی احرام کے ساتھ نیتِ احرام بھی ضروری ہی، طریق مسنون یہ ہی کہ پہلے غسل کیا جائے، یا اگر اس مین دشواری ہو تو وضو کافی ہی، اس کے بعد چادر اور تہمد پہنکر دو رکعت نماز ادا کرے، اور افضل یہ ہی کہ پہلی رکعت مین سورۂ کافرون اور دوسری مین سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ احد) اس کے بعد جانماز پر بیٹھے بیٹھے ہوئے حج، یا عمرہ، یا دونون کی نیت اپنے دل مین کرے اور الفاظ ذیل زبان سے بھی ادا کرے، اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی، واعنی علیہ، وبارک لی فیہ نویت الحج واحرمت بہ للہ تعالیٰ، یہ الفاظ دعاے احرام حج کے ہین، اگر نیت عمرہ کی یا عمرہ و حج دونون کی کی ہی، تو دعا کے الفاظ مین بھی اسی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا تغیر ہوجائیگا، نیت احرام کی کئی صورتین ممکن ہین، ایک یہ کہ محض حج کی نیت کیجائے، دوسرے یہ کہ محض عمرہ کی نیت کیجائے، تیسرے یہ کہ حج اور عمرہ دونون کی نیت کیجائے، تمتع

گویا چھوٹا حج ہی جو سال بھرمین جب (بجز پانچ دنون کے) اور جتنی بار جی چاہی، ادا کیا جاسکتا ہی، اس کے ضروری ارکان صرف اس قدر ہین، کہ احرام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرلیجائے، بخلاف اس کے حج سال مین صرف ایک ہی مرتبہ مخصوص وقت پر ہوسکتا ہی، اور اسمین علاوہ دوسرے سنن، مستحبات، و واجبات کے، احرام کے ساتھ عرفات مین حاضری اور اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف لازمی ہی، امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ بھی حج ہی کی طرح فرض ہی، حنفیہ کے ہان فرض نہین، البتہ ایک اہم سنت کا درجہ رکھتا ہی،

جو لوگ حج و عمرہ دونون ادا کرنا چاہتے ہین اُنکے لئے یہی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج دونون ادا کئے جائین یعنی عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اتارا نہ جائے، اور حج اسی احرام سے ادا کیا جائے، دوسری صورت یہ ہی کہ عمرہ سے فراغت کرکے احرام اتار دیا جائے، اور جو چیزین حالت احرام مین منع ہین وہ جائز ہوجائین، اور اس کے بعد حج کے لئے از سر نو احرام باندھا جائے، پہلی صورت کو فقہاء، قران کہتے ہین، اور دوسری کا اصطلاحی نام تمتع ہی، اور یہ نام غالباً اسی لئے رکھا گیا کہ تمتع کرنے والا احرام عمرہ اور احرام حج کے درمیان، اُن چیزون سے جو حالت احرام مین ممنوع ہین، متمتع ہوسکتا ہی، قران و تمتع یہ دونون صورتین محمود ہین، البتہ اس مین اختلاف ہی کہ ان دونون مین نسبتہً افضل و اشرف کون سی ہی امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک قران افضل ہی، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تمتع کو افضلیت ہی، ہم لوگون کے لئے قران و تمتع

مین عملاً کچھ زیادہ فرق نہ تھا، اس لئے کہ ۸ ذی الحج کی دوپہر ہو چکی تھی، تمتع کے معنی یہ تھے کہ ۸ کی شام تک مکہ معظمہ پہونچکر طواف وسعی سے فراغت کر کے شب مین احرام اتار دیا جائے، اور ۹ کی صبح سے حج کے لئے پھر باندھ لیا جائے، اور قران کی صورت مین احرام مسلسل بندھا رہتا، صرف ایک دن یعنی ۸ ذی الحج کا فرق دونون صورتون کے درمیان پڑتا تھا، ہمارے قافلہ مین جتنے صاحب ہمت مرد اور عورتین تھین، اُنھون نے مولانا مناظر صاحب کی رہنمائی مین قران کی نیت کی، لیکن مجھ جیسے کم ہمت کے لئے احرام کی پابندیون سے ایک دن کی بھی فرصت ملجانا غنیمت تھا، اس لئے مین نے تمتع ہی کی نیت کی، اور دو چار شخص میرے ساتھ کے لئے بھی آمادہ ہوگئے،

مولوی مناظر صاحب کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہر موقع پر فضیلت و استحباب کی دولتون سے سرافراز رکھا، وہ غسل کے بعد، اور ہم لوگ تازہ وضو کے بعد، مسجد مین داخل ہوئے، پہلے نمازِ ظہر ادا کی، اس کے بعد احرام حج وعمرہ کی نیت کی دو رکعت نماز پڑھی، اور زبان پر دعا کے وہ الفاظ آگئے جو اوپر درج ہوئے ہین، لیجئے اب پورے محرم ہوگئے، اور تلبیہ اسی وقت سے شروع ہوگیا، غلام، غلامون کی مخصوص وردی مین ملبوس ہوکر اپنے آقا کے مکان کی طرف چلے اور قدم قدم پر آقا کو، آقا ہی کے تعلیم کئے ہوئے لفظون مین، پکارتے بھی چلے!

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک، تلبیہ کے یہ الفاظ مسنون و ماثور ہین، امام شافعیؒ کے نزدیک

کلمات اذان و تشہد کی طرح اس عبارت مین بھی کسی قسم کی کمی بیشی جائز نہین لیکن اکثر علمائے حنفیہ نے اضافۂ الفاظ کی رخصت دی ہی اور بعض جلیل القدر صحابہ سے بھی الفاظ کا اضافہ منقول ہی، اب ضروری ہوگیا کہ ہر نماز کے بعد، اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے وقت ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت، دوسری سواریون کو آتے جاتے دیکھکر، برابر انھین الفاظ مین اپنے مطلوب اور سب کے مطلوب کو پکارا جایا کرے، مرد کو بلند آواز سے کہنا چاہی، لیکن نہ اتنی بلند آواز سے کہ شور و غل سے دوسرون کو تکلیف ہو، ہر موقع پر تین بار ہو تو بہتر ہی، کافی صرف ایک مرتبہ بھی ہے،

جگ بیتی اور آپ بیتی مین بڑا فرق ہوتا ہی، ابتک دوسرون کو احرام باندھتے اور احرام باندھے ہوئے دیکھا تھا، خود احرام آج باندھا، مولوی مناظر صاحب سب نمازین پڑھا رہے ہین، دعاؤن کے الفاظ بتا رہے ہین، اور ادھر اپنا دل دھڑکتا جا رہا ہی، زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہی، اسے سب سن رہے ہین، لیکن دل کیا کہہ رہا ہی؟ دل جو کچھ کہہ رہا ہی اسے کون سنے؟ اُسے کون سن سکتا ہی؟ ہان صرف وہی ایک سن سکتا ہی، اور سنتا ہی، جو سب کی سنتا ہی، جو گونگون اور بے زبانون کی سنتا ہی، جو آوارون ناکارون کی سنتا ہی جو کمزورون اور ناتوانون کی سنتا ہی، جو بیکسون اور بیچارون کی سنتا ہی، جو نااہلون، اور نادانون کی سنتا ہی، جو محرومون اور شامت زدون کی سنتا ہی اور جو انکی سنتا ہی جنکی کوئی بھی نہین سنتا! اے سب کی سننے والے تیرے ہان محرم کا بڑا درجہ اور اونچا مرتبہ ہی، اس خدائی وردی

کو پہنکر اس کے شرائط و آداب کا بجالانا کیونکر ممکن ہوگا ؟ گناہوں سے بچنا کیسے ہو سکے گا ؟ تو نے حکم دیا ہے، لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج، ارکان حج تو شروع ہو گئے، پر اس حکم کی تعمیل پر کیسے قدرت ہوگی ؟ آنکھ کی احتیاط اور زبان کی احتیاط کس کے بس کی بات ہے؟ مزاج اور زبان پر کس طرح قابو رکھا جا سکیگا؟ جس گھر کو تو نے اپنا گھر کہکر پکارا ہے، اُس کا صحن تو تیرے نام پر آگ میں کود پڑنے والے ابراہیمؑ اور تیری راہ میں اپنے کو ذبح کرا ڈالنے والے اسمٰعیلؑ کے قابل تھا جس گھر کو تو نے پاک قرار دیا ہے، اُس کے در و دیوار کو اپنے آنکھوں اور ہونٹوں سے لگانے والے تو صرف تیرے پاک پاکیزہ نکھرے اور ستھرے بندے ہی ہو سکتے ہیں، جس گھر کی طرف تیرے حبیبؐ اور تیرے بندوں کے سردار نے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکیوں میں بیشمار سجدے کئے ہیں، اور بے گنتی اور بےحساب اپنے سر کو جھکایا ہے، اس کی چار دیواری تو صرف نور کے بنے ہوئے فرشتوں اور رحمت و مقبولیت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے صدیقین و کاملین کے طواف کے لایق تھی، وہاں آج تو کس کو باریاب کر رہا ہے؟ کس ننگ خلایق کا دماغ عرش پر پہونچا رہا ہے ؟ کس گندہ، اور ہر گندگی سے گندہ تر، بندہ کی زبان سے لبیك لبیك کہلا رہا ہے ؟ یہ بیداری ہے یا خواب ؟ اگر خواب ہے تو ہزاروں بیداریاں اِس مبارک خواب پر قربان ! اگر بیداری ہے، تو !——— کوئی حقیر و ذلیل، ناپاک مشتِ خاک اپنے جذبات کے ظاہر کرنے کے لئے لفظ و عبارت کہاں سے لائے !

باب ۲۰

جدّہ: راہِ مکہ

وتحمل اثقالکم الیٰ بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس، سورۂ نحل رکوع اول مین پروردگارِ عالم کے انعامات کے ذیل مین انعام (چوپایون) کا ذکر ہی کہ وہ تمھاری سواریون کا کام دیتے ہین، اور تمھارے بوجھ، تمھارا سامان و اسباب اس شہر تک لاد کر پہونچاتے ہین، جہان تم اپنی جانون کو مشقت مین ڈالے بغیر نہین پہونچ سکتے، آیت کی تفسیر مین ایک قول سلف سے یہ منقول ہی کہ "بلد" (شہر) سے مطلق بلد مراد نہین، بلکہ متعین شہر مکہ مراد ہی، گویا ضمناً آیۂ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ تک پہونچنا دشواریون اور سختیون کے بعد ہی ممکن ہی، پہلے کسی زمانہ مین تو آیت کے اسی مفہوم کی واضح تصدیق قدم قدم پر ہوتی رہتی تھی، لیکن اب زمانہ بہت بدل گیا ہی، اب ہر طرح کی سہولتین اور آسانیان پیدا ہو گئی ہین، اب نہ بدوون کی بندوقون سے ہلاک ہو جانے کا ڈر ہی، نہ مال کے ضایع ہونے کا، اور نہ سامانِ راحت کی نایابی ہی، پھر بھی "شق الانفس" ہمارے قافلہ کے لئے سرے سے بے معنی نہین، وسط مئی کا موسم عرب کی دھوپ، موٹر جیسی صبا رفتار سواری مین بھی ۴۰، ۴۵ گھنٹے کا راستہ، پیاس کی شدت، مدینہ کے سرد پانی کے خوگر ہو جانے کے بعد اس کی نایابی پر حسرت، لاریون کے

اندر کشمکش اور چپقلش، بجاے شتربان کے موٹربان (شوفر) اور اُن کے نائب (کلینر) کی مجبورانہ ناز برداریان، یہ سب کچھ اگر "شق الانفس" کی تفسیر نہین تو اور کیا ہی؟

لیکن دکھ کی پروا کسے؟ اور اذیت کا احساس کس کو؟ کیا کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ چل کہان رہے ہین؟ اور بخت کا عروج اور مقصد کا اوج کس کو کہان پہونچا رہا ہی؟ چل اس شہر کو رہے ہین جس کو کسی نادان انسان نے نہین، کسی سیاح جہان گشت نے نہین، کسی جغرافیہ نویس اور کسی نقشہ ساز نے نہین، زمینون اور آسمانون کے پیدا کرنے والے نے، لندن و پیرس کو چمک دمک اور جگمگاہٹ بخشنے والے نے، برلن و نیویارک کو نیست سے ہست کرنے والے نے، ام القری، سب بستیون کی ماں کہکر پکارا ہے، ماں وہ ہی جس کے وجود کے بغیر اولاد کا وجود نہین ہوتا، آج مکہ نہ ہوتا، تو نہ کلکتہ ہوتا نہ بمبئی، نہ لکھنؤ نہ دہلی، نہ لاہور نہ مدراس، اور نہ چین نہ جاپان، نہ مصر نہ ہندوستان نہ انگلستان نہ سارا فرنگستان! شارحین اور مفسرین کہتے ہین، کہ مکہ روے زمین کا مرکز ہی، نادان فرنگی ہنستا ہی، اور کہتا ہی، کہ زمین کرہ کی شکل مین ہی، اس مین کسی ایک متعین مقام کو سب سے وسط مین کیونکر قرار دیا جاسکتا ہی، اس جاہل کو مرکز کے معنی صرف جغرافی مرکز کے معلوم ہین، اور اسکی عقل صرف اسی کو مرکز جانتی ہی، جو مادی آلات پیمایش کے حساب سے سب کے وسط مین ہو، سو اول تو اس کے پاس اس حیثیت سے بھی اس کے عقیدے کی کوئی دلیل نہین، لیکن اس کے علاوہ "ام" کے معنی مرکز جغرافی کے ہین کب؟ ماں کا کام تو اولاد کو وجود مین لانا، اور انکی پرورش و تربیت کرنا ہی، پھر اگر آج بھی سب کی ایمانی پرورش اور روحانی تربیت مکہ سے نہین، تو اور کہان سے ہو رہی ہی؟

سارے شہرون اور سارے ملکون، ساری آبادیون اور ساری بستیون کے دین و ایمان کا مرجع اور تربیت و تزکیہ کا مرکز، اگر مکہ نہین، تو کیا کوئی اور شہر ہی؟ رحمت کاملہ و قدرت مطلقہ نے اپنے آخری پیام رحمت کی بارش کے لئے، کیا بجز اس سرزمین کے کسی اور کو چنا؟ اور اس پیام کا پیامبر، سب سے جامع، سب سے اہم، سب سے اکمل، سب سے آخر پیام لانے والا، کہان پیدا ہوا؟ کہان پلا؟ کہان بڑھا؟ کہان اُس پر اُس پیام کا نزول شروع ہوا، اور کہان کی گلیون اور وادیون مین وہ ایک دن دو دن نہین، تیرہ برس تک اُسی پیام کی منادی کرتا رہا!

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ روایت اکثر کتب تفسیر مین منقول ہے، کہ جب اللہ کے حبیبؐ و محبوبؐ کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑی، تو گھر سے نکلنے کے بعد اس شہر کی طرف مڑ کر ارشاد ہوا،

انت احب البلاد الله تعالیٰ الی اللہ و انت احب بلاد اللہ تعالیٰ الیّ ولو لا ان اهلك اخرجونی لم اخرج منك	تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہرون سے بڑھکر اللہ کو محبوب ہو، اور تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہرون سے بڑھکر مجھے بھی محبوب ہو، اور اگر تیرے لوگون نے مجھے نہ نکالا ہوتا، تو مین خود تجھ سے نہ نکلتا،

اس تصریح کے ساتھ اللہ کا محبوب ترین شہر، اور اللہ کے رسول کا محبوب ترین شہر، سوا مکہ کے، اور کسے کہا گیا ہی؟ حدیث کی روایت کو بھی چھوڑئیے، خود کلام پاک مین کیا ارشاد ہوتا ہی۔

انما امرت ان اعبد رب هذه	مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہی کہ اس شہر کے رب کی

عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر شے اُسی کے لئے ہے،	البلدۃ الذی حرمھا ولہ کل شئ (نمل، ع ۷)

اللہ اکبر! مکہ والو، مکہ کے مسافرو، ذرا مکہ کی بڑائی دیکھنا! خود اپنا تعارف مکہ کے ذریعہ سے کرایا جارہا ہے! اپنے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ "اس شہر (مکہ) کے پروردگار"! اور پھر تصریح در تصریح، کہ وہ مکہ کا رب ہی نہیں بلکہ وہ جس کے لئے سب کچھ ہے، مکہ کو پاک بھی کرچکا ہے، اُسے حرمت والا بھی قرار دیچکا ہے، اللہ نے لا اقسم بھذا البلد میں کس شہر کی عزت افزائی کی ہے! البلد الامین کس شہر کا نام رکھا گیا ہے؟ بلدا آمنا سے کس شہر کی سرافرازی مقصود ہے! بلد الحرام زبانِ نبوت میں کس شہر کے لئے ارشاد ہوا ہے؟ ابراہیم خلیل اللہ نے کس شہر کی آبادی کے لئے دعا کی تھی؟ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ نے کس شہر میں اپنی مستقل یادگاریں چھوڑی ہیں؟ ——— موٹر کے پہیئے تیزی کے ساتھ گھوم رہے تھے، اور انکی ہر گردش کے ساتھ، اللہ کا شہر، اللہ کے حبیب کا شہر، اللہ کے خلیلؑ کا شہر، اللہ کے ذبیحؑ کا شہر، بیشمار اولیاء و صدیقین کا شہر قریب تر ہوتا جارہا تھا،

لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لبیک، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد، دوسری سواریوں یا پیدل مسافروں کو دیکھ کر، بلندیوں پر چڑھتے وقت، نشیبوں میں اترتے وقت، منزلوں پر پہونچ کر، نمازوں سے فارغ ہوکر لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھ چکے تھے، عصر، مغرب و عشا کی نمازیں راستہ میں مختلف منزلوں میں ادا ہوئیں، اگرچہ

نصف شب کے بیرحسان پر پہونچے، اور یہین قیام ہوا مدینہ جاتے ہوئے بھی شب اسی منزل پر گذاری تھی، آدھی رات کے بعد تھکے ماندے، خوب خستہ ہو کر سونے لیٹے فجر کی نماز اکثرون کی قضا ہوئی، جون تون پڑھکر پھر جلدی سے روانہ ہوئے، آج سفر سارے دن کا ہے، یہ موسم تو خوب لو چلنے کا ہے، لو ہندوستان ہی کی کس غضب کی ہوتی ہے، چہ جائیکہ ریگستان عرب کی لو! لو سے بچنے کے لئے کچی پیاز بہت مفید ہے قافلہ مین سب نے پیاز کی آنڈیان ہاتھون مین لے رکھی تھین، اور گھبی کبھی سونگھتے بھی جاتے تھے، احرام کی حالت مین سر ڈھانپنے کی ممانعت، جسم کا بہت سا حصہ بھی تیز ہوا مین بلا ارادہ بار بار کھل جاتا تھا، ان بے احتیاطیون کے باوجود بھی خدا کے فضل سے سارا قافلہ محفوظ رہا، نہ کسی کے لو لگی، نہ کسی کو بخار آیا، راستہ مین ایک لاری ٹھیک دوپہر کو کھڑی ہوئی ملی معلوم ہوا کہ بگڑ گئی ہے، مصریون کا قافلہ سوار تھا اس مین ایک جوان عورت کو لو لگ گئی ہے، بیچاری بے حال و بدحواس تھی، اسکا شوہر اسے ہماری لاری پر لے آیا، اور اگلی منزل پر اسے لیکر اتر گیا، خدا معلوم بعد کو کیا گذری، منزلون پر طبی انتظام کسی قسم کا بھی نہ تھا، حالانکہ اس ہجوم کے زمانہ مین خصوصاً ایسے سخت موسم مین، راستہ مین دس بارہ چھوٹے شفاخانے قایم کر دینے کچھ مشکل نہ تھے،

مدینہ سے مکہ کو اونٹ جس راستہ سے جاتے ہین، وہ سیدھا راستہ ہے، ادھر جدہ نہین پڑتا، موٹر کا راستہ جدہ ہو کر ہے، اس لئے ہملوگون کو تو بہر حال یہی راستہ اختیار کرنا تھا، دن بھر کے سفر کے بعد شام کو جدہ کی روشنیان نظر آنی شروع ہوئین، او

عشا کے اول وقت شہر مین داخل ہو گئے، موٹرین حرمین کمپنی کی تھین، شوفر اپنی کمپنی کے موٹر خانہ مین موٹرین لے گئے، اور ہمین وہین اتار دیا۔ رات کا وقت، اجنبی مقام، اپنے وکیل اور اُن کے مکان کی اس وقت کہان تلاش کیجائے؟ اتنی عورتون کا ساتھ، انھین کہان چھوڑا جائے؟ اور پھر اگر وکیل صاحب ہاتھ بھی آگئے تو ایسے ناوقت وقت پر ہم لوگون سے التفات کیون فرمانے لگے؟ اس قسم کے سوالات شاید دیر تک دماغ کو پریشان رکھتے، لیکن آخر اسی جدہ مین منشی احسان اللہ صاحب بھی تو مع اپنے تمام اختیار و اقتدار کے رہتے ہین، فوراً وہ یاد پڑ گئے، اور پتہ پوچھتے اُن کے گھر جا پہونچا، گھر پر موجود مل گئے، اور ان کی ملاقات ہر مشکل کا حل تھی، وہی لطف و التفات، وہی توجہ و اخلاق، دس بیس منٹ کے اندر وکیل صاحب بھی مل گئے، سامان بھی سب اتر آیا، اور مردانی و زنانی سواریان بھی سب بسہولت وکیل صاحب کے مکان تک پہونچ گئین، قافلہ کے اور لوگ صالح بسیونی کے مکان مین رہے، مجھے اور مولانا مناظر کو شیخ نصیف کے پُر فضا چبوترہ کی چاٹ پڑ چکی تھی، اور اس وقت کے گرم موسم مین تو اس کی اور زیادہ ہوس تھی، ہم دونون ان کے ہان پہونچے، معلوم ہوا شیخ مکہ جا چکے ہین، مجبوراً صالح بسیونی کے مکان کے نیچے میدان مین لیٹے، لیکن اس میدان پر اس وقت انسانون سے زیادہ اونٹون کا قبضہ تھا، ساری رات انسانون اور اونٹون کی کشمکش و چپقلش مین گذری، اونٹون کا اتنا ہجوم عظیم پہلی بار دیکھنے مین آیا،

جدہ اس وقت حاجیون سے پٹا پڑا ہے، مسجدون کے اندر، سڑکون کے اوپر،

دوکانون کے نیچے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہین، دوڑ دھوپ ختم ہو چکی، اب حج کے دن ہی کے باقی رہگئے، ہر شخص عجلت سے بیتاب، اور لطف یہ کہ سب کو موٹر ہی سے نہین جانا ہی، سیکڑون ہزارون بندگانِ خدا ایسے ہین، جو اونٹون پر جائینگے، اور کچھ ایسے بھی، جو پاپیادہ روانہ ہونگے! آفرین ہی ان کی ہمتون پر، یہان تو موٹر کے باوجود بھی گھبراہٹ سوار ہی، کہ دیکھئے ٹھیک وقت سے پہونچنا نصیب بھی ہوتا ہی، یا نہین!
جون تون کرکے ۸ کی صبح ہوئی، مدینہ کی طرح یہان بھی تہجد کی اذان ہوتی ہی، خیر، آج کی بدحواسی مین اُس وقت اٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، البتہ نماز فجر کے لئے جب مسجد جانا ہوا، تو دیکھا، کہ مسجد نمازیون سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہی، سبحان اللہ، آج کے مجمع کا کیا کہنا، ہندی، مصری، مغربی، خدا معلوم کس کس دیس کے حاجی جمع ہین، وضع الگ، لباس الگ، بولی الگ، قد و قامت الگ، رنگ روپ الگ، البتہ سبکے سب نبیؐ کی امت اور اللہ کے بندے، دن نکلا، اور موٹرون کا انتظام شروع ہوا، آج دن کا کھانا، صبح سویرے ہی پیٹ بھر کر کھالیا گیا، کہ خدا معلوم دوسرے وقت کھانے کا موقع کب اور کہان آئے، مکہ مین چونکہ قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے زائد سامان یہین وکیل صاحب کی حفاظت مین چھوڑ دیا گیا، اور صرف ضروری سامان ساتھ رکھکر، ہندوستان کی گھڑیون کے حساب سے، دن کے دس بجے ہمارے موٹر روانہ ہوگئے، جدہ سے جو لوگ سیدھے مدینہ منورہ جاتے ہین، اور اُن کے موٹرون کے جو کرایہ پیشگی لے لئے جاتے ہین، اُن کرایون مین جدہ سے مکہ تک کا کرایہ بھی شامل رہتا ہی۔

جدہ سے مکہ کا فاصلہ کوئی ۴۰، ۴۴ میل کا ہی، اونٹ دو ڈیڑھ روز مین پہونچتے ہین، اچھے موٹر دو ڈھائی گھنٹے مین، اور لاریان تین ساڑھے تین گھنٹے مین، مکہ کا راستہ مدینہ کے راستہ سے نسبتہً بہت بہتر ہے، کہین کہین سڑک کوٹنے والے انجن (اسٹیم رولر) بھی دکھائی دیئے، راستہ مین دونون طرف پانی اور شربت اور چائے کی دوکانین کثرت سے موجود، شاید ایک جگہ شفاخانہ کا خیمہ بھی دکھائی پڑا تھا، چھوٹے چھوٹے پڑاؤ کثرت درمیان مین ایک بڑی منزل حدہ یا بحیرہ کی آتی ہی، نماز ظہر کے وقت یہان پہونچے خیمون اور شامیانون کا ایک وسیع سلسلہ سڑک کے دونون طرف قائم علاوہ چائے کے کھانے کی دوکانین بھی موجود، چاول گوشت ترکاری، تربوز، جو چاہیئے، نوش فرمائیے، البتہ مدینہ کا سا پانی اب کہان مل سکتا ہی، اب اس کا خیال ہی چھوڑ دیجئے گو اسکی یاد ہر مرتبہ حسرت کے ساتھ آکر رہیگی، ایک بڑے قہوہ خانے مین چائے پی، اور یہین نماز ظہر بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی، جدہ سے اونٹون پر جو قافلے مکہ جارہے ہین، ان کے بھی بہت سے حاجی یہان مل گئے، اور انھین مین جدہ کے بہاجن سیٹھ جمال الدین فنتی بھی تھے، جنکا ذکر خیر پہلے آچکا ہی، جدہ سے مکہ تک سڑک پر سایہ کا کہین نام نہین، خشک جھاڑیان البتہ جابجا نظر آتی رہین، اور مکہ کے قریب، کچھ نخلستان بھی نظر آئے،

ظہر کا اوسط وقت گزر چکا تھا کہ زمین حرم کے حدود شروع ہوگئے، جدہ سے آتے وقت مکہ سات میل رہتا ہی، کہ حدود حرم شروع ہوجاتے ہین، کہا جاتا ہی کہ جب حضرت آدمؑ مکہ مین تشریف لائے، تو اللہ نے شیاطین سے آپکی حفاظت کے لیئے ملائکہ

کو نازل کیا، جنھون نے مکہ کو چارون طرف سے گھیر لیا، جو زمین اُس حلقے کے اندر آگئی، وہ حرم کہلاتی ہی، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، بہر حال زمینِ حرم ہے خاص ادب و آداب کی سرزمین، اور بزرگون نے اس کے آداب یہ لکھے ہین، کہ اگر ممکن ہو تو اتنا فاصلہ پاپیادہ طے کرے، اور قدم اس مسکنت، فروتنی و تذلل کے ساتھ اٹھائے، کہ جیسے کوئی عاجز و بے بس، شہنشاہ کے دربار مین جا رہا ہی، مؤثر نشینون اور کم ہمتون اور ناتوانون کو بھلا ان آداب کی کیون توفیق ہونے لگی تھی یہان محض اس لیئے ذکر کر دیا گیا کہ ہو سکے تو آیندہ عازمینِ حج اسے پیشِ نظر رکھین، ان حدود مین داخل ہوئے، تو مولانا مناظر کی قیادت مین یہ دعا (یا مثل اس کے کوئی دوسری دعا تھی) بلند آواز سے پڑھی، اللھم ان ھذا حرمک وحرم رسولک فحرم لحمی وعظمی ودمی علی النار اللھم امنی من عذابک یوم تبعث عبادک واجعلنی من اولیائک واھل طاعتک وتب علی انک انت التواب الرحیم، مناسکِ حج پر عربی مین صدہا تصانیف ہین، فقہ کی ہر کتاب کا ایک لازمی جزو کتاب الحج ہوتا ہی، مولانا مناظر کے پاس ملا علی قاریؒ کی شرح لباب المناسک تھی، اس موضوع پر حنفیون کیلئے جامع ترین کتاب ہی، اردو خوانون کے لئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مختصر رسالہ زبدۃ المناسک بڑے کام کا ہے، دیکھنے مین چھوٹا، لیکن مفید و مستند معلومات سے لبریز، ہم لوگون کے ہاتھ مین اسی کے اوراق تھے، مولوی شاہ الیاس برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید بھی ضروری مسائل و معلومات سے خالی نہین، گو اسکا اصلی لطف اہلِ دل ہی اٹھا سکتے ہین، مولوی شاہ سلیمان اشرف صاحب کی کتاب الحج جامع و نافع ہی، اور اردو مین سب سے زیادہ مفصل و مبسوط ہدایت نامہ اس باب مین مولوی منورالدین صاحب

دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاوی عثمانی، جلد ۶) ہے، جو ہر دوسری کتاب سے بے نیاز کر دینے کے لئے کافی ہو، اور اردو مین اپنے موضوع پر ایک بے مثل و نادر جامع تالیف ہے، مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب وکیل ہنگنڈہ (دکن) نے بھی اپنے چندورق کے رسالہ خیر المناسک مین حیرت انگیز اختصار کیساتھ ضروری مسائل، ادعیہ واذکار کو جمع کر دیا ہی، عازمانِ حج اگر اس قسم کی چیزین اپنے ہمراہ رکھین، تو بہت سی لغزشون اور فروگذاشتون سے، جن پر بعد کو تاسف و ندامت ہوتی رہتی ہے، بچ جایا کرین گے،

باب ۲۱

سوادِ مکہ

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلعم لمکۃ ما اطیبک من بلد و احبّک الی ولو لا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک،

(ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مکہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ تجھ سے زیادہ پاکیزہ کوئی شہر نہین، اور نہ کوئی شہر تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہی، اور اگر میری قوم والون نے مجھے نکال نہ دیا ہوتا، تو مین تیرے سوا اور کہین نہ رہتا،

حاضری اس پاکیزہ ترین شہر اور رسولِ خدا کے اس محبوب ترین شہر مین ہو رہی تھی،

عن عبد اللہ بن عدی قال رأیت رسول اللہ صلعم واقفًا علی الحزورۃ فقال واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ

عبد اللہ بن عدیؓ کہتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو حزورہ (مکہ مین ایک مقام کا نام ہے) مین کھڑے ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ اے مکہ تو اللہ کی بہترین سرزمین ہی، اور اللہ کی نظر مین اللہ

(ترمذی)

کی محبوب ترین زمین ہے،

قدم اس بہترین شہر اور اللہ کے اِس محبوب ترین شہر کی جانب بڑھ رہے تھے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم ... یوم فتح مکۃ ان ھذا البلد حرمہ اللہ یوم خلق السموات والارض فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیمۃ وانہ لم یحل القتال فیہ لاحد قبلی ولم یحل لی الا ساعۃ من نھار فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیمۃ لا یعضد شوکہ ولا ینفر صیدہ ولا یلتقط لقطتہ الا من عرفھا ولا یختلی خلاھا،

(بخاری مسلم وغیرہ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ ..... اس شہر کو حرم قرار دیا اللہ نے اسی روز سے کہ جس روز آسمان و زمین کی آفرینش کی، پس اس کی حرمت واجب ہے روز قیامت تک، اور ہرگز نہیں جائز ہوا اس کے اندر قتال مجھ سے قبل کسی کے لئے، اور نہیں جائز ہوا خود میرے لئے، بجز ایک ساعت روز کے، پس واجب ہے اس کی حرمت یوم قیامت تک، نہ کاٹا جائیگا درخت خاردار اس کے اندر اور نہ تعرض کیا جائیگا شکار سے اس کے اندر اور نہ اس کے اندر گری ہوئی چیز اٹھائی جائیگی، سوا اس صورت کے کہ اسے پہنچوایا جائے اور نہ کاٹی جائیگی گھاس اسکے حدود کے اندر۔

رحمت و فضل کی کشش اس سرزمین پر لئے جا رہی تھی، جہاں داخلہ کے یہ آداب اور یہ شرائط ہیں، اور جہاں کے احترام کو ان قیود سے سب پر واضح اور سب پر روشن کر دیا گیا ہے!

یہ قیود اور یہ آداب تو اللہ کی طرف سے ہر بندہ کے لئے ہین، اہلِ ادب اور اہلِ دل نے ازخود جو آداب ملحوظ رکھے ہین، اُن کا کیا ذکر کیا جائے، اس تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت مین کتنے ایسے ہین، جو بغیر کسی رفیق اور بغیر کسی زاد و راحلہ کے اپنے کو محض تقدیر الٰہی کے سپرد کئے ہوئے اس در پر حاضر ہوئے ہین! کتنے ایسے ہین کہ جو اثنائے سفر مین مسلسل روزے رکھتے ہوئے، اور قدم قدم پر دوگانہ نماز ادا کرتے ہوئے اس سرزمین پر پہونچے ہین! کتنے ایسے ہین، جو "خانہ" نہین، صاحبخانہ "بیت" نہین، رب البیت کے شوقِ دید مین، جھکتے اور گرتے ہوئے، سر کے بل یہان پہونچے ہین! اور فرماتے یہ ہین، کہ مسلمان حرم کو حرم اس لئے کہتے ہین، کہ اس کے

حرم را حرم بدان خوانند کہ اندروے مقامِ ابراہیمؑ ست ..... وابراہیمؑ را دو مقام بودہ است یکے مقامِ تن وے و دیگرے مقامِ دلش، مقامِ تن مکہ و مقامِ دل خلت، ہر کہ قصد مقامِ تن وے کند از ہمہ شہوات و لذات اعراض باید کرد، (کشف المحجوب)

اندر مقام ابراہیم ہے ..... اور ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام تھے، ایک ان کے تن کا مقام اور ایک ان کے دل کا مقام، مقامِ دل کو خلت کہتے ہین، اور مقامِ تن کا نام مکہ ہے، پس جو ان کے مقامِ تن کا قصد کرے، لازم ہے کہ اپنے کو لذتون اور خواہشون سے خالی کرلے،

یہان احرام کی ظاہری پابندیان ہی آسانی سے کس کے بس کی بات تھین، کہ ان باطنی پاکیزیون کا خیال تک بھی آسکتا! یہان زبان اور آنکھ، اور ہاتھ اور پیر کب قابو مین تھے، کہ دل و دماغ، تصور و خیال، خواہش و ارادہ کو قابو مین لانے کا دھیان بھی کیا جاتا! بس محض تن بہ تقدیر چل رہے تھے، اور چل کیا رہے تھے،

بس کسی کا لطف بے نہایت اور کرم بے حساب، چلائے جا رہا تھا! کیا شان رحمانیت و ربوبیت ہی! یہ ہیبت و عظمت والی، یہ عزت و جلالت والی سرزمین، جو شاید صرف انبیاء و ملائکہ اور اولیاء و صدیقین کے لایق تھی، اُس پر آج کس ننگ خلایق نامہ سیاہ کو لایا جا رہا ہی!

عن عبد اللّٰہ ابن عباسؓ قال کانت الانبیاء تدخل الحرم مشاۃً حفاۃً و یطوفون بالبیت و یقضون المناسک حفاۃً مشاۃً (ابن ماجہ، باب دخول الحرم)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ روایت ہی کہ حضرات انبیاء حرم مین داخل ہوتے تھے تو پاپیادہ اور برہنہ پا، اور خانہ کعبہ کا طواف اور سارے ارکان حج پیدل ننگے پاؤن ہی ادا کرتے تھے،

اللہ اکبر! یہ ادب و احترام، حضرات انبیاء علیہم السلام کر رہے ہین! جو خود اس مرتبہ کے ہین، کہ جن و بشر الگ رہے، فرشتے تک انکی تعظیم کرتے ہین! ان آنکھون والون نے کیا کچھ دیکھا ہوگا! ان بصارت و بصیرت والون کو کیا کچھ نظر آیا ہوگا! اندھے اگر خود دیکھ نہین سکتے، تو دیکھنے والون کی پیروی تو کر سکتے ہین! سرزمین کی پاکی، اور اللہ کے شہر کی کبریائی کا یہ مرتبہ، کہ پاکون کے پاک اور بڑون سے بڑے جب داخل ہوتے ہین، تو سواریون سے اتر کر! اور جوتیون کو اتار کر! ایک ادب ان باادبون کا تھا، اور ایک ادب ہم بے ادبون کا ہی، کہ نہ چند منٹ کے لئے بھی سواری سے اترے، اور نہ چند قدم کے لئے بھی جوتے اتارے! ارے، یہ مقام تو وہ تھا، کہ پیرون سے جوتیان اتارنا تو کیا، اگر تن سے سر اتارنے کو بھی کہہ دیا جاتا، تو اہل دل اور اہل درد اس نذر کو کہین ہلکی اور اس سودے کو کہین ارزان سمجھتے!

متاعِ وصلِ جانان، بس گران ست
گر این سودا بجان بودے، چہ بودے!

ہندوستان کی گھڑیون کے حساب سے ساڑھے تین پونے چار کا وقت ہوگا، کہ لاریان اپنے اسٹیشن پر پہونچکر رک گئین، اور سامنے شہر مکہ کی عمارتین نظر آنے لگین ہمارے معلم عبدالقادر سکندر کو ہمارے پروگرام کی پوری اطلاع تھی، چند منٹ کے انتظار کے بعد ایک گدھے پر سوار آتے دکھائی دیئے، اور ہم لوگ انکی معیت و رہنمائی مین روانہ ہوئے، مولوی شاہ لطف اللہ صاحب کی پانچ آدمیون کی جماعت یہان سے علٰحدہ ہو گئی، اور ہم سولہ مرد و زن چار اعرابیون پر سوار ہو کر چلے، حرم کا نیز حیدرآبادی رباطون کا فاصلہ یہان سے ڈیڑھ دو میل تھا، اور وسط مئی کی دھوپ بھی خاصی تیز تھی، پھر زنانہ قافلہ کا ساتھ، سواری کرنا ناگزیر تھا، ٹھہرنے کے لئے متعدد مقامات پیش نظر تھے، اور سب سے بڑھکر مولوی محمد سلیم صاحب کا خلوص و محبت سے بھرا ہوا، دعوت نامہ مدرسہ صولتیہ سے متعلق موجود تھا، لیکن معلم سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کا فاصلہ حرم سے اچھا خاصہ ہے، پنجوقتہ حاضری نہ ہوسکے گی، اس لئے طے پایا، کہ پہلے رباط حیدرآباد مین چلکر قیام کیا جائے، اس کے بعد دیکھا جائیگا، یہ رباط مسفلہ مین واقع ہے، کئی درجون کی وسیع عمارت، مگر اس وقت ماشاء اللہ خوب کھچا کھچ بھری ہوئی، اس کے مہتمم داروغہ حبیب اللہ صاحب خوش خلق، مستعد، کارگذار، خدمت کرکے خوش ہونے والے، حرم سے یہ عمارت کوئی تین فرلانگ کے فاصلہ پر، نہر زبیدہ کا ایک پائپ عین اس کے دروازہ پر، اور یہ مکہ کے لئے ایک خاص نعمت ہے، ہندوستان

والون کو پانی کی اس اہمیت کا اندازہ کہان،

سکندر ذوالقرنین، تو حضرت خضر کی رہنمائی کا محتاج تھا، یہ سکندر مطوف خود ہادی و رہنما بنکر ہمراہ ہوئے، گدھے پر سوار، ہماری اعرابی کے ساتھ ساتھ باٰواز بلند دعائین پڑھتے جاتے ہین، اور ہم لوگ انھین الفاظ کو دہراتے جاتے ہین، اب یہ تو خیال نہین، کہ اس وقت انھون نے کون سی دعائین پڑھائی تھین، البتہ کتابون مین اس قسم کی دعائین منقول ہین، اللّٰھم انت ربّی و انا عبدک جئت لاؤدّی فرائضک واطلب رحمتک والتمس رضاتک متبعًا لامرک راضیا بقضائک اسألک مسئلۃ المضطرین الیک المشفقین من عذابک الخائفین من عقابک ان تستقبلنی الیوم بعفوک وتحفظنی برحمتک وتجاوز عنّی بمغفرتک وتعیننی علی اداء فرائضک اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک وادخلنی فیہا واعذنی من الشیطان الرجیم،

مکہ علاقہ حجاز ہی کا نہین، سارے ملک عرب کا سب سے بڑا شہر ہی، ہندوستان کے معیار سے بھی اسکا شمار بہت چھوٹے شہرون مین نہین، لوگون سے سننے مین آیا کہ کوئی ڈیڑھ لاکھ کی مستقل آبادی ہی، اور حج کے موسم مین تو یہ آبادی دوگنی بلکہ ڈھائی گنی ہو جاتی ہی، اونچے اونچے پختہ مکانات، کہین کہین عالیشان حویلیان، بڑے بڑے بازار، ہر قسم کے کپڑے، کھانے، برتن، جوتے، بساط خانہ، صرافہ، کی دوکانین بکثرت شب مین بجلی کی روشنی کی جگمگاہٹ، چاے اور قہوہ کا تو ذکر ہی بیکار ہی، ذکر کے قابل برف اور شربت کی دوکانین ہین، طرح طرح کے خوشرنگ شربت قدم قدم پر موجود، اور کہین کہین برف بھی، یہ معلوم ہی نہین ہوتا کہ عرب مین ہین، بس یہی

معلوم ہورہا ہی، کہ ہندوستان کے کسی مہذب و متمدن شہر مین چل رہے ہین، البتہ سڑکون کا کوئی معقول انتظام نہین، پختہ سڑک کا برائے نام وجود، عدم کے مساوی ہجوم اور چپقلش کا کیا پوچھنا، ایسے ہنگامہ مین، سکنڈر صاحب کی آواز بھی پوری طرح پہونچنی ممکن نہ تھی، پھر بھی "معلم" صاحب اپنی تعلیم شروع کر چکے تھے، اور ادھر سے بھی اپنی والی کوشش یہی تھی، کہ بہت نالایق شاگردون مین شمار نہ ہو۔

لیکن مکہ کے بازارون کی یہ رونق اور یہ آبادی ـــــ آہ اس دردِ دل کو الفاظ کے واسطہ سے کیونکر ظاہر کیا جائے ـــــ مسلمانون کی ترقی نہین، اپنون کی ترقی نہین، مکہ و مدینہ کی ترقی نہین، حجاز کی ترقی نہین، حجاز کی نہ سہی مصرو شام، مراقش و طرابلس، عراق و ایران، بخارا و افغانستان کسی اسلامی ملک کی ترقی نہین، بلکہ تقریباً تمامتر فرنگیون کی ترقی ہی، بیگانون کی ترقی ہی، امریکہ و جرمنی انگلستان و اٹلی کی ترقی ہی، یہ دکانون پر جو لاکھون روپے کا سامان نظر آرہا ہی، یہ شال اور پشمینے، یہ کمل اور یہ چادرے، یہ موزے اور یہ دستانے، یہ مفلر اور یہ کالر، یہ سوٹر اور یہ بنیائن، یہ مخمل اور یہ اطلس، یہ جوتے اور یہ ٹوپیان، یہ لیمپ اور یہ گرگابیان، یہ موٹرون کے ٹیوب اور لاریون کے ٹائر، یہ بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے، یہ یہ تیل کے پیپے، اور یہ عطر کی شیشیان، یہ سگار اور دیاسلائیان، یہ مرتبے اور جیلیان یہ گلاس اور پلیٹین، یہ رومال اور جانمازین، اور یہ ہر قسم کے خوشنما سامان کا ڈھیر کاش اس کا کوئی حصہ تو اپنون کا ہوتا! کاش یہ تو نہ ہوتا، کہ اپنون کی جیب سے سارے کا سارا نکل کر مانچسٹر اور لنکاشائر، لیورپول اور گلاسگو، شیفلڈ و برمنگھم، ایمسٹرڈم و

اسٹاکھام، واشنگٹن اور شکاگو کی کوٹھیون اور کارخانون مین، بینکون اور خزانون مین منتقل ہوا چلا جارہا ہی! یہ ٹھیک ہی کہ بغداد کی عبائین، اور دہلی کے جوتے بھی موجود ہین لیکن جہان ہزارون اور ہزارون کے سیکڑون لاکھون، اور لاکھون کی دہائیون کے نفع بیگانے حاصل کر رہے ہون، وہان اگر سیکڑون کی رقم اپنون کی جیب مین آئی بھی، تو کیا آئی! کس کو اس پر خوشی ہو گی، اور کون اسکا ذکر فخر سے کریگا!

اولم نمکن لھم حرمًا آمنًا یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیٔ رزقًا من لدنا، (قصص، ع ۶)	کیا ہم نے ان لوگون کو امن والے حرم مین جگہ نہین دی جس کی طرف ہر طرح کے میوے کھنچے چلے آتے ہین، جو رزق ہی ہماری طرف سے،

تلاوت مین آیہ کریمہ خدا معلوم کتنی بار نظر سے گزر چکی تھی، لیکن اس کا مفہوم پوری طرح، مکہ معظمہ مین حاضری کے بعد ہی واضح ہوتا ہی، ایک بے آب وگیاہ ملک، ہر طرف ریگ اور ریگستان، پتھر اور خشک چٹانین، سبزی اور شادابی کا کوسون کیا معنی منزلون پتہ نہین کنوئین کا وجود عنقا، اور جھیل اور تالاب کا تو نام بھی کسی کے کانون مین نہ پڑا ہوگا، موسم کی گرمی، لو کی لپٹ، دھوپ کی تیزی اُس پر مستزاد، ایک طرف خشکی کے یہ سارے سامان، اور دوسری طرف تازہ پھلون اور شاداب میوؤن کی وہ کثرت، کہ بمبئی کے کرافڈ ڈروڈ، یا دہلی کی فتحپوری کی دوکانون کا دھوکا ہونے لگے، کھیرا، ککڑی، سردہ، کیلا، تربوز، خربوزہ، کدو، لوکی، نارنگی، سنگترا، انار، انگور، سیب، ناسپاتی، کشمش، لیمون، چیکو، شفتالو، خوبانی، تر و تازہ آلو بخارا، غرض دنیا بجز آم کے) جو ترکاری اور جو پھل چاہئے، اپنی تر و تازہ، سرسبز و شاداب شکل مین موجود ہے یہ اگر محض مکہ کی کرامت اور رب مکہ کا کرم نہین، تو اور کیا ہی؟ اسباب ظاہری کے

لحاظ سے تو اس کا خیال بھی نہین ہو سکتا تھا، مَن قَامَ للّٰہ تاد یہ ہماری طرف سے' بلا تائید اسباب طبعی، و بغیر مساعدتِ تدابیر ظاہری، مکہ والون کے لئے رزق ہی جس ہیجے نے کہا ہی، حرف بحرف سچ کہا ہی، اور وہی ایک سچا اتنے بڑے دعوی کی بے دھڑک ہمت کر بھی سکتا تھا، جس سرزمین مین کچھ بھی نہ پیدا ہوتا ہو، وہان، یہ سب کچھ موجود ہوجانا، اور دعویٰ کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کر دینا، قرآن مجید کی صداقت کا وہ مستقل معجزہ ہی، جسکا مشاہدہ دنیا ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلسل کرتی چلی آرہی ہی، اور خدا جانے آیندہ کب تک کرتی چلی جائے گی!

باب ۲۲

حرم شریف

مکہ مکرمہ مین حاجیون کے ٹھہرنے کا عام دستور یہ ہی کہ اپنے اپنے معلم کی معرفت کرایہ کے مکانون مین اترتے ہین، مکانات کے کرایہ عموماً تو کچھ ایسے گران نہین رہتے لیکن اس ہجوم کے زمانہ مین ظاہر ہی کہ اپنے جائز حدود کے اندر کیونکر محدود رہ سکتے ہین، مالکانِ مکانات کی خاطر خواہ آمدنیون کا یہی زمانہ ہوتا ہی، منہ مانگے کرایے ملتے ہین، اور پھر معلم صاحبان اپنے "حقوق" سے ایسے خداداد موقع پر کیون دستبردار ہونے لگے، کرایے عموماً روپیون کے حساب سے نہین، گنیون کے حساب سے ہوتے ہین، ہمارے معلم عبدالقادر سکندر نے جو ہندوستان سے ہمارے ساتھ ہی اسی جہاز پر خود بھی مکہ چلے تھے، ہم سے بمبئی مین بکمال عنایت فرمایا تھا، کہ وہ ہمارے لئے ایک بہت ارزان مکان دس پندرہ گنی مین تلاش فرما دین گے! لیکن ہمکو بحمداللہ انکی عنایت سے مستفید ہونے کی ضرورت نہین پڑی، اللہ کے گھر مین میزبانون کی کیا کمی، مدرسہ صولتیہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ اور حیدرآباد کی رباطین متعدد ٹھکانے ہمارے ٹھہرنے کے تھے اور صلاح یہ قرار پائی کہ سب سے پہلے رباط حیدرآباد کو چل کر دیکھا جائے، چنانچہ وہین کے لئے ہمارا قافلہ، اعرابیون پر سوار اپنے معلم کی رہنمائی مین چل رہا تھا، ——

یہ خوب واضح رہنا چاہئے، کہ ہر شخص کو ایسی سہولتین میسر آجانا ممکن نہین، عموماً حاجیون کو اپنے ٹھہرنے کا سارا انتظام اپنے معلم ہی کی معرفت کرنا ہوتا ہی، اور مکہ مین کرایۂ مکان کے لئے ایک معقول رقم اپنے پاس رکھنا ضروری ہی،

آج سے خدا معلوم کے ہزار برس قبل اللہ کا حکم اللہ کے خلیل ع کو ملا تھا، کہ،

واذن فی النّاس بالحج یاتوک رجالاً و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (حج، ع۴)	لوگون مین پکار دے حج کے لئے، وہ آئین گے تیری طرف پیدل بھی، اور ہر طرح کی دبلی سواریون پر بھی، جو ہر دور و دراز کے راستہ سے آتی ہونگی،

اب تک آیت کے محض الفاظ کا مطالعہ ہوا تھا، معنی کا مشاہدہ آج شروع ہوا، خدا معلوم آس پاس سے آنے والے کتنے پا پیادہ، اور دور و دراز سے آنیوالے کتنے سواریون پر ساتھ چل رہے ہین، آگے چل رہے ہین، پیچھے چل رہے ہین، اور برابر امنڈتے ہوئے چلے آرہے ہین! دس بیس ہون، سو پچاس ہون، تو کوئی گنتے کی کوشش بھی کرے، ٹڈی دل کے شمار کرنے کی ہمت کوئی کہان سے لائے! عزیمت اور حوصلہ والے پا پیادہ ہین، رخصت اور اجازت والے سواریون پر سوار ہین، اونٹ اور اونٹنیان بھی ہر قسم کی، خوشرنگ بھی بدرنگ بھی، بڑی بھی چھوٹی بھی، وحشی بھی، شائستہ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی، سرخ بھی بادامی بھی، مگر سب کی سب فرط مشقت سے چور چور (علی کل ضامر) اور آنے والے کہان کہان کے؟ کوئی ایک دو ملک ہون، تو نام گنائے جائین، نجد کے ہین کے، عراق کے،

شام کے، مصر کے، اناطولیہ کے، فلسطین کے، کردستان کے، سوڈان کے، طرابلس کے، مراقش کے، زنجبار کے، حبشہ کے، ٹیونس کے، ایران کے، افغانستان کے، بلوچستان کے، بخارا کے، ترکستان کے، چین کے، جاوا کے، برھما کے، سیلون کے، بنگالہ کے، پنجاب کے، سندھ کے، گجرات کے، بہار کے، مالابار کے، بمبئی کے، دکن کے، دہلی کے، لکھنؤ کے، اور خدا معلوم دنیا کے کن کن گوشون کے رہنے والے اور روے زمین کے کن کن حصون کے بسنے والے من کل فج عمیق کی تفسیر کا مشاہدہ کرانے کو موجود،

بیرون شہر کا حصہ جب تک طے ہوتا رہا غنیمت رہا، شہر کے اندر داخل ہوتے ہی ہجوم کی بھی زیادتی شروع ہوئی، یہان تک کہ جب اس موڑ پر پہونچے، جہان سے محلہ مسفلہ کے حدود شروع ہوتے ہین، تو اونٹون اور انسانون کی وہ چپقلش تھی کہ راستہ ملنا کسی طرح آسان نہ تھا، عصر کا وقت شروع ہوچکا تھا، ادھر یہ عجلت کہ منزل پر جلدی سے پہونچ، اسباب رکھ رکھا، کسی طرح حرم تک جا پہونچین، اور ادھر ہجوم ہی کہ راستہ کو ناقابل گذر بنائے ہوئے ہے، منیٰ کے جانے کا مسنون وقت ۸، ذی الحجہ کی صبح ہی، اور عرفات تو ۹ کی دوپہر تک پہونچنا چاہئے، لیکن جلد بازون اور سنت رسولؐ سے بے پروائی برتنے والون نے سیکڑون ہزارون کی تعداد مین، آج ۷، ذی الحجہ ہی سے روانہ ہونا شروع کردیا ہی، اور ان قافلون نے راستہ کی چپقلش اور زیادہ بڑھا رکھی ہے، دو منٹ چار منٹ، دس منٹ بیس منٹ، چورا ہے پر کھڑے کھڑے ایک مدت گزر گئی، اور سکندر معلم جو راستہ کے صاف کرنے مین لگے ہوئے تھے، خود بھی کہین غائب ہوگئے، ایک ایک منٹ بھاری

ہورہا ہی، لیکن کس کے بس کی بات ہی! ـــــــ سعودی پولیس آخر کہان ہے؟ کیا راستہ کا انتظام اور ہجوم کو قابو مین رکھنا حکومت کے فرائض مین داخل نہین؟ اور وہ پولیس جو مدینہ منورہ مین زیارت روضۂ اطہر کے وقت اپنی زندگی اور اپنی قوت کا ہر لمحہ اور ہر آن ثبوت دیتی رہتی تھی، آج ان "بدعتون" کے روکنے کے وقت، جنکا تعلق کسی مخصوص فرقہ کے عقائد سے نہین بلکہ حنفی وحنبلی، بدعتی ووہابی سب سے یکسان ہی، کیا سرے سے غائب ومعدوم ہوگئی؟

خیر خدا خدا کرکے مشکل آسان ہوئی، سکندر پھر نظر پڑے، اور ابکی اُن کے ہمراہ مہتمم رباط، داروغہ حبیب اللہ بھی تھے، بیچارے ہم نوواردون اور اجنبیون کی پیشوائی کے لئے یہان تک آگئے، ان دونون کے مشورہ سے ہم سب لوگ جنمین بوڑھے اور کمزور مرد، اور بوڑھی اور کمزور عورتین بھی تھین، اپنی اپنی سواریون سے اترے، اور مجمع کے اندر گھستے اور پلٹتے، پیدل روانہ ہوئے، اسباب بدستور بدوؤن پر لدا ہوا پیچھے پیچھے تھا، اور اس طرح فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت طے کرکے رباط تک پہونچے رباط ایک اچھی وسیع دو منزلی عمارت ہی، اور سب سے اوپر کھلی ہوئی چھت، عین دروازہ پر نہر زبیدہ کا نل لگا ہوا، جو یہان کے لئے ایک خاص نعمت ہی، خالی زمانہ مین کوئی یہان آئے، تو بڑی راحت وآسایش سے ٹھہر سکتا ہی، اس وقت یہ حالت کہ عمارت کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ حاجیون سے گھرا ہوا، اوپر نیچے کمرہ کمرہ آمدہ، ہر جگہ رکی ہوئی مگر داروغہ صاحب نے بکمال عنایت ہمارے قافلہ کے لئے اوپر کے درجہ مین ایک خاصی وسیع جگہ محفوظ کر رکھی تھی، ایک لمبا چوڑا دالان اور ایک بڑا کمرہ،

دو پاخانے، اگر ہم سب مرد ہی مرد ہوتے، تو اتنی گنجایش بہت کافی تھی، لیکن ہم سولہ آدمیون مین سات عورتین تھین، اور وہ بھی سب ایک خاندان کی نہین کہ سب مردون کے سامنے آسکین، بلکہ تین یا چار مختلف خاندانون کی، پردہ کے اہتمام مین سخت دقتین، شدید گرمی کا موسم، صحن کا نام نہین، برآمدہ بھی ہوادار نہین بلکہ دیوارون سے گھرا ہوا، تکلیف ناگزیر تھی، لیکن انسان کے اختیار مین آرام و آسایش کا جو درجہ ممکن تھا، اُس کے بہم پہونچانے مین داروغہ حبیب اللہ نے کوئی بات اٹھا نہین رکھی، انھین سیکڑون مہمانون کو سنبھالنا تھا لیکن، بیچارے ہنسی خوشی سب کی خدمت مین لگے رہتے، متعدد موقعے ایسے بھی آئے، کہ ان کا ناخوش ہوجانا بالکل واجبی تھا، لیکن کبھی اُن کے جبینِ تحمل پر شکن پڑتے نہین دیکھی گئی،

اسباب رکھتے رکھاتے عصر کا اول وقت گذر کر اوسط وقت شروع ہو گیا، جلدی جلدی تازہ وضو کرکرا، جامۂ احرام مین ملبوس، اپنے معلم کی رہنمائی مین حرم کو روانہ ہوئے، فاصلہ کچھ بہت زائد نہین، کوئی تین فرلانگ ہوگا، چند منٹ مین پہونچ گئے ہونگے، مگر نہ پوچھیے، کہ یہ چند منٹ اس وقت کے گھنٹے معلوم ہوئے! زبان پر لبیک لبیک ہی، معلم صاحب شاید کچھ اور دعائین بھی پڑھاتے جارہے ہین، لیکن دل کیا کہہ رہا ہی؟ کون سی تمنا ہی، جو اس وقت دل مین نہین؟ تمناؤن کا ہجوم آرزوؤن کی کشمکش، اور پھر ہیبت و دہشت، کہ کس دربار مین حاضری ہورہی ہی! دل ہی کہ ہر لحظہ اس کی دہشت بڑھتی جارہی ہی اور قدم ہین، کہ ہر ہر قدم پر بھاری ہوتے جارہے ہین، کہان کسی سیہ کار کی جبین، اور کہان کسی بے مکان و بے نشان

کا سنگِ آستانہ ! یہ ناپاک قدم کس پاک سرزمین کو روند رہے ہین ؟ ——

آہ! یہ گلیان تو تیرے اس خلیلؑ کے قدمون کے لایق تھین، جو تیرے نام پر دہکتی ہوئی آگ مین کود ا تھا، اور جو محض تیرا اشارہ پاکر اپنے پلے پلائے نورِ نظر کے حلقوم پر چھری پھیر چکا تھا، اس کم سن لڑکے کے لایق تھین، جو محض تیری رضا کے لئے بے خطا و بے قصور اپنے ذبح کرانے کو حلق سامنے کرکے ہنسی خوشی لیٹ گیا تھا! تیرے اس حبیب اور محبوب بندہؐ کے لایق تھین، جو تیرے نام اور تیرے پیغام کی منادی کرنے کے جرم مین، انھین گلیون مین سالہا سال ہر طرح کی ایذائین سہتا اور اذیتین برداشت کرتا رہا تھا!

سنتے چلے آئے تھے، اور کتابون مین بھی بارہا پڑھا تھا، کہ کعبہ تجلی گاہِ جلال ہے یہان تجلیات قہری کا ڈر رہے، روایتون کا اثر دل مین بیٹھا ہوا تھا ہیبت و دہشت کا غلبہ تھا، ہمت بار بار جواب دیرہی تھی، اور دل یہ کہہ رہا تھا، کہ سامنا کیونکر کیا جائیگا، "زمین" کی زبان سے یہ مصرعہ بار بار سنا تھا، کہ

تو مرا خراب کردی بہ این سجدۂ ریائی!

دل کھٹک رہا ہے، ذرا کان لگا کر سننا کہین یہ ندا اس وقت اسی مسجد حرم کی سرزمین سے تو نہین آرہی ہے ؟ شاعری کی دنیا مین بارہا یہ آواز کانون مین پڑ چکی تھی،

چو بطوفِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند،
تو برون درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی!

کیا آج اور اس وقت یہ شاعری حقیقت بنکر رہے گی ؟ یا اللہ اس پاک زمین

پر اپنی ناپاک پیشانی کو کیونکر رگڑا جائیگا؟ اس عظمت وجلالت والے مکان کے طواف پر کیسے قدرت ہوگی؟ جن گلیون مین ہاجرہ صدیقہ دوڑی تھین، نبی کی مان اور نبی کی بیوی دوڑی تھین، وہان اس ننگ امت سے "سعی" کیونکر بن پڑے گی،

لیجئے، مسجد حرام کی چار دیواری شروع ہو گئی، کئی دروازے چھوڑتے ہوئے ہم لوگ باب السلام سے اندر داخل ہوئے، (داخلہ کے لئے یہی دروازہ سب سے بہتر مانا گیا ہی) کس کے اندر داخل ہوئے؟ اس ارض پاک کے اندر، اس بقعۂ نور کے اندر، جہان کی ایک نماز، ایک لاکھ، یا کم از کم ایک ہزار نمازون کے برابر ہی! اندر داخل ہوتے ہی نگاہ، اس سیاہ غلاف والی عمارت پر پڑی، جسے خشکی اور تری مین نہ سما سکنے والے نے، زمین وآسمان، عرش وکرسی کی سمائی مین نہ آنے والے نے، وہم وخیال کی وسعت مین نہ گھرنے والے نے، "اپنا گھر" کہکر پکارا ہی! اور نگاہ پڑتے ہی جہان پڑی تھی، وہین جم کر رہگئی! اس گھڑی کی کیفیت کیا، اور کن لفظون مین بیان ہو! کہتے ہین، کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام کے ہوش وحواس کسی کی ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے تھے، جب "تجلی بیت" کا یہ حال ہی، کہ ہوش وحواس قائم رکھنے دشوار، تو "رب البیت" کی تجلی نے خدا معلوم کیا غضب ڈھایا ہوگا! جب "گھر" کی برق پاشیون کا یہ عالم ہی، تو "گھر والے" کے انوار وتجلیات کی تاب کون بشری آنکھ اور انسانی بصارت لا سکتی ہی؟ اللہ اللہ! کیا حسن وجمال، کیا رعنائی وزیبائی، کیا خوبی ومحبوبی، کیا دلکشی ودلبری ہی! جن لوگون نے قہر وجلال کی تجلی گاہ بتایا ہی، خدا معلوم انھون نے کیا، اور کس عالم مین دیکھا، اپنا تو یہ حال تھا، کہ سرتاپا مہر وجمال ہی ٹپکتا نظر آتا تھا، اور ہر چہار طرف سے رفق والتفات

شفقت و رحمت کے کھلے ہوئے پھولون کی خوشبوئین لپکی اور دوڑی چلی آرہی تھین! ابراہیم کی خلت، اسمٰعیلؑ کی فداکاری، ہاجرہ کی سکینیت، اللہ اکبر جہان یہ تینون اکٹھا ہون انوار حسن و جمال کی تجلیات اس ٹھکانے سے بڑھکر اور کہان ہونگی! اب نہ قلب کو اضطراب ہی، نہ طبیعت مین انتشار، نہ خوف نہ وحشت، نہ رعب نہ ہیبت، سرتاسر سکون ہے، اور انبساط، سرور ہی اور نشاط، من دخلہ کان امنًا کی تفسیرین بہتاسی پڑھی تھین، لیکن جو تفسیر اس گھڑی بغیر کسی کتاب و عبارت کے توسط کے، لوح قلب پر القا ہو رہی تھی، وہ سب سے الگ، سب سے نرالی، سب سے عجیب تھی، اور اگر فاش گوئی کی اجازت دیجائے تو اپنے حق مین سب منقول و مکتوب تفسیرون سے بڑھکر صحیح بھی تھی، آہ،

در مصحف روے او نظر کن

خسرو، غزل و کتاب تا کے؟

غزالیؒ، احیاء العلوم مین لکھتے ہین، کہ قیامت کے دن کعبہ کا حشر بنا ؤ سنگار کی ہوئی نئی دولھن کی شکل مین ہوگا، لیکن یہ قید اُس روز کے لئے کیون، اور اس کے مشاہدہ کے لئے قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت ہی؟ قسم ہے خانۂ کعبہ کے رب کی، کہ کعبہ آج بھی نئی دلھنون ہی کی طرح حسن و جمال، رعنائی و زیبائی، دلکشی و دلبری کے پورے ساز و سامان سے آراستہ ہی، اور اپنی خوبی و محبوبی مین بجز مدینہ کی مسجد نبوی کے نہ کوئی شریک رکھتا ہی، نہ سہیم، اسے محبوبیت کے جامہ مین، حسن و جمال کی حلبہ اداؤن کے ساتھ اسی عالم ناسوت مین کس نے نہین دیکھا؟ پیمبرون نے دیکھا، صدیقون نے دیکھا، کاملون نے دیکھا، عارفون نے دیکھا، آنکھین رکھنے والون نے دیکھا، اور انتہا یہ

ہے کہ جو بصیرت سے محروم، اور بصارت کا ضعیف ہو، اس تک نے دیکھا! شاید امام غزالی ہی نے، یا کسی اور بزرگ نے فرمایا ہو، کہ آج جن آنکھون نے خانۂ کعبہ کی زیارت کی ہو، کل اُن مین اتنی قوت واستعداد پیدا کر دیجائیگی کہ وہ ربِّ کعبہ کا بھی دیدار کر سکین! اس مرتبہ اور اس اکرام کا کیا کہنا، لیکن اس مرتبے کی توقع تو وہ کرے، جو خود ذی عزت ہو، ہم جیسے درماندون اور زبون ہمتون کے لئے مکین کو چھوڑ کر مکان ہی کا دیدار بجائے خود کیا کم ہو! روایات مین آتا ہو، کہ خانۂ کعبہ پر نظر کرنا ایک مستقل عبادت ہو، اور شاید کسی حدیث مین یہ تصریح بھی آئی ہو، کہ کعبہ پر روزانہ ایک سو بیس رحمتون کا نزول ہوتا رہتا ہو، جنمین سے ساٹھ اُن کے لئے ہین، جو اس کے اندر نماز پڑھتے ہین، اور چالیس ان کے لئے جو اس کا طواف کرتے ہین، اور بیس اُن کے لئے جو اسکی طرف دیکھتے رہتے ہین، لیکن اجر و عبادت سے قطع نظر کرکے اپنے ذوق و شوق اور ولولہ کے لحاظ سے کون دل ایسا ہو، جو ہوسِ دیدار سے خالی اور حرصِ نظارہ سے کورا ہوگا؟ جی بیتاب کہ دیکھئے اور پھر دیکھئے، دس بار دیکھئے، سو بار دیکھئے، ہزار بار دیکھئے، دیکھتے رہئے، اور دیکھے جائیے! اور دیکھنے سے کبھی نہ تھکئے! ع

نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد!

باب ۲۳

حریم قدس

کلام پاک مین ایک جگہ جہان جنت سے ابلیس کے نکالے جانے کا قصہ مذکور ہے ابلیس کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہین، لاقعدن لھم صراطک المستقیم یعنی مین تیرے بندون کی راہ مارنے کے لئے، تیری سیدھی راہ مین بیٹھون گا، ظاہر ہے کہ "صراط مستقیم" یہان اپنے عام و وسیع معنی مین آیا ہے یعنی ہر نیک کام، ہر خدائی راہ، اور مفسرین نے یہی معنی لئے ہین، لیکن ابن جریر، ابن کثیر، خازن وغیرہ مین ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے، کہ اس صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے مراد مکہ اور حج بیت اللہ کی راہ ہے، تابعین مین عون بن عبد اللہ اسی کے قائل ہوئے ہین، اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم مین بھی یہ قول نقل کیا ہے، یہ ہے بیت اللہ کی اہمیت! شیطان تک نے اللہ کی اصلی راہ، اور حقیقی صراط مستقیم اسی کو سمجھا! اور اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے جب بیٹھا، تو بیت اللہ ہی کے مسافرون کی راہ مین بیٹھا! شیطان سے بڑھکر راز شناس اور کون ہے، خود مردود ہے، لیکن یہ تو خوب جانے اور پہچانے ہوئے ہے، کہ مقبولیت کا راستہ کیا ہے، اور مقبولون کی راہ کون سی ہے؟ ——————

تنہا حجاز کا نہین، محض ملک عرب کا نہین، صرف مسلمانون ہی کا نہین ساری

دنیا کا نظم و نظام، امن و امان، اسی ایک پیاری عمارت سے وابستہ، قیاماً للناس
اسی کی شان مین وارد، دنیا اس دم تک قایم، جب تک یہ شرف و عزت والا گھر
اور اس کا طواف قایم ہی، اور جس وقت یہ ڈھادیا گیا، اس کے بعد نہ کوئی مکان
باقی رہیگا، نہ مکین، ولا تقوم الساعۃ حتی لا یحج البیت،

رفعتِ مرتبہ و جلالتِ قدر کا یہ حال، لیکن اسے چھوڑیئے، کہ یہ تو سب کو مسلم
ہے، اور اس مین کسی کو کلام ہی نہین، یہان ذکر کمال کا نہین جمال کا تھا، اور گفتگو
بیتِ خلیلؑ و بیتِ ربِ جلیل کی عظمت و بزرگی کے باب مین نہین، بلکہ اس کی
دلآویزی و محبوبی کے باب مین ہو رہی تھی، شیخ فرید الدین عطارؒ اپنے تذکرۃ الاولیا
مین، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کی زبان سے یہ روایت نقل کرتے ہین، کہ ایک مرتبہ
مین مکہ مین تھا، دیکھا کہ ایک حسین نوجوان خانہ کعبہ تک پہونچنا چاہتا ہی، اتنے مین بیہوش
ہو کر گر پڑا، مین اُس کے پاس لپک کر پہونچا، دیکھا کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ رہا ہی،
مین نے ماجرا پوچھا، تو کہا کہ مین نصرانی ہون، چاہتا تھا کہ کعبہ کے حسن و جمال کا
چل کر مشاہدہ کرون، جون ہی یہان پہونچا، غیب سے کان مین آواز آئی تدخل
بیت الحبیب و فی قلبک معاداۃ الحبیب (دوست کے گھر مین قدم رکھ رہا ہی
اور دل مین دوست کی دشمنی لیے ہوئے ہے؟) اللہ اللہ! حسن و جمال کی یہ کشش!
منکرون تک کو یہ شوقِ دید! وہ جو کمال کے منکر ہین، جمال کا انکار ان سے نہ
بن پڑا! ——— عبد اللہ بن مبارکؒ کی روایت چھوڑیئے، اسے سیکڑون
برس کا زمانہ ہو چکا، اپنے زمانہ کو دیکھیے، آج اس بیسوین صدی مین، اس روشنی

اور روشنخیالی کے زمانہ مین کیا حال ہی؟ کتنے امریکی اور کتنے افرنجی، کتنے برطانوی اور کتنے اطالوی، کتنے جرمن اور کتنے فرنچ، اس تمنا اور اس آرزو مین رہتے ہین؛ اور کس کس طرح بھیس بدل بدل کر، وضع وقطع، نام وقومیت تبدیل کر کر کے، جھوٹے مسلمان، اور جعلی عرب بن بن کر اس گھر کے دیدار کو آتے رہتے ہین!

اور اس محبت پر، اس محبوبیت پر، حیرت کیون کیجئے! آخر یہ دعا کس مقبول و برگزیدہ، کس چہیتے اور محبوب بندہ کی زبان سے نکلی تھی، رب اجعل هذا البلد آمناً واجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام......ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرون، ساری دنیا کو چھوڑ دیئے، صرف اتنے ٹکڑے کو لیجئے فاجعل افئدۃ من الناس تهوی الیهم لوگون کے دلون مین اس وادی ذی زرع مین بسنے والون کی طرف، اس بے آب وگیاہ سرزمین مین ڈیرے جمانے والون کی طرف اپنے اس پاک وپاکیزہ گھر کے جوار مین وطن بنانے والون کی طرف رغبت وکشش پیدا کر دے! دعا کس نے کرائی تھی؟ دعا کے الفاظ کس کے تعلیم کئے ہوئے تھے؟ دعا کے لفظ خلیل اللہ کی زبان سے ادا ہوئے لیکن دعا کا القا کہان سے ہوا تھا؟ جس نے دعا سکھائی، اسی نے دعا قبول بھی کی اور جو سب کے دلون کا مالک اور حاکم ہی، اسی نے دلون مین رغبت اور کشش پیدا کر دی! اور پھر مکین کی نظر مین اپنے مکان کی عظمت ذرا دیکھنا، دعا مین یہ نہین کہلایا جاتا کہ اس گھر کی طرف کشش ہو، بلکہ صرف یہ کہ اس گھر کے آس پاس بسنے والون کی

طرف کشش ہو! جس گھر کے جوار مین یہ مرجعیت، یہ محبوبیت، یہ کشش ہو، تو خود اس گھر کی کشش اور محبوبیت کو کن لفظون مین ادا کیا جائے! دعا کے لئے اجابت خود استقبال کو آئی، دعا قبول ہوئی، اور ایسی قبول ہوئی کہ ابراہیمؑ والے اور اسمعیلؑ والے محمدؐ والے، اور ربِّ محمدؐ والے تو الگ رہے، کلکتہ اور بمبئی والے، دہلی والے اور شملہ والے، کشمیر اور مسوری والے، نینی تال اور دارجیلنگ والے، آکسفرڈ اور کیمبرج والے، لندن اور پیرس والے آج دنگ و حیران ہین، اور شمال اور جنوب سے شرق سے اور غرب سے خشکی اور تری سے، ریل سے اور جہاز سے، موٹر سے اور اونٹ سے ہزارون اور لاکھون مرد و عورت بوڑھے اور جوان، ادھیڑ اور بچے ہین، کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے چلے آتے ہین!

جس گھر کی محبوبیت اور جاذبیت، گھر کے نافرمانون اور باغیون تک کی نظر مین ہو، تو گھر کے مالک کے غلامون اور حلقہ بگوشون کے دلون کی کیفیت اس کے متعلق کیا ہوگی! حرم کے اندر داخل ہوتے ہی اور کعبہ مطہر پر نظر پڑتے ہی، نہ پوچھئے، کہ دل کی کیا کیفیت ہوئی۔ معلم نے اس وقت کیا دعا پڑھائی، یہ تو یاد نہین، اور کوئی دعا پڑھائی بھی تھی یا نہین، یہ بھی اب پوری طرح حافظہ مین نہین ــــــــ اس وقت اتنا ہوش اور اتنا دماغ کسے تھا، ــــــــ البتہ یہ خوب یاد ہے کہ اس جمالِ مجسم پر نظر پڑتے ہی بے اختیاری کے عالم مین بیساختگی کے ساتھ جو دعا زبان پر آئی، وہ بے حساب و کتاب اپنی آمرزش و مغفرت کی دعا تھی! خود غرضی کا یہ عالم، کہ مثلاً اس وقت کوئی دوسرا یاد نہین پڑا، میدانِ حشر کی طرح صرف نفسی نفسی زبان پر تھا، اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی حق مین دعا نکلی، مگر چند ہی لمحون کے بعد اپنے والے بھی یاد پڑے

اور عزیزون، دوستون، اور امت اسلامیہ مین جو جو یاد پڑتے گئے، سب کے حق مین دعائین ہوتی رہین، یہ تو آپ بیتی تھی، لیکن کتابون مین عموماً یہ لکھا ہوا ہی، کہ خانہ کعبہ پر اول نظر پڑتے ہی یہ دعا پڑھے، اور یہی رسول اللہ صلعم سے منقول ہی (بہ تغیر بعض الفاظ) اللھم زد بیتک ھذا تعظیماً و تشریفاً و مھابۃً و زد من تعظیمہ و تشریفہ من حجہ و عمرہ تعظیماً و تشریفاً و مھابۃً" ایک روایت مین نبی کریم صلعم سے دعا کے یہ الفاظ بھی منقول ہین، اعوذ برب البیت من الدین و الفقر و من ضیق الصدر و عذاب القبر، حضرت عمرؓ کی بابت منقول ہی، کہ وہ جب خانہ کعبہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے، اللھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام، اور فقہاء حنفیہ نے عموماً یہ لکھا ہی، کہ سب سے پہلے تین بار اللہ اکبر کہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے، اور اس کے بعد جو دعا چاہیے مانگے، اس پر سب کا اتفاق ہی، کہ (فان الدعاء مستجاب عند رؤیۃ البیت) رویت کعبہ کے وقت جو دعا کیجاتی ہی مقبول ہوتی ہی، مقبولیت دعا کا یہ خاص اور اہم وقت ہوتا ہی، آیندہ کے لئے تمام عازمین حج و عمرہ اس وقت کی اہمیت کو یاد رکھین، اور اس وقت عزیز کو ہرگز اپنی غفلت و تساہل سے ضایع و برباد نہ ہونے دین،

ہوش و حواس ذرا بحال ہوئے، تو پہلا کام یہ کیا، کہ حرم مین نماز عصر پڑھی، حرم کی کیفیت کیا بیان ہو، وسعت مین یہ مسجد الحرام مسجد نبویؐ سے کہین بڑھی ہوئی ہی، گو دلکشی مین اس کی ٹکر کی نہین، لوگون کا بیان سننے مین آیا، کہ اس کے اندر ایک لاکھ انسان تک نماز پڑھ سکتے ہین، صرف صحن کا طول پانسو سوفٹ اور عرض نو سوفٹ

سے زائد بیان کیا جاتا ہے، چارون طرف بڑے بڑے وسیع فراخ وعالیشان دالان
اس کے علاوہ ہین، دروازے متعدد ہین، زبانی تو وہان اکتالیس دروازے سننے
مین آئے تھے، مگر کتابون مین نام صرف سترہ کے نظر پڑے، منارے چھ ہین، اور چھوٹے
بڑے گنبدون کی تعداد غالباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے متجاوز ہے، دالانون سے خانہ کعبہ تک پہونچنے
کے لئے صحن مین متعدد روشین یا سڑکین پتھر کی چھ چھ ساڑھے چھ چھ فٹ چوڑی بنی
ہوئی ہین، ان کی تعداد بھی دس بارہ سے کیا کم ہوگی، صحن مین عموماً چھوٹی کنکریان
بچھی ہوئی ہین، اس لئے خانہ کعبہ تک پہونچنے کے لئے ان سڑکون سے کام لینا ہوتا ہے، دھوپ
کے وقت یہ پتھر کی روشین خوب جل اٹھتی ہین، پیرون کو اس تکلیف سے محفوظ رکھنے
کے لئے سفید ہلکی سلیپر ہین، جو بمبئی مین بھی اور مکہ مین بھی خاص اسی غرض کے لئے ملتی
ہین، لے لینا مناسب ہوتا ہے، اپنے گھر سے حرم تک اپنا معمولی جوتا پہنے ہوئے آئیے،
اور حرم کے اندر اگر اس مخصوص سلیپر کو پہن لیا جائے، تو پیر تکلیف سے بالکل محفوظ
ہو جائین گے، بجلی کی روشنی سارے حرم کے اندر ہوتی ہے، صحن مین جابجا بجلی کے
قمقمے ستونون مین لگے ہوئے، یہ وہی مسجد ہے جہان کی ایک رکعت نماز، کہین اور کی
ایک لاکھ رکعتون کے برابر اجر رکھتی ہے! اس وسعت کرم و رحمت کا کچھ ٹھکانا ہے! یہ مسجد
گویا اصل ہے، اور ساری دنیا کی مسجدین گویا اسی کی نقل، یہان کی نمازون، اور یہان
کے نمازیون کا کیا پوچھنا، جدھر نظر اٹھائیے ہر طرف نماز ہی نماز ہے، اور نمازی ہی
نمازی، صحن مین چار چھوٹی عمارتین مصلی حنفی، مصلی شافعی، مصلی مالکی، مصلی حنبلی
کے نام سے بنی ہوئی ہین، لیکن یہ کچھ ضرور نہین کہ ہر مصلی پر خاص اسی فرقہ کے لوگ
نماز پڑھین، جس کا جہان جی چاہے آزادی کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہے، جابجا لوگ کلام مجید

کی تلاوت کر رہے ہین،

نماز سے فارغ ہوتے ہی خانہ کعبہ کے طواف کے لئے بڑھے، خانہ کعبہ وسط صحن مین واقع ہی، ایک سیاہ رنگ کا، سیاہ غلاف کے اندر عظیم الشان کمرہ طول تقریباً ۵۰ فٹ، عرض ۴۰ فٹ، اور بلندی ۸۰، ۱۰ فٹ اس کے چارون طرف چکر لگانے کو ایک گول راستہ بنا ہوا، اسی حلقہ کو مطاف کہتے ہین، اور کسی کے گھر کے شیدائی گھر والے کی زیارت کے مست و دیوانے، اسی پر گھوم گھوم کر اپنے دل کے ارمان پورے کرتے رہتے ہین، ہر چکر کو ایک شوط کہتے ہین، اور ہر طواف مین سات شوط ہونا چاہئین، ہر چکر حجر اسود کے سامنے سے شروع ہوتا ہی، اور یہین ختم ہوتا ہی حجر اسود وہ مشہور پتھر ہی جو خانہ کعبہ کی اس دیوار مین جدھر دروازہ ہی، زمین سے چار فٹ کی بلندی پر لگا ہوا ہی، طواف کا طریقہ یہ ہی، کہ حجر اسود کے محاذ مین کھڑا ہو کر، نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح، دونون ہاتھ اٹھا کر کان تک لیجائے، اور تکبیر و تہلیل کے بعد ہاتھ چھوڑ دے، اور دل سے طواف بیت کی نیت کر کے مطاف پر اس طرح چلنا شروع کرے کہ خانہ کعبہ ہمیشہ بائین ہاتھ کی طرف رہے، فقہ حنفی مین سات شوطون مین سے چار فرض ہین، باقی واجب، طواف باوضو کرنا چاہئے، حالت طواف مین اگر نماز شروع ہو جائے، تو چاہئے کہ طواف چھوڑ کر جماعت مین شریک ہو جائے، اور بقیہ طواف بعد نماز پورا کرے، طواف کے سات چکرون مین سے پہلے تین چکرون مین مردون کے لئے اضطباع اور رمل کا حکم ہی، اضطباع کا مفہوم یہ ہے، کہ داہنا شانہ کھول کر احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے لا کر بائین شانہ پر ڈال لے، اور رمل کے

معنی یہ ہین کہ دونون شانون کو ہلاتے ہوئے اور میدان جنگ مین سپاہیون کیطرح اکڑتا ہوا جلدی جلدی چلا جائے، یہ سارے طریقے اور حالت طواف مین پڑھنے کی دعائین معلم خود بتاتے جاتے ہین، سب زبانی یاد کس کو رہ سکتی ہین، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ تمامتر معلم ہی پر بھروسہ نہ کرلیا جائے، بلکہ ارکان و مناسکِ حج کی کوئی معتبر کتاب خود اپنے پاس بھی رہے،

حجرِ اسود کو بوسہ دینا سنت ہی اور اسکی بڑی فضیلت ہی لیکن ہجوم مین گھس کر خود تکلیف اٹھانا، اور دوسرون کو دھکے دینا ہرگز صحیح نہین، ایسی صورت مین حکم یہ ہی کہ چھڑی سے اسے چھوکر چھڑی کو بوسہ دے، لیکن اگر یہ بھی دشوار ہو (اور علی العموم حج کے موقع پر یہ دشوار رہتا ہی) تو بس دور سے حجرِ اسود کی طرف توجہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ ہتھیلیون کی طرف سے دکھانا، اور انھین بوسہ دے لینا اور اللہ اکبر لا الہ الا اللہ والحمد للہ کہنا اور درود پڑھنا بالکل کافی ہی، طواف کی نیت کے لئے یہ الفاظ منقول و ماثور ہین، اللھم انی ارید طواف بیتک الحرام فیسرہ لی وتقبلہ منی اور اس کے بعد عام معمول ان دعاؤن کا ہی، بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ اللھم ھذا البیت بیتک وھذا الحرم حرمک وھذا الامن امنک وھذا مقام العائذ بک من النار، اعوذ بک من النار فاعذنی منھا، اللھم انی اعوذ بک من الشرک والشک والنفاق والشقاق وسوء الاخلاق وسوء المنقلب فی المال والاھل والولد، اللھم اجعلہ حجا مبرورا وسعیا مشکورا وذنبا مغفورا وتجارۃ لن تبورا یا عزیز یا غفور، اللھم انی اعوذ بک من الکفر واعوذ بک من الفقر

ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیاء والممات واعوذ بک من الخزی فی الدنیا والاخرۃ، ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار،

ایک دو کو نہین، سیکڑون ہزارون کو دیکھا کہ حجر اسود تک پہونچنے کے لئے دوسرون کو ڈھکیل دیتے ہین اور خود بھی برابر دھکے کھا رہے ہین، اور جب اتنی مشقتون کے بعد کسی طرح وہان تک پہونچ جاتے ہین، تو واپس ہوکر ایک فاتحانہ انداز سے ادھر اُدھر دیکھتے ہین گویا بہت بڑا ثواب کما آئے، یہ سرتاسر نادانی ہو، شمس الائمہ امام سرخسی نے صاف صاف لکھدیا ہو کہ

ثم ابدأ بالحجر الاسود فاستلمہ .... ان استطعت من غیر ان توذی مسلماً... لان استلام الحجر سنۃ والتحرز من اذی المسلم واجب فلا ینبغی لہ ان یوذی مسلماً لاقامۃ السنۃ

(مبسوط)

طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرو، اور اسے بوسہ دو، بشرطیکہ ایسا کرنا کسی مسلمان کو تکلیف پہونچائے بغیر ممکن ہو، اس لئے کہ حجر اسود کا بوسہ سنت ہو، اور ایذاء مسلم سے احتراز واجب ہے اور درست نہین کہ ادائے سنت کے لئے کسی مسلمان کو ایذا پہونچائی جائے،

اور اسی کے قریب قریب تمام فقہاء کے ہان تصریحات ملتی ہین، ثم استقبل الحجر مکبرا مہللاً مستلماً بلا ایذاء (کنز) لان استلام سنۃ والکف عن الایذاء واجب (بحر الرائق) ویقبل الحجر ان استطاع من غیر ان یوذی احداً ...... وان لم یستطع استلام الحجر من غیر ان یوذی احداً لا یستلمہ (قاضی خان) وغیرہ،

کم علم معلمون نے اپنی سہولت وآسانی کے لئے چند گنی چنی دعاؤن کا دستور

باندھ لیا ہی، اور بیچارے حاجیون کو یہ سمجھا اور ڈرا رکھا ہی، کہ طواف کے وقت صرف وہی مخصوص دعائین پڑھی جا سکتی ہین، حالانکہ یہ بالکل بے اصل ہے، شریعت نے اس موقع پر بڑی وسعت دے رکھی ہی، البتہ ظاہر ہے، کہ جو دعائین ماثور ہین، اُن کے الفاظ کی برکت بہت زائد ہی، مطاف، حج کے موسم مین، دن اور رات کے کسی گھنٹہ مین بھی خالی نہین رہتا، ہر وقت اور ہر آن ایک مسلسل چکر ہی کہ جاری ہی، صبح اور شام کے ٹھنڈے وقتون کو چھوڑیئے، رات کے ایک اور دو بجے اگر دیکھئے تو، اور ٹھیک دوپہر کی تیز گرمی کے وقت آکر دیکھئے تو، ایک دو نہین، سیکڑون اور ہزارون دیوانے بس برابر چکر کاٹتے ہوئے ہی ملین گے، اور ان دیوانون مین کیسے کیسے ہوشیار اور فرزانے بھی ہین! مرد بھی، اور عورتین بھی، کمزور بھی، اور پہلوان بھی، لاٹھی ٹیک کر چلنے والے بڈھے بھی اور انگلی پکڑ کر چلنے والے بچے بھی، عالم بھی اور عامی بھی، زاہد بھی اور فاسق بھی، گدائے بینوا بھی اور بمبئی کے لکھ پتی سیٹھ جی بھی، صحرائے عرب کا بدو بھی اور مصر کا فیشن مآب شہری بھی، بھوکے بنگالی بھی اور دکن کے تشخیم نواب و رؤسا بھی، سب کے سب ایک رب کے پرستار، ایک اللہ کے بندے، ایک رسول ؐ کے امتی، ایک ہی آقا کے حلقہ بگوش، ایک دھن مین مست، برابر ایک گھر کا چکر کاٹ رہے ہین! ان مین کتنے قطب ہون گے، کتنے ابدال ہون گے، کتنے اللہ کے اولیاے کاملین مین سے ہون گے! انھین کون پہچانے؟ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح نے اسی مطاف مین کس کس کی زیارت نہین کی ہے، کیسے کیسے مکاشفات نہین

نصیب مین نہین آئے ہین، کون کون سے اسرار ہیین حل نہین کئے ہین!
لیکن آج کوئی آنکھ بھی محی الدین ابن عربی کی رکھتا ہے؟ طور اب بھی وہی
ہے، تجلیات اب بھی وہی ہین، جواب مین لن ترانی کہنے والا اب بھی جون کا
تون ہے، لیکن رب ارنی پکارنے والا بھی کوئی ہے؟

باب ۲۴

کعبہ مقصود

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران رکوع ۱۰)

یقیناً، پہلا گھر جو انسانوں کی عبادت کیلئے مقرر کیا گیا، وہ وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے، برکت دیا گیا اور جہانوں کے لئے ہدایت!

اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں لے رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے، جس کی بابت کہا گیا ہے "دنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا" روے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ! صدی دو صدی کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار برس کی عمارت نہیں، دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اُس وقت کا پتہ بتا سکتی ہے! کسی نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے! جس گھر کی بنیادیں، خود آدمؑ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں سے کون اس وقت کی یاد اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ سکتا ہے! اللہ اللہ! اس طویل اور بے حساب مدت میں، اس ناقابل پیمائش عرصہ میں، کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے، کتنے مندر تعمیر ہوئے، اور ڈھئے، کتنے گرجے آباد ہوئے اور اجڑے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے، اور آسمان نے دکھلائے! بلندیاں پست ہوئیں اور پستیاں بلند ہوئیں، یونان مٹا، مصر مٹا، چین مٹا

ہندوستان مٹا، ایران مٹا، رومہ مٹا، بابل مٹا، کلدانیہ مٹا، خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے، کتنے بڑھے اور بڑھکر گھٹے، پر ایک عرب کے ریگستان مین، خاک اور ریت کے سمندر مین، چٹانون اور پہاڑیون کے وسط مین، وادیون اور گھاٹیون کے درمیان یہ سیاہ چوکور گھر، جسے نہ کسی انجنیر نے بنایا نہ کسی مہندس نے، جون کا تون کھڑا ہوا ہے، بصدہا طوفان، ہزارہا انقلابات، بیشمار زلزلے، آئے اور گذر گئے، اور اس پاک اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا، نہ کوئی زار نکولس، اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن، جو اسے مٹانے کو اٹھا، وہ خود مٹ گیا، اور اللہ کے گھر مین اللہ کی جو عبادت آدم اور حوا نے کی تھی، وہی آج آدم کے فرزند اور حوا کی بیٹیان کر رہی ہین! "مبارکا" کی تفسیر مین بہت سے اقوال لائے گئے ہین، لیکن اس کھلی ہوئی برکت، اس مشاہدہ محسوس برکت کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہے؟

"اول بیت" سب سے پہلا عبادتخانہ، رومی مورخ نے اعتراف کیا، کہ اس سے قدیم تر کوئی معبد نہین ملتا، ڈوزی نے بھی یہی کہا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا والون نے اسکی قدامت تسلیم کی، میور تنقید کے لئے اٹھا، لیکن رومی مورخ کی تائید کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا، مارگولس اسلام کی عداوت کے نشہ مین سرشار، لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا، لیکن اس کی ہزیان سرائی خود اسی کے ہمپیشہ والون اور قبیلہ والون سے داد نہ حاصل کر سکی، اور حق کا کلمہ جہان تھا، وہین قایم رہا، مومنون کے ایک سردار علی مرتضیٰ نے جو کچھ کہا تھا (عن علیؓ، قال کانت البیوت قبلہ ولکنہ اول بیت وضع لعبادۃ اللہ، رواہ ابن حاتم) منکرون اور دشمنون کو بھی وہی کہنا پڑا،

اور پھر اس سرورؐ کائنات کے سردارؐ نے جو ارشاد فرمایا ہے، کہ بیت الحرام کی تعمیر بیت المقدس سے بھی چالیس سال قبل ہوئی، کون اس سے انکار کی مجال رکھتا ہے؟ اول بیت بھی یہی اور آخر بیت بھی یہی، سب سے پہلا عبادت خانہ بھی یہی، اور سب سے آخری عبادت خانہ بھی یہی، تعمیر اس وقت ہوا جب دنیا کی تعمیر ہوئی، اور جس وقت یہ مٹے گا سارا کارخانۂ کائنات بھی منتشر رہیگا، قیاماً للناس کی اس سے زیادہ صاف، واضح، اور روشن تفسیر اور کیا ہوگی؟ گھر بھی آخر کس کا گھر ہے، مکان کی نسبت بھی آخر کس مکین کی جانب ہے! اللہ کا گھر، بے جسم و بے نشان والے کا گھر، رب السموات والارض کا گھر، بیت اللہ! روے زمین کے سارے طول و عرض میں کوئی اور گھر بھی، کہیں اور کبھی، اس نام سے پکارا گیا؟ دیویوں کے مٹھ کتنے بنا لئے گئے، دیوتاؤں کے مندر کتنے سجائے گئے، بتوں کی پوجا کے لئے کیسے کیسے کلس وار شوالے سنوارے گئے، اور آج بیسویں صدی کے دور جاہلیۃ الاخریٰ میں علم اور سائنس کی دیویوں، اور تہذیب و تمدن کے دیوتاؤں کی پوجا کے لئے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نام سے، عجائب خانوں اور تجربہ گاہوں کے نام سے، اکاڈمی اور آرٹ گیلری کے نام سے کتنے بتکدوں اور صنم خانوں کی اونچی اونچی تعمیریں کہاں اور کس حصۂ زمین میں نہیں ہو رہی ہیں! بیشمار بت ہیں، اور بیشمار ہی بتکدے، لیکن وہ جو ایک اکیلا ہے، واحد اور احد ہے، یکتا اور لاشریک ہے ——— ذرا شان توحید کا پرتو دیکھنا ——— اس کا مکان بھی اس عالم آب و گل میں صرف ایک ہے! تاریخ کے اوراق الٹ ڈالو، جغرافیہ کی مدد سے ان وسیع و فراخ سطح زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالو، بیت اللہ کے نام کی صرف یہی ایک عمارت ملے گی!

اور پھر گھر بھی کیسا گھر؟ کس صفت کا گھر؟ ھدیً للعالمین، ساری دنیا کے لئے ہدایت رکھنے والا، ہر قوم، ہر ملک، ہر طبقہ، ہر گروہ کو درس ہدایت دینے والا' اس کے انوار اور اس کے برکات، اس کے فیوض اور اس کی ہدایات، کسی ایک زمانہ کے لئے، کسی ایک ملک کے لئے مخصوص نہیں، زمان کے قیود، اور مکان کے حدود سے آزاد، جب اور جہاں، جسکا جی چاہے، اس سے فیض حاصل کرے؛ دعوی کا ثبوت الگ رہا، نفس یہ دعوی بھی دنیا کے کسی دوسرے مکان نے پیش کیا ہے؟ کسی مکان سے اب تک یہ صدا بلند ہوئی ہے، کہ میری تعلیمات ساری دنیا کے لئے ہیں؟ دنیا میں بڑے بڑے مقنن اور قانون ساز آئے، بڑے بڑے مصلح آئے، عارف آئے، کامل آئے، ولی آئے، نبی آئے، پیام لیکر آنے والے آئے، کسی نے بنی اسرائیل کے گلے کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ دکھائی، کسی نے شام میں توحید کی منادی کی کسی نے مصر میں حق کی دعوت پہونچائی، کسی نے ہندوستان میں وعظ کہے لیکن بلا تفریق وتخصیص، ہر قوم اور ہر ملک، ہر اقلیم اور ہر زمانہ کے لئے پیام ہدایت نہ کسی منارہ سے سنا گیا، نہ کسی گرجا سے، نہ کسی کانگرس کے اسٹیج سے، نہ کسی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے، نہ کسی پارلیمنٹ سے نہ کسی سینٹ ہال سے، نہ کسی چیمبر آف ڈیپوٹیز سے ———— ہاں کل کائنات کے لئے، عالم وجاہل کے لئے، مشرقی ومغربی کے لئے گورے اور کالے کے لئے یکساں پیام تسلی بجز اس گھر کے اور کہاں سے سنایا گیا' پیام سنانے والے نے پیام سنا دیا، مکین نے مکان کی طرف سے دعوی کا اعلان کر دیا، جنکی آنکھیں ہیں، بحمد اللہ وہ آج بھی دیکھ رہے ہیں، اور جنھوں نے اپنی آنکھیں پھوڑ رکھی ہیں، وہ کل دیکھیں گے، کہ ہدایت وروحانیت، تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس،

باطن کی پاکیزگی اور ظاہر کی آراستگی کا سرچشمہ اسی مکان سے پھوٹ پھوٹ کر ابل رہا ہے! اور قیامت شروع ہو جانے تک برابر ابلتا رہے گا!

مکانات لاکھون کے خرچ سے، دنیا مین کتنے بن چکے، بادشاہون کے محل بھی اور وزیرون کی کوٹھیان بھی، رئیسون کی حویلیان بھی اور نوابون کے دیوان خانے بھی، سب مٹ گئے، خاک سے بلند ہوئے تھے اور خاک مین مل گئے، ساسانیون کی عشرت گاہین اور رومیون کے حمام کہین باقی ہین؟ پرتھی راج کے محل، اور تیمور کے قصر و ایوان آج کیون نظرون سے غائب ہو گئے؟ کہو گے، کہ یہ کچھ نہ سہی، لیکن آخر آگرہ مین تاج محل، اور فرانس مین ائیفل ٹاور تو موجود ہی، بیشک موجود ہی، لیکن اسی حیثیت سے جس سے، کہ لڑکون کے کھلونے اور لڑکیون کے گھروندے موجود رہتے ہین، بجز ایک سیر، تماشہ اور دل بہلاؤ کے، ان کی کوئی اور حیثیت ہی؟ تاج محل اور ائیفل ٹاور کی عزت، احترام، تقدیس، کسی کے دل مین ہی؟ ایک طرف وہ لاکھون روپیہ کا اینٹ اور چونہ کھائے ہوئے، لق و دق کھنڈر ہین اور دوسری طرف یہ ہر تکلف و تصنع سے معرا، سادہ اور ستھرا اللہ کا گھر ہی، مثابۃً للناس و امناً، بے اندازہ مدت سے قایم، اور ہنجار عقیدتون اور تعظیمون کا مرکز! لاکھون ہر سال آتے ہین، چومنے اور آنکھون سے لگانے، طواف کرنے اور سجدہ کرنے، رونے اور گڑگڑانے، جھکنے اور گرنے، لاکھون آتے ہین، اور ہر سال آتے رہتے ہین! کچھ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد، اس تعمیر کی تجدید اولادِ آدم مین سے کس نے کی ہی؟ اپنے ہاتھون مین پتھر اور گارا لیے لیکر کس نے اس کی دیوارین بلند کی ہین؟ اللہ کے

اس گھر کا معمار کون تھا؟ بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں، تو بڑے بڑے کاریگر اور مہندس بلائے جاتے ہیں، وائسرائے کی کوٹھی تیار ہونے لگتی ہے، تو نامور انجینئروں کی قسمت جاگ جاتی ہے، اللہ کے گھر کی معماری کس نے کی؟ اللہ کے گھر کا مزدور کون تھا؟ اللہ کے گھر کی تیاری کے لئے اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لادے؟ اپنے ہاتھ چونے اور مٹی کے گارے میں کس نے سانے؟ عرب کی جھلجلاتی ہوئی دوپہرون میں، ریگستانوں کی لو کی لپٹوں میں، بغیر روپیہ اور پیسہ کی مزدوری کے لالچ کے، کس مزدور نے اپنے گوشت پوست کو جلایا، تپایا، جھلسایا؟ کون بندہ جواب دے؟ بندوں کا خالق، اُس گھر کا مالک، خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور، اور اُس مزدور کے نورِ نظر کا نام لیتا ہے،

واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمٰعیل،	اور جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیلؑ بھی!

مزدور جب کام کرتے ہیں، تو کچھ گن گناتے بھی جاتے ہیں، اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے، تو اپنی زبانوں پر مہریں نہیں لگائی تھیں، جس کا گھر بنا رہے تھے، اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے، ہاتھ اگر تعمیرِ بیت میں مشغول تھے، تو دل ربّ البیت میں! دل میں کسی کی یاد تھی، تو زبان پر کسی کا نام! عاجزی تھی اور خوشامد، مسکنت تھی اور تذلل، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے، اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ چشم اشکبار کے ساتھ، زبانیں اسی ذکر میں مشغول تھیں!

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم	اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بیشک تو سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے!"

العظمۃ للہ! اللہ پر قربان ہونے والوں کی، اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی یہ شان ہوتی ہے! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ یہ اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

آپ کہتے ہیں، آپ مانتے ہیں، کہ اس گھر کا سا کوئی دوسرا گھر دنیا میں نہیں، لیکن خدارا یہ تو بتائیے کہ اس گھر کے سے مزدور بھی دنیا کے کسی گھر کو ملے؟ قربان اس گھر کے مالک کے، قربان اس گھر کے مزدوروں کے! بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے بنوایا، اور جنوں سے بنوایا، لیکن اس مقدس گھر کو دیکھنا اس کے مزدور سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم جنات نہ تھے، وہ تھے جو خود سلیمان علیہ السلام کے بزرگوں کے بزرگ، اور اجداد کے جد تھے! دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی جو بیت اللہ کے مزدوروں نے مانگی؟ اور کس کو وہ مزدوری ملی، جو بیت اللہ کے مزدوروں کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب تنہا اپنے لئے نہ تھی، ہمارے لئے بھی، آپ کے لئے تھی، ان سب کے لئے تھی، جو آج اپنی کوئی نماز اللہ کے مقدس گھر کے اس مقدس مزدور پر درود بھیجے بغیر تمام نہیں کرتے، اور نہیں کر سکتے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک امت اپنی فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بتا، اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما، اور تو بیشک رحمت سے بڑا توجہ کرنے والا اور مہربان ہے۔

ابراہیمؑ کی دعا خالی نہین جا سکتی تھی، گھر کے بنانے والون کو تو جو کچھ مزدوری ملی لے
یا تو وہ خود جانے، یا مزدوری کا دینے والا، لیکن اس گھر کی زیارت کرنے والون کو
اس گھر کا طواف کرنے والون کو، اس گھر کی طرف سفر کرنے والون کو، اس گھر سے
تعلق رکھنے والون کو، اس گھر کی محبت و عظمت کو دل مین جگہ دینے والون کو کیا
کچھ نہین مل سکتا؟ کیا کچھ نہین مل جاتا؟ کیا کچھ نہین ملا؟

جس گھر کے یہ معمار ہون، یہ مزدور ہون، اس گھر کی بے حساب تقدیس اور بے اندازہ
عزت پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے؟ یہ سب دیکھتے ہین، کہ گھر برکتون اور عزتون
کا گھر ہے، مگر یہ بھول جاتے ہین، کہ گھر کے معمار اور مزدور کیسے برکت والے کیسی عزت
والے، کیسے تقوی اور تقدیس والے تھے، روم کا عارف کہتا ہے،

کعبہ را کش ہر دمے عزت فزود | آن ز اخلاصات ابراہیم بود
فضل آن مسجد نہ خاک و سنگ نیست | لیک در بنائش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے کہ کعبہ کی عزتون اور فضیلتون مین تم ہر لحظہ جو ترقی و برتری دیکھتے
ہو، یہ ابراہیمؑ کے خلوص وصدق نیت کا ثمرہ ہے، وہی پتھر اور وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور
ہر عمارت کی تعمیر ہوتی ہے، اس مسجد مین بھی لگے ہوئے ہین، ان کے علاوہ اس مین کوئی
نئی چیز نہین، نئی چیز جو ہے، وہ یہی ہے، کہ اس کا بنانے والا کوئی انجنیئر نہ تھا، کوئی ماہر فن
ہندسہ نہ تھا، کوئی بادشاہ و وزیر نہ تھا، وہ تھا جو اپنے نفس کو پاک کر چکا تھا، اپنی خودی
کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا سے ملا چکا تھا، روایات مین آتا ہے، کہ آسمان پر جو فرشتون کا
کا قبلہ ہے، بیت المعمور، اور جس کے گرد اگرد ہر وقت ستر ہزار ایسے فرشتے جو ایک

دن کے بعد دوبارہ نہین آتے بلکہ ان کے بجائے اسی تعداد مین نئے آجاتے ہین طواف
کرتے رہتے ہین، یہ زمینی خانہ کعبہ ٹھیک اُسی کے محاذ مین، اور بالکل اُس کے نیچے ہے
ان تجلیات رحمت و مرحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہی، جو ہر لحظہ اور ہر آن بیت المعمور
سے خانہ کعبہ پر پڑتی رہتی ہون گی! یہ اللہ کے خلیلؑ ہی کی آنکھ تھی، جس نے اُن تجلیات
اور اُن انوار کا مشاہدہ کیا، اور ٹھیک اُسی مقام پر، آدم علیہ السلام کے بعد از سر نو اللہ کا
گھر بنا کر اس بارشِ رحمت و کرم مین سب کو شریک کر دیا! اللّٰھم صل و بارک علی محمد
و علی آل محمد کما صلیت و بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک
حمید مجید،

"یہی بیت" تھا جس کا طواف شروع ہوا، معلم عبدالقادر سکندر اپنے ہمراہ مطاف کے
اندر لائے، اور سارے قافلہ کو اپنی رہنمائی مین طواف کرانا شروع کیا، ہجوم اچھا خاصا تھا،
لیکن مطاف بھی ماشاء اللہ خوب وسیع ہی، زیادہ کشمکش نہین ہونے پاتی، اور اگر نجدی
و بدوی حجاج اپنے کو ذرا قابو مین رکھین، تو اتنی بھی کشمکش نہ ہونے پائے، خود معلمین بھی خاصی
بے احتیاطی کرتے رہتے ہین، اور لوگون کو ڈھکیلتے اور دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش
کرتے ہین، بس اس ایک شے کے علاوہ مطاف اور ہر طرح پر بڑے امن اور دلچسپی کی
جگہ ہی، بوڑھے جوان، بچے، عورتین، تندرست و توانا، کمزور و لاغر، سبھی طرح کی خلقت ہی،
سب اپنے اپنے چکر مین مصروف، جو بوڑھے اور ناتوان اپنے پیرون سے طواف نہین کر سکتے
ان کے لئے اجازت ہی کہ شُبری پر طواف کرین، یہ ایک طرح کا کھٹولا ہوتا ہی جسے جوان
مزدور اپنے سرون پر اٹھائے رہتے ہین، بہت سے بیمارون کو اس طرح لیٹے لیٹے طواف

کرتے دیکھا، ناواقف حاجیوں کو تو معلم کے بغیر چارہ ہی نہیں، اچھے خاصے لکھے پڑھے بھی پہلی دفعہ چکر میں آجاتے ہیں، البتہ ایک مرتبہ واقف ہو جانے کے بعد پھر زیادہ دقت نہیں رہتی، بہتر یہ ہوگا کہ مناسک کی کتابیں پہلے سے دیکھ ضرور رکھی جائیں، ہم لوگ تو بالکل معلم کے ہاتھ میں تھے جہاں سے انھوں نے شروع کرایا شروع کیا اور جہاں پر انھوں نے ختم کرایا ختم کیا، رمل، اضطباع وغیرہ سب انھیں کی ہدایت کے مطابق کرتے رہے ایک چکر، دو چکر، تین چکر، لیجئے آدھ گھنٹے کے اندر پورے ساتوں چکر ختم ہوگئے اور ہم لوگ طواف ختم کرکے واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم کی طرف بڑھے،
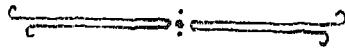
باب ۲۵

دیارِ خلیلؑ

مقام ابراہیم کا نام کلام مجید مین دو جگہ آیا ہی لیکن بغیر حاجی ہوئے یہ سمجھنا مشکل ہی کہ مقام ابراہیم ہے کیا چیز، مقام ابراہیم کے لفظی معنی ہین ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ، روایات مین آتا ہی کہ خلیل اللہ کی تعمیر کے وقت جب خانہ کعبہ کی دیوارین اونچی ہونے لگین، تو قدرۃً پاڑ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اُس وقت حضرت جبرئیل نے ایک پتھر لاکر رب جلیل کے خلیلؑ کی خدمت مین پیش کیا، اس پر کھڑے ہوکر اللہ کے گھر کے اُس معمار نے کعبہ کی دیوارین بلند کرنی شروع کر دین، جب نیچے سے پتھر گارا وغیرہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی تھی، تو یہ پتھر خود بخود جھک کر نیچا ہو جاتا تھا، اور جون جون دیوار بلند ہوتی جاتی تھی، اور اوپر تک ہاتھ پہونچانے کی ضرورت ہوتی تھی، یہ پتھر بھی از خود بلند ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر حجر اسود کی طرح آج تک محفوظ چلا آتا ہی، اور بعض روایات مین آیا ہی کہ اس پر اللہ کے خلیلؑ کے قدم مبارک اور انگلیون کے نشان تک بنے ہوئے ہین۔ —— پتھر کے متعلق تو خیر یہ مشہور ہی کہ وہ اس دنیا کا نہین، جنت سے لایا گیا تھا، اس کے محفوظ رہجانے پر اتنی حیرت نہ کیجیے لیکن ابراہیمؑ تو اسی مادی دنیا کے، اسی عالم ناسوت کے، اسی عالم آب و گل کے تھے، اُن کی

انگلیاں اور اُن کے پیروں کے تلوے، تو اسی گوشت و پوست کے بنے ہوئے تھے، آخر اُن کے نشانات کیسے محفوظ رہ گئے؟ دھوپ کی کیسی کیسی کڑی شعاعیں پڑیں، بارش کس زور زور کی ہوتی رہی، ایک دو دن نہیں، سال دو سال نہیں، ہزارہا برس تک سارے عناصر اپنا زور دکھاتے رہے، اور وہ نقش نہ مٹے! اتنی طویل مدت میں کون باقی رہا؟ کلدانیہ کا تمدن مٹ گیا، بابل کا اقبال افسانہ بن گیا، مصر کی تہذیب خواب وخیال ہوکر رہ گئی، رومہ مٹ گیا، یونان مٹ گیا، نہ دارا رہا، نہ سکندر، نہ ہنیبال رہا، نہ قیصر، نہ چنگیز رہا نہ ہلاکو، جنکو گھمنڈ اور دعوی تھا کہ ہم سبکو مٹا دینگے، اور خود مٹ مٹکر اور ملیامیٹ ہوکر رہ گئے، پر ایک خاک کے پتلے کے نقش قدم ہیں، کہ وہ کسی کے مٹائے نہ مٹے! وہ خاک کا پتلا اپنے اللہ کا مطیع ہو گیا تھا، کائنات کی ساری قوتیں بھی اس کی مطیع کردی گئیں! وکذالک نجزی المحسنین،

یہ پتھر رسول اللہ صلعم بلکہ حضرت صدیق رض کے زمانہ تک خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل اپنی اصلی جگہ پر رکھا رہا تھا، شاہ عبدالعزیز دہلوی رح اپنی تفسیر میں سنن بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ عہد فاروقی میں ایک سیلاب آیا، جس سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹکر بہ گیا، حضرت عمر رض کو خبر ہوئی، تو آپ خود تشریف لائے، اور اس پتھر کو دیوار کعبہ سے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر ایک مقام پر رکھوا دیا، اور اب تک وہیں رکھا چلا آرہا ہے، البتہ اب یہ کھلی ہوئی جگہ میں نہیں، بلکہ ایک چھوٹی سی جالی دار کوٹھری بنا دی گئی ہے جس پر ایک قبہ بھی ہے، اسی کوٹھری کے اندر محفوظ ہے، پہلے ہر شخص آزادی سے زیارت کر سکتا تھا، اب کوٹھری بند رہتی ہے، شاید کسی خوش نصیب کو کسی خاص وقت میں زیارت

کا موقع ملجاتا ہو، مطاف کے کنارے مشرقی جانب ایک خوبصورت محراب پتھر کی کھڑی ہوئی ہو، یہ محراب النبیؐ کہلاتی ہو اس لئے کہ حضور اکثر اسی راستہ سے تشریف لاتے تھے اسی محراب کے قریب سمت جنوب میں وہ نفیس و خوش نما قبہ ہو جس کے نیچے وہ مبارک و متبرک پتھر کوٹھری میں بند رہتا ہو اور اب مجازاً خود اسی کوٹھری کو مقام ابراہیم کہنے لگے ہیں سننے میں آیا کہ حجر اسود اور اس مقام کے درمیان ۲۷ گز کا فاصلہ ہو، کہا جاتا ہو کہ یہ پتھر تین بالشت اونچا اور دو بالشت چوڑا ہو، اور اس پر چاندی کا پتر چڑھا دیا گیا ہو، صرف اتنی جگہ جہاں قدم مبارک کا نقش ہو، اپنی اصلی حالت پر چھوٹی ہوئی ہو، ہزار ہا زائرین اس شوق و اشتیاق میں آتے ہیں کہ اللہ کے خلیلؑ کا قدم مبارک نہ سہی، اس قدم کے نقوش ہی کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائیں، لیکن دورِ سعودی میں یہ کہاں ممکن ہ سپاہی بید لئے ہوئے پہرہ پر کھڑے ہوئے ہیں، اور کوٹھری کے اندر رسائی ہونا الگ رہا، جو زائرین اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کے لئے کوٹھری کے دروازہ کی زنجیر کو مس کرنے اور بوسہ دینے کے لئے بڑھتے ہیں، مثلاً ان کے جسم پر نجدی سپاہی کے بید کی ضربیں پڑتی نظر آتی ہیں!

یہ ہے وہ "مقام ابراہیمؑ" جس کا تذکرہ، مقدس کلام میں کسی مقدس موقع پر آتا ہے فیہ آیات بینات مقام ابراھیم، اوپر ذکر بکہ (مکہ) مبارکہ کا ہو رہا ہو، اور اس مبارک شہر کے بہت مبارک کا ذکر کیا گیا، اور مبارک شہر کے مبارک گھر میں اپنی سب سے بڑی اور کھلی ہوئی نشانی اسی مقام ابراہیم کو فرمایا گیا، اور پھر محض اس تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں دوسری جگہ حکم کی صورت میں ارشاد ہوتا ہو، و اتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی (ابراہیمؑ

کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا ٹھکانا بناؤ) نماز پڑھنے کے لئے تو سارا خانہ کعبہ ہی سارا
صحنِ حرم ہی حطیم ہی لیکن ایمان والون کو اللہ کے فرمان بردار بندون کو سجدہ کرنے
پیشانی زمین پر رگڑنے کا حکم صراحت کے ساتھ ملتا ہی، تو اس زمین کے واسطے، جو ابراہیمؑ
کے خاکِ پاسے پاک و مشرف ہو چکی ہی! اللہ اللہ، اپنے چاہنے والون کی کیا کیا دلنوازیان
ہین کیسی کیسی سرفرازیان ہین! انی جاعلک للناس اماماً، سارے جہان کی امامت
و پیشوائی کا وعدہ آخر انھین ابراہیم ہی سے تو کیا گیا تھا؟ پھر آخر کیا اسکا ایفاء نہ ہوتا؟
اور امام کے جہان پیر ہوتے ہین، وہین تو سارے نمازیون کے سر آکر زمین سے لگتے
ہین! ——— "کل" سب دیکھین گے، اور آنکھون والے آج بھی دیکھ رہے
ہین، اور ہزارہا برس سے دیکھتے چلے آرہے ہین، کہ جو سب اپنے دل کے بندھن توڑ
صرف ایک اور اکیلے سے اپنا رشتہ جوڑ چکا تھا، (انی وجہت وجہی للذی فطر السموات
والارض حنیفاً وما انا من المشرکین) اور جو اپنے وقت و زمانہ کی ساری تہذیب
و تمدن اور اپنی قوم و ملت کی شان و شوکت، پر لعنت بھیج چکا تھا، (اعتزلکم وما
تعبدون من دون اللہ) اُس کے لئے کیا کیا انعام و اکرام ہین، کیسے کیسے صلے اور
رتبے ہین! "آج" دنیا جہان کے لئے اس کی امامت اور "کل" سب سے پہلا حلہ بہشتی بھی
اللہ کے گھر کے اسی معمار کے لئے! "آج" کی نعمتون کا تو ٹوٹا پھوٹا تصور ہو بھی جاتا ہی، "کل"
کی نعمتون کا اندازہ اور تصور کس انسانی دماغ کے بس کی بات ہی!!

فقہ حنفیہ مین حکم ہی کہ طواف سے فارغ ہو کر اسی مقامِ ابراہیم مین آکر دو رکعت
نماز پڑھے، پہلی رکعت مین سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری مین سورۂ

اخلاص ہو تو بہتر ہے، اتنے نصیب کہاں تھے، کہ عین مقام ابراہیم تک پہونچتے، اس کے برآمدہ مین بھی کثرت ہجوم سے نماز پڑھنے کی جگہ نہ ملی، مجبوراً مقام ابراہیم کے متصل جو جگہ اس کے اور محراب النبی صلعم کے درمیان ہی، وہان نماز پڑھی، یہ نماز رسول اللہ صلعم ہر طواف کے خاتمہ (یعنی اس کے سات چکرون کے پورے ہونے) پر پڑھتے تھے، اور اسی لئے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک یہ نماز واجب ہی، گو امام شافعی رح کے ہان محض سنت کے درجہ مین ہے نماز کے بعد معلّم نے جو دعا پڑھائی وہ غالبًا یہ تھی:-

اللھم انک تعلم سری و علانیتی	اے اللہ تو جانتا ہی میرا وطن اور میرا ظاہر پس
فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطنی	میرا عذر قبول کر، اور تو میری حاجت سے واقف
سوالی و تعلم ما فی نفسی	ہے، پس مین جو طلب کرتا ہون مجھے عطا کر، اور تو
فاغفرلی ذنوبی، اللھم انی	جانتا ہی جو کچھ میرے دل مین ہی، پس میرے
اسئلک ایمانًا یباشر قلبی	گناہون کو معاف کر دے، اے اللہ مین تجھ سے
یقینًا صادقًا حتی اعلم انہ	مانگتا ہون ایمان جو میرے دل مین جگہ رکھے، اور
لا یصیبنی الا ما کتبت لی	ایسا سچا یقین جس سے مین جان جاؤن کہ مجھے
و رضنی بما قسمت لی یا	بس وہی ملیگا جو کچھ تو نے میرے سلئے لکھ رکھا ہے
ارحم الراحمین،	اور اے سب رحیمون سے بڑھکر رحیم، مین مانگتا ہون
	تجھ سے اس چیز پر رضامندی جو تو نے میری قسمت
	مین لکھ رکھی ہی،

روایتون مین آتا ہی، کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی دعا مانگی تھی، اس کے الفاظ کی جامعیت وہمہ گیری ظاہر ہے، لیکن افسوس ہے، کہ اس کے بعد اپنی دینی و دنیوی

حاجتوں کے لئے اور جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے،

بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں، کہ بعد طواف، یہ دوگانہ، خاص اسی جگہ یعنی مقام ابراہیم ہی پر ادا کرنا چاہئے، یہ صحیح نہیں، امام محمدؒ کے الفاظ بالکل صاف و واضح ہیں:۔

ثم ایت المقام فصل عندہ رکعتین او حیثما تیسر علیک من المسجد

مقام ابراہیم پر آکر دو رکعتیں پڑھو یا مسجد میں جہاں کہیں آسانی سے جگہ مل جائے،

سرخسیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ومرادہ ان الزحام یکثر عند المقام فلا ینبغی ان یحتمل المشقۃ لذلک ولکن المسجد کلہ موضع للصلوٰۃ فیصلی حیث یتیسر علیہ،

(مبسوط، جلد ۴، ص ۱۲، مصری)

مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر سخت ہجوم رہا کرتا ہے، ایسی صورت میں یہ درست نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے لئے مشقت اٹھائی جائے بلکہ نماز کی جگہ ساری مسجد میں ہے، پس جہاں کہیں آسانی سے جگہ مل جائے نماز پڑھ لینا چاہئے،

اسی طرح کی تصریحات دوسرے فقہا کے ہاں بھی ہیں، ویرکعتین فی المقام او حیث تیسر من المسجد (کنز) ثم یاتی المقام فیصلی عندہ رکعتین او حیث تیسر من المسجد (ہدایہ) فی ای موضع تیسر علیہ من المسجد الحرام وغیرہ و ان صلی فی مقام ابراہیم فھو افضل (سراجیہ) یصلی بعد الطواف رکعتین عند المقام او حیث تیسر لہ من المسجد وان صلی فی غیر المسجد جاز (قاضیخان)

حج کے موقعہ پر جتنے اعمال ہیں، سب میں یہ قدم قدم پر ملحوظ رکھا گیا ہے،

کہ اللہ کی عبادت کرنے مین بندون کے حقوق کی ادائی مین غفلت نہ ہونے پائے، اور حتی الامکان کسی دوسرے مسلمان کو کسی نوع اور درجہ کی ایذا نہ پہونچنے پائے، حج کا سفر، قلب کی شکستگی، عبدیت، و انابت کا ایک مدرسہ ہے، اپنی کسی سہولت اور آسایش کے لئے یا کسی سنت کے ادا کرنے مین، دوسرون کی راحت و آسایش کی طرف سے بے پروائی کی کوئی گنجایش اس پاک سفر مین نہین،

خیر یہان سے چند منٹ مین فارغ ہو گئے، اور اب چاہ زمزم کی طرف بڑھے، اب زمزم اور چاہ زمزم کا نام ہر مسلمان کے کان مین پڑا ہوا ہے، زمزم اب ایک کنوئین کی شکل مین ہے، لیکن اصل مین چشمہ کا نام ہے، صحیح و مستند روایات مین اسکا جو کچھ تذکرہ آتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے آکر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیرخوار صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو جب مکہ مین چھوڑ کر واپس جانے لگے، تو ایک مشک پانی اور کچھ کھجورین اُن کے پاس رکھ گئے تھے، ایک مشک کب تک کام دیتی، پانی ختم ہوا، اور مان اور بچہ پر پیاس کا غلبہ، قریب مین صفا و مروہ، دو پہاڑیان تھین، مائی ہاجرہ امتا سے بے قرار ہو کر ان پہاڑیون کی طرف پانی کی تلاش مین بار بار دوڑتی تھین، ادھر شیرخوار پیمبر زادہ نے جو تڑپ تڑپ کر سرزمین پر پیٹے، تو ایڑیون کے نیچے زمین سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا، حضرت ہاجرہ جب سات پھیرون کے بعد مایوس واپس آئین تو دیکھا، صاحبزادہ کے قدمون کے نیچے ایک چشمہ جاری ہے! ــــــ آگے چل کر اور جوان ہو کر جس کے قدمون کے نیچے سارے عالم کی روحانی پیاس کی تسکین کے لئے فیض و ہدایت کا چشمہ جاری ہونیوالا ہو

اگر بچپن ہین مادی سیرابی کے سامان کا ظہور اُس کے قدمون کے برکت سے ہوگیا ہو، تو کوئی عقل وقیاس اسے اپنے اوپر بار کیون محسوس کرے؟ ——

بہر حال حضرت ہاجرہؓ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو باغ باغ ہوگئین، اور مٹی سے گھیر کر پانی کے لئے ایک کنوین کی سی شکل قائم کردی، اسی حالت مین زبان سے نکلا تھا "زم زم" جس کے معنی ہین، ٹھہر ٹھہر، بس اسی وقت سے اس کا نام زمزم پڑگیا، مکہ کی آبادی، اسی وقت سے قایم ہوئی، اس وقت تک شہر کے بجائے چٹیل میدان پڑا ہوا تھا، کچھ دنون کے بعد کنوان پٹ گیا، اور رفتہ رفتہ اہل مکہ اسے بھول بھی گئے، جب سرورعالمؐ کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا، تو عبدالمطلب کو خواب مین اس کنوین کا پتہ بتایا گیا، اُس وقت سے زمزم از سر نو دنیا کو سیراب کرنے لگا،

وقت مین
کہین میہ معنے
نہین -
ابوبکر

موجودہ حالت مین چاہ زمزم معمولی کھلے ہوئے کنون کی طرح نہین، بلکہ باہر سے ایک کمرہ سا معلوم ہوتا ہی، دیوار کعبہ سے ۳۲، ۳۳ گز کا فاصلہ ہوگا، کمرہ کی عمارت دو منزلہ ہی، نیچے والے کمرہ کے دو حصے ہین، ایک حصہ مین کنوان ہی، دوسرے مین آبدار خانہ، کنوان اندر اور باہر دونون طرف سے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہی، پانی کی سطح کچھ کم ستر گز کی گہرائی کے بعد ہے، کنوین کا منہ اچھا خاصا بڑا ہے، جیسا ہمارے ہان اندارے کنودن کا ہوتا ہی، منہ کا چوڑان کوئی چار گز کا ہوگا، اور پھر بارہ گز سے اوپر، چار گھرنیان (چرخیان) لگی ہوئی ہین، چارون طرف سے پانی کھینچا جاسکتا ہی، کمرہ کی چھت مین بھی پانی بھرنے کی جگہ بنائی گئی ہے کوئی چاہے

تو اوپر کے درجہ سے بھی پانی کا ڈول نکال سکتا ہی، دیواریں زیادہ تر سنگ اسود کی ہین، اوپر کے درجہ مین خانہ کعبہ کے رخ پر ایک چوبی برآمدہ ہی، چگت خاصی اونچی ہے، کوئی قد آدم، پانی کی سطح سے ذرا نیچے ایک مضبوط جالی لگادی گئی ہی، تاکہ حاجیون کے ہجوم و کشمکش مین اگر اتفاق سے کسی کی کوئی چیز کنوین مین گر پڑے، تو فوراً نکالی جاسکے، تہ تک نہ پہونچنے پائے، نالیان متعدد بنی ہوئی ہین، تاکہ گرا ہوا پانی برابر باہر نکلتا رہے، دروازہ مشرق کی جانب ہی، رات مین بند ہوجاتا ہی دن مین برابر کھلا رہتا ہی، ہر شخص کو آزادی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پانی نکالے، لیکن موسم حج کے ہجوم وچپقلش مین ہر ایک یہ نصیبہ کہان سے لا سکتا ہی؟ چرخیون تک پہونچنا اور ڈول اپنے ہاتھ سے کھینچنا الگ رہا، کمرہ کے اندر گھسنے کی بھی ہمت ہر ایک کی نہین پڑتی،

آب زمزم کی فضیلتین احادیث صحیحہ مین بکثرت وارد ہوئی ہین، ایک حدیث مین آتا ہی ماء زمزم لما شرب لہ، زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے، وہ مقصد پورا ہوگا، ایک اور حدیث مین آتا ہی، کہ زمزم کا پانی غذا ہی پیٹ بھرنے والی اور شفا ہی بیمار کیلئے، ایک اور روایت مین حضورؐ کی زبان سے منقول ہی کہ دنیا مین بہتر پانی، زمزم کا پانی ہی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین کہ ہم لوگ زمزم کو شباعہ یعنی سیراب کردینے والا، پیٹ بھر دینے والا، کہتے ہین، اور ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت مین آتا ہی، کہ اگر اس کو بیمار شفا کی غرض سے پیئے، تو اسے اللہ شفا دیگا، اگر کوئی پیٹ بھرنے کے لئے پیئے، تو اللہ اسکا پیٹ بھر دیگا، اور اگر

کوئی اسے پیاس بجھانے کے لئے پیے، تو اللہ اُس کی پیاس بجھا دیگا، متعدد اکابر امام شافعیؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، حافظ ابن حجرؒ وغیرہم اپنا تجربہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے جس غرض کے لئے اسے پیا، وہ مقصد پورا ہو کر رہا، خود حضورؐ کو بھی یہ پانی نہایت مرغوب و محبوب تھا، بہتر یہ ہے کہ اسے جب پیا جائے، تو تین سانسوں میں سیر ہو کر پیا جائے، اور پیتے وقت یہ الفاظ ماثورہ بطور دعا پڑھ لئے جائیں :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ	اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کام آنیوالا علم، اور فراخی کے ساتھ روزی اور ہر بیماری سے شفا

ایک مستقل کرامت اس کی یہ ہے، کہ لوگ اسے اپنے ہمراہ ٹین کے ڈبوں یا ڈبیوں میں بھر بھر کر لے آتے ہیں، اور لا کر برسوں رکھتے ہیں، پھر بھی نہ یہ پانی سڑتا ہے، نہ اس میں کیڑے پڑتے ہیں، یہ فضائل سب بجا و مسلم، لیکن مزے میں مدینہ کے پانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، بدمزہ یہ بھی نہیں، لیکن ایک طرح کی نمکینی ہے، اور مزے میں دودھ کی سی چکناہٹ محسوس ہوتی ہے، پھر تھوڑا سا پینے میں طبیعت سیر و آسودہ ہو جاتی ہے، مدینہ منورہ کے پانی کی سی نہ ٹھنڈک، نہ شیرینی، نہ لطافت، کہ جتنا چاہئے بغیر گرانی محسوس کئے ہوئے پیتے چلے جایئے!

عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب ہم طواف و متعلقات طواف سے فارغ ہو کر "سعی" کے لئے باہر نکلے، سعی کے لفظی معنی، تیز چلنے یا دوڑنے کے ہیں، اصطلاح میں سعی نام ہے، صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کرنے کا، سعی کا طریقہ یہ ہے، کہ پہلے خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دے، اس کے بعد باب بنی مخزوم سے یا اور کسی دروازہ سے،

حرم شریف سے باہر نکلے، اور ان مقامات کے درمیان سات پھیرے کرے، اس طرح کہ پہلا پھیرا صفا سے شروع ہو، اور ساتوان پھیرا مروہ پر ختم ہو، صفا و مروہ کسی زمانہ مین اونچی پہاڑیان تھین، مائی ہاجرہؑ پانی کی تلاش مین مضطر و بیقرار ہوکر انھین پہاڑیون پر چڑھ چڑھ کر دیکھتی تھین، کہ شاید دور سے کوئی قافلہ نظر پڑ جائے، اور اُس سے پانی حاصل ہو جائے، اب تو پہاڑیان باقی نہین رہین، معمولی بلندی کے چبوترے سے کچھ باقی رہ گئے ہین، حضرت ہاجرہؑ سات ہی پھیرے کرنے پائی تھین، کہ شیرخوار نور نظر کی ایڑیون کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا تھا، اور اُس صدیقہ کی سعی ختم ہو گئی تھی، بس اسی سعی کی یادگار آج تک قائم چلی آرہی ہے — اللہ والون اور اللہ والیون کا مرتبہ ذرا دیکھنا! طالب خود اس راہ مین مطلوب بنجاتے ہین! اپنے چاہنے والون کی ادائین کس کس طرح محفوظ رکھی جاتی ہین، ہاجرہ صدیقہ نے زندگی مین ایک بار سات پھیرے کئے تھے اس کی یادگار مین، اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت مین، کتنے لاکھ، کتنے کرور، کتنے ارب اَگنے اسی راہ پر اپنے دربار کی حاضری دینے والون سے پھیرے کرائے جا چکے ہین، اور دنیا کا کوئی ریاضی دان حساب لگا سکتا ہے، کہ قیامت تک ان پھیرون اور پھیرے کرنے والون کی تعداد کہان تک پہونچیگی! سالہا سال نہین صدیان گزر چکی ہین، اور ہاجرہؑ کے نقش قدم پر چلنے والون کا تانتا ہے، کہ کسی کے توڑے نہین ٹوٹتا ہے!

باب ۲۶

عمرہ

"صفا" و "مروہ" کا نام جب ہندوستان مین سنتے تھے، یا کتابون مین پڑھتے تھے
تو خیال ہوتا تھا، کہ شہر سے دور آبادی سے الگ، کسی ویرانہ مین یہ خشک پہاڑیان
ہونگی، کافی مسافت طے کرکے یہان پہونچنا ہوتا ہوگا، اور ان کے درمیان "سعی" کرنا
بجائے خود ایک مستقل سفر ہوتا ہوگا، یہ تخیل مکہ پہونچنے تک قایم رہا، آج سعی کے وقت
سالہا سال کی یہ غلط فہمی دور ہوئی، اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سارا تخیل بالکل
بے بنیاد تھا، صفا و مروہ کسی زمانہ مین پہاڑیان تھین، مگر اب تو ان پہاڑیون کے نشان
محض کچھ اونچے چبوترے سے، اور ان کے چند زینے باقی رہ گئے ہین، آس پاس کے
بلند مکانات ان "پہاڑیون" سے کہین زیادہ بلند ہین، پھر یہ پہاڑیان آبادی سے دور
کسی ویرانہ مین نہین، بلکہ عین وسط شہر مین، ناف آبادی کے اندر، اور حرم شریف
سے فاصلہ کچھ بھی نہین، گویا بالکل متصل، ایک دروازہ سے نکلیے، تو صفا بالکل سامنے،
دوسرے دروازہ سے نکلیے، تو چند قدم چل کر مروہ، دونون کے درمیان کا فاصلہ کچھ
کم دو فرلانگ "سعی" نام ہے اسی درمیانی مسافت کے طے کرنے کا، اور اس راستہ کو
مسعیٰ (جائے سعی) کہتے ہین، یہ سعی کسی ویران و سنسان مقام مین ہونا الگ رہا، شہر

سب سے زیادہ آباد و بارونق، اور چہل پہل والے حصہ مین واقع ہو! اچھی چوڑی پختہ سڑک، دور تک اوپر سے سائبان پڑا ہوا، کچھ دور تک ایک طرف حرم کے دروازے اور دونون طرف تقریباً سارے راستہ بھر ہر قسم کی آراستہ و پر رونق دوکانین خوشرنگ شربتون کے گلاس اور ٹھنڈے پانی کی صراحیان بکنے کے لئے ہر چند قدم پر موجود، چلتے وقت یعنی سعی کرتے وقت یہ معلوم ہی نہین ہوتا، کہ کوئی عبادت کر رہے ہین، بس یہ معلوم ہوتا ہو، کہ گویا دہلی کے چاندنی چوک یا لکھنؤ کے امین آباد مین ٹہل رہے ہین!

عصر کا وقت قریب ختم تھا، جب ہم لوگ حرم شریف سے نکل کر صفا پر پہونچے، اور معلّم کی رہنمائی مین سعی شروع کی، سعی کے سات شوط ہوتے ہین، یعنی صفا و مروہ کی درمیانی مسافت کو سات مرتبہ طے کرنا ہوتا ہو، گویا تقریباً دو میل چلنا ہوتا ہو، جو بہت سے لوگون کے لئے ایک اچھی خاصی اور تھکا دینے والی مسافت ہو خصوصاً گرمی کے موسم مین اور ہجوم کی کشمکش کے درمیان، لیکن شریعت نے مسلسل سعی ضروری نہین رکھی ہو، تھک جانے والے کو درمیان مین ستا لینے اور بیٹھ جانے کا پورا اختیار دیا ہو، جو لوگ کچھ دور بھی پیدل چلنے مین دشواری محسوس کرتے ہون، وہ سواری کے اوپر سعی کر سکتے ہین، اور اس غرض کے لئے سب سے بہتر چیز یہان کی شبری ہو، جو ایک طرح کا پلنگ ہوتا ہو، جس پر ضعیف و مریض آسانی سے لیٹ سکتے ہین، اور اس کو اپنے کاندھون پر اٹھانے والے حمّال (مزدور) بہ کثرت ہر وقت ملتے رہتے ہین، شام کا وقت دوکانداری کے شباب کا وقت تھا، اور پھر حاجیون کی بھی بڑی تعداد، دن کی گرمی سے بچنے کے لئے اسی وقت سعی کو نکلی تھی، اس لیئے

ہجوم قدرۃً اپنے پورے منتہیٰ پر تھا، آگے، پیچھے، دائین بائین ہر طرف خلقت ہی خلقت، انسانون کے ہجوم کے علاوہ کہین کہین اونٹون کی بھی مسلسل قطار سے سابقہ پڑجاتا تھا جسکا تانتا پانچ پانچ دس دس منٹ تک ٹوٹنے مین نہین آتا تھا مجبوراً اونٹون کے نیچے سے نکل نکل کر گذرنا ہوتا تھا، اونٹون سے زیادہ تکلیف دہ سرکاری اور سلطانی موٹرین تھین، جو عین حرم شریف کے متصل، زور زور سے اپنے بگل اور ہارن بجاتی ہوئی، چیختی چلاتی ہوئی، اس ہجوم کو چیر کر تیزی سے گذرجانا چاہتی تھین، اور اونٹون اور موٹرون دونون سے زیادہ تکلیف دہ بعض نجدی و بدوی قبائل تھے، جو کئی کئی مرد وعورت ایک ایک قطار قایم کئے، ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے، بلا وجہ دوڑتے اور جھپٹتے ہوئے مجمع مین گھستے تھے، اور جب انکا ریلا آنے لگتا تو بس یہی معلوم ہوتا تھا، کہ کمزور جثہ والے اکادکا حاجیون کو یہ دل کچل کر بلکہ ان کی ہڈیون تک کو سرمہ کر کے رکھدیگا، ـــــــ سعودی پولیس اور محکمۂ امر بالمعروف کے پیادے، جنکی زبانین مدینہ منورہ مین روضۂ نبویؐ کے متصل، بات بات پر چلتین، اور جن کے بید وہان بار بار اٹھتے رہتے تھے، یہان اُن مین سے کسی کا وجود نہین! یہان راستہ کے انتظام کے لئے، مجمع مین نظم وامن قایم رکھنے کے لئے، زخمیون کو اٹھانے کے لئے، کمزورون اور ناتوانون کو زبردستون اور ظالمون کی زیادتیون سے بچانے کے لئے، حکومت کا کوئی پیادہ موجود نہین! محض اس مقام کی عظمت وبزرگی، جلالت قدر و کرامت عالی ہی، کہ گرنے اور چوٹ کھانے کے حادثات بالکل نادر الوقوع ہین، ورنہ اسباب ظاہری و قرائن کے لحاظ سے تو جو کچھ بھی ہوجائے تھوڑا ہی،

فقہ حنفی کی کتابون مین سعی کا طریقہ یہ لکھا ہوا ہی، کہ حرم شریف سے نکلتے وقت
ذکر کرتے ہوئے، اور درود پڑھتے ہوئے نکلے، کوہ صفا پر چڑھنے لگے تو دل مین سعی
کی نیت کرے، اور بہتر یہ ہی کہ زبان سے بھی یہ الفاظ کہے، اللھم انی ارید السعی
بین الصفاء والمروۃ سبعۃ اشواط لوجھک الکریم فیسرہ لی وتقبلہ منی، ایک
زینہ پر چڑھنے سے کعبہ نظر آنے لگتا ہی، اس لئے زیادہ زینے چڑھنے کی ضرورت
نہین، جب خانہ کعبہ نظر آنے لگے، تو اسی طرف منہ کرکے تکبیر اور تہلیل کرے، اور
رسول اللہ صلعم پر درود پڑھکر جو دعائین مانگنا چاہے، مانگے، کہ یہ خاص محل اجابت
ہے، یہان قیام اتنی دیر رکھے، جتنی دیر مین دو تین رکوع بہ اطمینان پڑھے
جا سکتے ہون، یہان کے لئے دعاؤن کے جو الفاظ منقول و ماثور ہین، وہ
متعدد ہین، اور اکثر ان مین سے طویل ہین، ایک مختصر دعا اس موقع کے لئے
حسب ذیل بھی نقل ہوئی ہی، اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد لا الہ
الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل
شیء قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم
الاحزاب وحدہ اس کے بعد صفا سے یہ دعا پڑھتا ہوا اترے، اللھم استعملنی
بسنۃ نبیک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات
الفتن برحمتک یا ارحم الراحمین، اس کے بعد اپنی معمولی رفتار سے چلنا
شروع کرے، ڈیڑھ دو سو قدم چلنے پر وہ وادی شروع ہو جائیگی جہان ہاجرہ
صدیقہ علیہا السلام دوڑ کر چلی تھین، یہان چاہئے کہ اپنی رفتار بھی تیز کر دے، اور
ہلکی دوڑ شروع کر دے، سرپٹ بھاگنے کی ضرورت نہین، جیسا کہ اکثر

ناواقف عمل کرتے رہتے ہین، اس وادی کا طول کتابون مین چھپتر گز (سوا دو سو فٹ) لکھا ہوا ہی، وادی کے دونون سرون پر سبز رنگ کے اونچے پتھر بطور ستون نصب کر دیئے ہین، ان کو میلین اخضرین کہتے ہین، انھین دیکھ کر ہر عامی حاجی بھی بغیر معلم کی وساطت کے سمجھ سکتا ہی کہ بس اتنی دور ذرا دوڑ کر چلنا ہی، اس کے بعد پھر اپنی وہی معمولی چال اختیار کر لے، اصل سعی (دوڑنے کی جگہ) اسی وادی کا نام ہے، میلین کے درمیان معلمین جو دعائین پڑھاتے ہین، وہ تو خاصی لمبی چوڑی ہین لیکن اگر اس قدر بھی پڑھ لے تو کافی ہی، رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم بانك انت الاعز الاکرم، صفا اور مروہ دونون پر چڑھتے وقت آیہ کریمہ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم، پڑھتا رہے،

سعی، مذہب شافعی مین فرض ہی، اور رکن حج ہی، بغیر سعی کے ان کے ہان حج ہی نہ ہوگا، فقہ حنفی مین فرض نہین لیکن واجب، اور ایک نہایت موکد سنت ان کے ہان بھی ہی، سعی کے سات پھیرے ہین، لیکن اگر کوئی شخص صرف چار ہی پھیرے کر لے، تو بھی سعی ہو جاتی ہی، گو یہ بہتر نہین سمجھا گیا ہی، اور چار سے بھی کم پھیرے کرنا، گویا سعی سرے ہی سے نہ کرنا ہی، باوضو رہنا لازمی نہین لیکن بہت مستحسن ضرور ہی، سعی کے سارے وقت مین حضور قلب کے ساتھ دعا و مناجات مین لگے رہنا چاہیئے، بلا ضرورت دنیوی باتین کرنا مکروہ ہی، کھانا پینا، خرید و فروخت کرتے لگنا، اگرچہ جائز رکھا گیا ہی لیکن بلا ضرورت ان مین سے کسی چیز کی طرف

برف ڈال کر پٹے گئے، اور اسی وقت بجلی کی روشنی مین ایک حجام کی آراستہ
وشاندار دوکان مین سر منڈائے گئے، اور بال کترائے گئے، مغرب کے وقت کو ابھی
آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ ہوا تھا، عشا کے وقت مین ابھی خاصی دیر تھی، رباط حیدر آباد
مین جگہ کی تنگی اور اہل قافلہ کے لحاظ سے قلت کا اندازہ ہو چکا تھا، خیال یہ ہوا
کہ رات کو سب کی گزر کیونکر ہو گی، خصوصًا عورتین جو اس موسم مین صحن مین لیٹنے
کی عادی ہین، ان بیچاریون سے اندر کے درجون مین کیونکر بسر ہو سکے گی، طبیعت
بے اختیار یہ چاہ رہی تھی، کہ اب فورًا لیٹ کر سو یا جائے، لیکن اول تو ابھی نماز عشا
باقی تھی، اور پھر خانہ داری کی یہ فکر، ہمت کر کے اسی وقت ایک راہبر کو ساتھ
لیکر مدرسۂ صولتیہ والے مولوی محمد سلیم صاحب کے مکان پر پہونچا، مولوی صاحب
موصوف کے اخلاص و اخلاق کا اندازہ اُن کے عنایت ناموں سے ہو چکا تھا، ملاقات
ہوتے ہی وہ اسی لطف و محبت، مدارات و اخلاق سے پیش آئے، یہ معلوم ہی نہین
ہوتا تھا کہ آج پہلی ملاقات ہے، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ برسون کی پرانی ملاقات ہے
رات کے اندھیرے مین مکان سے اپنے ہمراہ مدرسے لائے گئے، مدرسہ کی جدید
عمارت کو کھلوا کر اوپر سے نیچے تک سب منزلین ایک ایک کمرہ کھول کر دکھلائین
اور یہ اصرار فرماتے رہے کہ یہین اُٹھ آؤ، مدرسہ کی عمارت کا کیا کہنا، ماشاء اللہ بہت
وسیع ہے، اگر یہان اٹھ آتا، تو بڑی فراغت کی جگہ مل جاتی، اور مکان کی وسعت سے
کہین بڑھکر منقولی مکان کی وسعت اخلاق اور مسافر نوازی ہم لوگون کے آرام و
آسائش پہونچانے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی، لیکن حرم شریف سے مکان مدرسہ
کا فاصلہ اچھا خاصہ نظر آیا، اور خیال یہ گذرا کہ مکہ معظمہ مین مدت قیام یون ہی

بہت مختصر ہے، اس مین بھی اگر بہت سی نمازین بعد مسافت کے عذر پر حرم مین ملنے سے رہ گئین، تو بڑی ہی محرومی اور شدید حرمان نصیبی ہوگی، اس لئے مولوی سلیم صاحب سے اُن کے ہان اٹھ آنے کا پختہ وعدہ نہ کرسکا، اور اُن کے دلی شکریہ پر ملاقات ختم کرکے واپس چلا آیا،

حرم پاک کی پاک سرزمین، مقدس بزرگون کے وجود سے اب بھی خالی نہین، اللہ والے اگر اللہ کے شہر مین نہ ہون گے، تو اور کہان ہون گے، بلدالامین کے گوشون مین اللہ کے پیارے، خدا معلوم کتنے آج بھی موجود ہین، ان مین سے کم از کم ایک بزرگ کی زیارت تو اپنے نصیب مین بھی آئی، اور مزید مسرت اس کی، کہ وہ بزرگ اپنے ہی دیس ہندوستان بلکہ اپنے ہی صوبہ، یوپی، کے نکلے، مولانا محمد شفیع الدین صاحب نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے آج سے اڑتالیس سال قبل مکۂ معظمہ حاضر ہوئے تھے، اور اللہ کے گھر کی محبت ایسی غالب آئی، کہ اپنے گھر کو بھول گئے، نصف صدی کا زمانہ دیکھئے، اور ایکبار بھی اس دیار مین وطن کا رخ نہین فرمایا! ساری عمر تجرد مین گذار دی، نہ بیوی نہ بچے، شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس وقت ان کے اجل خلفاء مین ہین، ایک معتبر و ثقہ راوی سے سننے مین آیا کہ اس ساری طویل مدت مین شاید ایک نماز فرض بھی ایسی نہین گذری جو حرم شریف کے اندر نہ ادا کی ہو! اور محض اتنا ہی نہین، بلکہ جماعت کے اہتمام و التزام مین بھی فرق نہین آنے پایا! اور پھر اس سے بھی بڑھکر کمال یہ نصیب مین آیا کہ نجدیون کے تسلط کے قبل تک، جماعت مین بھی صف اول چھوٹنے نہ پائی! ——— ان خوش نصیبون پر کس کو رشک نہ آئیگا!

لیکن یہ سب اللہ ہی کی دین ہے، این سعادت بزور بازو نیست، کا معاملہ ہے۔۔۔۔۔
علم و فضل، زہد و تقویٰ، فقر و سلوک کی یہ جامعیت، گو حضرت حاجی صاحب کے خلفاء
و منتسبین میں عنقا نہ ہو، لیکن جب یہ یاد پڑتا ہے کہ یہ بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے
دجال و یاجوج کا دور ہے، تو ایسی ہستیوں کے وجود پر حیرت ضرور ہوتی ہے، خدا معلوم کتنے
حج پاپیادہ کئے، اور فرائض و واجبات الگ، رہے معمولی نوافل مستحبات تک چھوٹنے
نہ پائے، اس نصف صدی کی مدت میں شاید ہی گنتی کے دو چار حج چھوٹے ہوں، ورنہ
ہر سال حج کا معمول رہا، مدتوں فقر و فاقہ سے یہ نوبت رہی، کہ محض سوکھی روٹی پانی
میں بھگو بھگو کر نوش فرماتے رہے،

بہرحال یہ موقع ان کے مناقب و فضائل کی تفصیل کا نہیں، صرف تعارف کی
غرض سے اتنا تذکرہ آگیا، مولوی سلیم صاحب کے ہاں سے واپسی میں نماز عشا حرم میں پڑھکر
ایک رہنما کی رفاقت میں جناب مولانا کے ہاں حاضری ہوئی، قیام باب الصفا میں رہتا ہے
حرم شریف سے گنتی کے چند قدم کا فاصلہ، حسن اخلاق و وسعت مدارات کا کیا پوچھنا، بزرگانہ
کرم و نوازش کا مجسم نمونہ، اخفاء حال و کمال کا اس درجہ اہتمام، کہ ملنے والے کو ان کے
مرتبہ کا شبہہ بھی نہ ہونے پائے، اتمام تر خشک فقہی مسائل پر ٹالنے کی انتہائی کوشش، ہندوستان
کے بعض انھیں کے ہم مرتبہ بزرگوں کے سلام و پیام خدمت والا میں پہونچائے گئے،
اور اپنے حق میں دعاے خیر کرائی گئی، اٹھنے کو جی تو نہ چاہتا تھا، موصوف ہی کی زحمت
کا خیال کرکے اجازت چاہی، اور قیامگاہ (رباط حیدرآباد) پر واپس آیا، جامۂ احرام
اتارنے کا موقع ابھی تک کہاں ملا تھا، گھر پہونچکر وہ ملبوس اتارا، اور عام لباس پہنا اور نیند

بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد خستگی اور تکان کا پورا احساس اب ہوا، ہم مردون کو توکھلی ہوئی چھت پر جگہ مل گئی، ساتھ کی بیویون بیچاریون کو اندر ہی کے حصون مین گذر کرنا پڑا، مولانا مناظر احسن ہر جگہ کی طرح یہان بھی "سب سے" شاذ نکل گئے، قافلہ اور قافلہ والون کو چھوڑ چھاڑ حرم شریف کے صحن مین سونے کے لئے جا پہونچے، اور وہان پہونچکر سوئے تو کیا ہون گے، لیکن اپنے جن حالات کو وہ خود راز رکھنا چاہتے ہین، وہ ان کے نیازمند خادم کی زبان سے کیون فاش ہون!

باب ۱۷

آغازِ حج

۷ ذی الحجہ، پنجشنبہ، آج کے دن کی کوئی مخصوص مشغولیت نہ تھی، عمرہ بفضلہ ادا ہی ہوچکا تھا، اب ارکانِ حج کے آغاز کا انتظار تھا، آج ہی کے دن حرم شریف مین باضابطہ اعلان ہوتا ہے، کہ پرسون ۹ ذی الحجہ کو عرفات مین حاجیون کا اجتماع ہوگا اور آج ہی ظہر کے بعد حرم شریف مین امام خطبہ پڑھتے ہین جسمین مسائلِ حج کی تشریح ہوتی ہے، دوپہر کی شدید گرمی مین شوق کے ساتھ اس خطبہ کے سننے کی ہمت کس کو، اور پھر اتنے بڑے مجمع مین خطیب کے قریب خطبہ کے الفاظ سننے کے لئے جگہ ملتی کہان نصیب، اور جگہ گھس پل کر مل بھی جائے، تو خطبہ کی زبان سمجھنے والے ہندوستانیون مین کتنے؟ باایہمہ جہان تک ممکن ہو، خطبہ سننے کی فضیلت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے، رسولؐ و اصحابِ رسولؐ کے اتباع کا شرف اسی مین ہے، اور پھر اس مجمع مین خدا معلوم کیسے کیسے برگزیدہ بندے اور مقبولانِ حق شامل ہوتے ہین، ان کی ہمنشینی خود کیا کم ہے، خطبہ تھوڑی دیر مین ختم ہوجاتا ہے، طواف، نماز، و تلاوت کے لئے رات اور دن کا سارا وقت ہے اور حرم شریف کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے، جتنی دیر جس شغل مین چاہے لگا رہے، ہمارے قافلہ والون مین سے جس کے نصیب مین جو کچھ آنا تھا، آیا، وطن کے متعدد

حاجی دکھائی دیئے، ان سے ملنے جلنے کا سلسلہ بھی جاری رہا، کل منیٰ و عرفات کے
مختصر لیکن اہم سفر پر روانگی ہی، اسکی تیاریاں بھی شام سے ہوتی رہین،

حج "قِران" کا ذکر اوپر آچکا ہی، جو لوگ قارن تھے، اُن کے احرام تو بندھے ہوئے
تھے ہی، انھین کسی جدید احرام کی ضرورت نہین، باقی دوسرے لوگون کو ۸ ر ذی الحجہ
کی صبح کو احرام باندھ کر روانہ ہوجانا چاہیے، لیکن اگر اس کے قبل ہی احرام باندھ
لیا جائے، تو بہتر ہے، اور فقہائے نے اسے مستحسن لکھا ہی، مولانا شفیع الدین مدظلہ نے بھی
یہ خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا، کہ احرام ۷ ر اور ۸ ر کی درمیانی شب ہی مین بعد عشا
حرم شریف ہی مین، بلکہ حطیم کے اندر باندھ لینا، حطیم کا ذکر شاید پہلے نہین آیا، حطیم
مطاف کے اندر خانہ کعبہ کے شمالی صحن کا نام ہی، جو ایک قوسی دیوار سے گھرا ہوا ہی، دیوار
اچھی خاصی چوڑی اور کچھ کم قد آدم بلند ہے، ذیل کے نقشہ سے حطیم بآسانی
سمجھ مین آجائیگا،

خانہ کعبہ	حطیم

خلیل اللہ کے بنائے ہوئے کعبہ مین یہ چھوٹی ہوئی زمین بھی کعبہ کے اندر تھی، قریش
نے جب اپنے زمانہ مین عمارت کعبہ کی تجدید کرنی چاہی تو کچھ سامان کم پڑگیا، اسلیے یہ
قرار پائی، کہ تعمیر ابراہیمی سے کچھ کم کر دینا چاہیے، چنانچہ اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا، اور اس
میدان کو دیوار سے گھیر دیا گیا، حطیم کے لفظی معنی ٹکڑے کے ہین، اور چونکہ یہ زمین خانہ کعبہ
ہی کا ایک ٹکڑہ ہی، اس لئے اسکا نام بھی حطیم پڑگیا، رسول خدا صلعم نے ایک بار

حضرت عایشہؓ سے فرمایا، کہ میرا جی چاہتا ہی، کہ حطیم کو از سر نو خانہ کعبہ کے اندر شامل کر لیا جائے لیکن قریش خواہ مخواہ بھڑکین گے، کہ ہماری ہر شے سے مخالفت کیجاتی ہی، اس لئے ایسا نہین کرتا، ایک عباسی خلیفہ نے اپنے زمانہ مین چاہا کہ حضورؐ کی اس مرضی مبارک پر عمل کی سعادت حاصل کرے، اور امام مالکؒ سے استفتا کیا، امامؒ نے فتوی دیا، کہ "ایسا کرنے سے خانہ کعبہ ملعبۂ ملوک و سلاطین ہو جائیگا، جو بادشاہ اس مین ترمیم کرنا چاہیگا، اسے ایک سند ملجائیگی، اس لئے ایسا کرنا مناسب نہین" غرض اس وقت سے حطیم برابر اسی حالت مین چلا آرہا ہی، اور حرم مقدس کے اندر مقدس ترین مقامات مین سے ہے، طواف خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ہوتا رہتا ہی، اور اس کے اندر نماز پڑھنا، خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مساوی رکھا گیا ہی، گویا حکماً یہ بھی خانہ کعبہ ہی ہے، حطیم ہی کا دوسرا نام حجر ہے، ایک روایت یہ بھی سننے مین آئی، کہ حضرت ہاجرہ صدیقہؑ اور ان کے لخت جگر حضرت اسمٰعیل ذبیح اسی زمین کے نیچے مدفون ہین، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، ایک سونے کا پرنالہ جسے میزاب رحمت کہتے ہین، اور جو کعبہ کی شمالی سمت مین چھت کے اوپر نصب ہی، اس کا پانی بھی برسات مین حطیم ہی مین آکر گرتا ہی، میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنا ایک خاص محل اجابت مین دعا مانگنا ہی، کتابون مین اس موقع کے لئے یہ دعا منقول ہی:۔

اللھم انی اسألک ایمانًا لا یزول ویقینًا لا ینفد و مرافقۃ نبیک محمد صلعم اللھم اظلنی تحت ظل عرشک یوم لا ظل الا ظل عرشک و اسقنی بکاس	اے اللہ مین تجھ سے طلب کرتا ہون وہ ایمان جو اٹل نہ سکے، اور وہ یقین جو ختم نہ ہو، اور تیرے نبی محمد صلعم کی رفاقت، اے اللہ مجھے اس روز جبکہ کوئی سایہ بجز تیرے سایۂ عرش کے نہ ہو گا اپنے سایۂ عرش

یہ جگہ عطا فرماتا، اور محمدؐ صلعم کے حوض سے وہ جام پلاتا، جس کے بعد یہ کبھی پیاسا ہوں،	محمد صلعم شربة لا اظماء بعدها ابدا،

حطیم و میزاب رحمت کا ذکر یہاں ضمناً آگیا، لیکن تھا ضروری، بہر حال مولانا کے ارشاد کے ایک جزو کی تعمیل تو ہو گئی، یعنی احرام کے لئے ۸ر کی صبح کے طلوع ہونے کا انتظار نہیں کیا گیا، بلکہ شب ہی میں باندھ لیا گیا، البتہ اس کے لئے مقام حطیم نصیب نہ ہو سکا، یہ اس وقت احرام کا باندھ لینا صرف ہمارے ہی قافلہ والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، مغرب و عشا کی نماز دن کے وقت حرم شریف کے اندر ایک خاصی بڑی تعداد احرام پوشوں کی نظر آئی، آج ہی عصر کے بعد اپنے معلّم عبد القادر سکندر کو کل کے سفر کے متعلق تمام ضروری ہدایات دیدیں، سولہ آدمیوں کے لئے آٹھ اونٹوں کے انتظام کو کہدیا گیا، جن لوگوں کو مشق و عادت ہے، وہ اونٹ کی ننگی پیٹھ پر، یا محض کجاوہ رکھکر بہ آرام و اطمینان سفر کر سکتے ہیں، ہم لوگوں کو بھلا اس کی کہاں عادت، ایسے لوگوں کے لئے بہترین صورت شغدف کی ہے، یہ مثل چھوٹے پلنگ یا بڑے کھٹولے کے ایک چیز ہوتی ہے، جس پر معمولی قد و جسامت کا آدمی لیٹ سکتا ہے، ہر شغدف کے اندر دو دو پلنگڑیاں ہوتی ہیں، اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے یہ پلنگڑیاں، چٹائیوں کی چھت اور دیواروں سے منڈھی ہوئی ہوتی ہیں، اونٹ پر اگر شغدف کو اچھی طرح کس کر باندھ دیا جائے، اور دونوں پلنگڑیوں پر وزن مساوی رہے، تو خاصی آرام کی سواری ہے، اور اونٹ کے چلنے کے جھٹکے بہت کم لگتے ہیں، ۸ر کو منیٰ میں قیام کرنا ہے ۹ر کے دن میں عرفات میں، شب میں مزدلفہ میں، اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ کو پھر منیٰ میں،

منیٰ و عرفات میں عام لوگ بیچارے تو یوں ہی کھلے میدان میں بسر کرتے ہیں، ہم جیسے آرام طلبوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا، معلّم سے دو خیموں کی بابت بھی معاملت طے ہوگئی، ہر خیمہ اتنا بڑا کہ آٹھ آٹھ آدمیوں کی گنجائش اسمیں نکل سکے، اونٹوں کا کرایہ، شغدفوں کی قیمت، اونٹ پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی قیمت، خیموں کا کرایہ، جو کچھ معلّم صاحب نے بتایا، بغیر کسی سوال و بحث کے بلا تامل منظور کر لیا گیا، اور بہتر تھا کہ انتخاب بالکل انھیں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا، خیموں کا کرایہ غالباً دو دو گنی فی خیمہ قرار پایا، ضروری سامانِ سفر میں سب سے پہلا نمبر پانی کی صراحیوں کا آتا ہے، فی اونٹ ٹی کی دو دو صراحیاں خرید لی گئیں، مختصر بسترے بچھانے کا ہلکا، و مختصر سامان، خیموں میں بچھانے کے لئے دریاں، پانی کے کنستر، لالٹین، منیٰ میں قربانی و غسل کے بعد پہننے کے لئے ایک ایک جوڑا کپڑا، اور کچھ ناشتہ، جسکا سب سے اہم جزو ستو تھے، رکھ لیا گیا، اور رات ہی میں یہ سب سامان درست کر کے رکھ لیا گیا، کہ صبح سویرے دن نکلتے ہی چلنا ہوگا، معلّم صاحب نے حرم شریف کے اندر بیٹھکر بیت اللہ کے سامنے یہ وعدہ مکرر، اور بہ موثق لہجے میں فرمایا کہ بعد نمازِ فجر قبل طلوعِ آفتاب روانگی کے لئے اونٹ دروازہ پر آجائینگے اور اس وعدہ پر قدرۃً ہم لوگ مطمئن ہوگئے،

---

۸ ذی الحجہ، یوم جمعہ، آج کا دن یہاں کی اصطلاح میں یوم الترویہ کہلاتا ہے، آج ہی وہ مبارک دن ہے جب سارے حاجی مکہ سے منیٰ و عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں، مسنون اور افضل وقت روانگی کا بعد نمازِ فجر سورج نکلنے کا وقت ہے، حضورؐ نے مع جماعت صحابۂ کرام نمازِ فجر مکہ میں پڑھی تھی، اور آفتاب نکلنے پر روانہ ہوگئے،

تھے، ہم لوگ نماز فجر، حرم شریف مین پڑھتے ہی، جلدی جلدی اپنی قیامگاہ پر
واپس آئے، کہ معلم نے قبل طلوع اونٹ پہونچا دینے کا وعدہ کیا ہی، کہین اونٹ والے
ہمارے انتظار مین گھبرانہ جائین، یہان جو پہونچے، تو نہ اونٹون کا پتہ نہ معلم صاحب کا! لیجئے
اب تو آفتاب بھی نکل آیا، اور اچھی طرح بلند ہو گیا، اب تک اونٹون کے نہ آنے
کی آخر کیا وجہ؟ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل جاتے تو دھوپ کی تمازت سے بچ جاتے، اور
سفر بڑے لطف سے کٹجاتا، اتباعِ سنت کا جو اجر ملتا وہ الگ، چاے، اور ناشتہ
سے یہین نہ فراغت کر لیجائے، لیجئے اب تو ناشتہ سے بھی فراغت ہو گئی اور چاے کے
دور بھی ختم ہو چکے، اور اونٹون کا اب بھی پتہ نہین! کس کو خبر تھی کہ معلم صاحب اسی
موقع پر یوں اپنے شتر غمزوں کی مشق ہم پر دیسیوں پر کرین گے! بار بار اضطراب
مین نگاہین دروازہ تک دوڑتی ہین، اور پیر سڑک تک دوڑتے ہین لیکن نہ معلم
صاحب کا نشان ملتا ہی، نہ ان کے کسی کارندہ و ملازم کا، سیکڑون ہزارون اونٹ
اسی سڑک سے، ہمارے دروازہ کے سامنے سے گذر رہے ہین، حسرت و محرومی تنہا
ہمارے ہی حصہ مین ہی! ہندوستان کی گھڑیون کے حساب سے، آٹھ بجے، ساڑھے آٹھ بجے
نو بجے، دس بج گئے، اور ہنوز وہی انتظار، اوسط منی کا زمانہ، عرب کی دھوپ،
اس ٹھیک دوپہر مین کس سے سفر کیا جائیگا؟ اور تنہا یہی ایک فکر ہوتی تو بھی غنیمت
تھا، دوسرا دھڑکا یہ لگا ہوا، کہ جمعہ کا وقت قریب آتا جا رہا ہی، کہین ایسا نہ ہو، کہ جمعہ
حرم شریف کا بھی جائے، اور منی کا بھی! جمعہ کے دن قبل زوال ہی کوچ کر جانا اور
منی مین جا کر نماز پڑھنا، افضل ہی، یہان کھٹکا اس کا لگا ہوا کہ فاضل و مفضول کی
بحث الگ رہی، کہین سرے سے نماز جمعہ ہی سے محروم نہ رہنا پڑے! دس بجے

بعد مولانا مناظر صاحب اور ایک اور رفیق سفر معلم صاحب کے مکان کی تلاش مین نکلے، بصد دشواری و زحمت بڑی تلاش کے بعد، مکان تو ملا، لیکن مکین غائب! انا للہ، گھنٹہ بھر کی حیرانی و سرگردانی کے بعد، دونون صاحب خستہ و خراب مایوس واپس آئے،

ایک ایک گھڑی پہاڑ ہو رہی تھی، دلون کے اندر خون جس طرح کھول رہا تھا، اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے، جس کے پہلو مین دل ہے، بعض زبانون پر بھی دل کے جذبات بے تکلف آنے شروع ہو گئے تھے، اور وہ وقت جو تکبیر و تہلیل، ذکر و دعا مین بسر ہونے کا تھا، سب ظالم سکندر کی دعا گوئیون اور منقبت سرائیون مین صرف ہو رہا تھا! وقت کچھ اور کھسکا، اور کھسکتا رہا، یہان تک کہ حرم شریف کے منارون سے جمعہ کی اذانین بلند ہونے لگین! اسوقت ہمارے مہربان خدا خدا کرکے تشریف لائے، اور اس معصومیت اور بھولے پن کی ادا کے ساتھ کہ گویا کچھ ہوا ہی نہین، بلا کسی معذرت و اظہار افسوس کے، فرمانے لگے، کہ "اونٹ فوراً بعد نماز جمعہ آجائین گے، اس سے پہلے کیونکر لاتا، ہجوم کے اندر اونٹون کو راستہ کیسے ملتا؟" گویا یہ ہجوم اونٹون کا نہین، کسی اور کا تھا! اور یہ ہجوم سیکڑون ہزارون دوسرے اونٹون کے گذرنے کا مانع تھا! بہرحال صبر کے سوا چارہ کیا تھا، بھاگتے ہوئے حرم شریف کی طرف چلے، مسجد کا کونہ کونہ بھرا ہوا، اتنی دیر کے بعد جگہ کہان مل سکتی تھی، جون تون گھس پل کر ایسی جگہ کھڑے ہونے کو ملی، جہان امام و خطیب کی آواز الگ رہی، مکبرون کی تکبیر

بھی بمشکل ہی سنائی دیتی تھی، نماز کے بعد فوراً گھر آئے، اور اب پھر صبر و تحمل کی آزمایش شروع ہو گئی، گھنٹہ سوا گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد معلّم صاحب معہ اونٹون کے نمودار ہوئے، کچھ وقت سامان کے چڑھانے اور سواریون کو چڑھنے مین لگا، اونٹ کی سواری ہم سب لوگون کے لئے ایک نئی سواری تھی، عورتون کو خوف معلوم ہونا واجبی تھا جب خود مردون کی طبیعت ہچکچا رہی تھی، دارو غہ حبیب اللہ بیچارے اگر مدد نہ دیتے، تو تنہا معلّم صاحب تو اس مرحلہ کو بھی جلد نہ طے کرا سکتے، دوپہر ڈھل چکی تھی، اور ظہر کا وقت قریب ختم تھا، کہ ہمارا قافلہ روانہ ہوا، ابھی چند ہی قدم چلے تھے، کہ معلّم نے بڑھ کر سوال کیا، "منیٰ مین آپ ٹھہرین گے کہان؟ حیدر آباد کے سرکاری مکان مین؟" سوال کا سننا تھا، کہ فرط حیرت سے آنکھین کھلی کی کھلی رہگئین اور ٹکٹکی معلّم صاحب کے چہرہ پر لگ گئی، پہلے تو دل نے اپنے کو یون سمجھایا، کہ معلّم صاحب اس وقت مزاح و ظرافت سے کام لے رہے ہین، لیکن ان کے کڑے تیورون پر جو نظر گئی، تو یہ خیال بھی چند لمحون سے زیادہ نہ قایم رہنے پایا، جی کڑا کر کے جواب دیا، کہ "یہ سوال آپ ہم سے کر رہے ہین؟ ہم تو آپ کے بھروسہ پر چل رہے ہین، کہ آپ جہان ٹھہرائین گے، ٹھہرین گے، الٹے آپ ہم سے دریافت کر رہے ہین، کہ تم کہان ٹھہروگے،" سبحان اللہ! اور ہم تو دو خیمے اپنے لئے آپ سے ٹھہرا ہی چکے تھے، کیا انکے ملنے مین کچھ شک پیدا ہو گیا ہے؟ جواب گرجتی ہوئی آواز مین ملا، کہ وہ "خیمے عرفات اور وہان سے واپسی پر منیٰ کے لئے ہین، آج وہ خیمے نہین مل سکتے، آج میدان مین شغدفون پر رہنا ہوگا،" انا للہ و انا الیہ راجعون، گویا آج سہ پہر سے لیکر کل صبح تک کا وقت، کھلے میدان مین کاٹنا ہے، صرف مردون ہی کو نہین، عورتون کو بھی

اور کہا سنے ہوئے اور جو آج صرف دوری سے فراغت سب کو اسی میدان میں ہزاروں
لاکھوں کے مجمع کے سامنے کرنا ہی! اور یہ وہ شخص پوری ڈھٹائی اور دیدہ دلیری
کے ساتھ کہہ رہا ہے، جو یہی نہیں، کہ لکھنؤ میں ہم لوگوں کے، اور ہماری عورتوں کے
طرزِ معاشرت سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا ہی، بلکہ جو کل صراحت کے ساتھ
خیموں کا وعدہ بھی کر چکا تھا!۔۔۔۔۔ لوگ حیرت سے کہتے ہیں کہ مکہ والوں پر
بار بار تباہی و بربادی کیوں نازل ہوتی ہی، کاش وہ دیکھتے کہ خود مکہ والوں
کا اللہ کے مہمانوں کے ساتھ، غریب الوطن پردیسیوں کے ساتھ برتاؤ کیا رہتا ہی!
مکہ کا مالک، ساری دنیا جہان کا مالک ہی، اس کے ہاں مہلت ملتی ہی لیکن غفلت
اسے کسی حال سے بھی نہیں رہتی!

تو مشو مغرور بر حلم خدا　　　دیر گیرد، سخت گیرد مر ترا!

ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے، جب سفرِ حج کی سختیوں کا خیال آتا تھا، تو اس
خیالی فہرستِ مصائب و شدائد میں ایک عنوان، اونٹ کی سواری کا بھی ضرور ہوتا
تھا تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ اور بہت سے موہوم خطرات کی طرح یہ تخیل بھی بہت
مبالغہ آمیز تھا، بہت سی منزلوں کا طویل و مسلسل سفر ممکن ہی تکلیف دہ ہوتا ہو، اسکا
تو تجربہ ہوا نہیں، لیکن آٹھ دس میل کے مختصر سفر میں تو کوئی قابلِ ذکر تکلیف نہیں
ہوتی، اور جس حد تک ہوتی ہی وہ بھی ناگزیر اور لازمی نہیں، بلکہ اسکا انتظام
آسانی سے ہو سکتا ہی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شغدف کی بندش اچھی ہونی چاہئے،
اور توازن قایم رہے، توازن اور بندش جتنی اچھی ہوگی، اسی نسبت سے ہچکولے

کم لگین گے تکلیف کم ہوگی، اور راحت زیادہ ملے گی، اچھی بندش کے بعد شغدف مین لیٹ کر بہ آرام تمام سونا ممکن ہی، نیند بغیر دقت آجاتی ہی، دوسری ضروری چیز یہ ہی کہ اونٹ کے ساتھ چلنے والے جو بدو ہوتے ہین، اور جنھین جمّال کہتے ہین، (یہ سن رکھئے کہ یہ لوگ اونٹ کے اوپر سوار نہین ہوتے بلکہ پیدل اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے ہین) انھین خوش رکھا جائے، ان کو خوش رکھنا آسان ہی، بہت تھوڑے سے انعام اور خوش خلقی سے خوش ہو جاتے ہین، موٹر کے شوفرون کی طرح ان کے لئے یہ ہرگز ضروری نہین، کہ ان کے ہاتھ مین کم از کم دس یا پانچ روپیے رکھے جائین، جب جا کر انکا منہ سیدھا ہو، آنہ دو آنہ مین (یہان ایک آنہ کو قرش کہتے ہین) یا چند بسکٹون، یا شربت یا پانی کے دو ایک گلاس سے، چاے کی ایک دو پیالیون سے انھین بآسانی خوش کیا جا سکتا ہی، البتہ یہ ضروری ہی، کہ جو کچھ از خود اور خوش دلی کے ساتھ دیدیا جائے، لڑ جھگڑ کر تیورون پر بل ڈال کر بڑی سے بڑی رقم بھی بیکار رہیگی، تھوڑی سی دلدہی اور خاطر داری کے بعد آپ کا جمّال آپ کا بندۂ بے دام ہو جائیگا، دوڑ کر آپ کے لئے پانی و شربت لائیگا، آپ کا اسباب خوشی خوشی اتار دیگا، سوار ہونے مین آپ کو مدد دیگا، شغدف ڈھیلا ہونے لگے گا، تو خود ہی لپک کر اسکو درست کر دیگا، غرض ہر حیثیت سے آپکا بہترین رفیقِ سفر و خادم ثابت ہوگا،

باب ۲۸
منیٰ قبل حج

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک، لبیک اللھم لبیک، لبیک وسعدیک و الخیر بیدیک، ۸ ذی الحجہ جمعہ، سہ پہر، ہم لوگون کو چلنے مین اس قدر تاخیر ہوئی کہ وقت مستحب نکل چکا، ہزارہا قافلے آگے جا چکے، پھر بھی بہت سے باقی بھی رہ گئے ہین، اور ساتھ ہی ساتھ چل رہے ہین، ہزارون انسان پیدل چل رہے ہین، ہزار ہا اونٹون پر سوار ہین، اور ہزار ہا خچرون اور گدہون پر، ہر شخص احرام پوش، لبیک لبیک کی صدا ہر طرف سے چلی آرہی ہے، ہم لوگون کی زبان پر بھی اس وقت یہی کلمے ہونے تھے، لیکن لاحول ولاقوۃ، اتنے نصیب کہان تھے، معلم صاحب کی عنایتون کا چرکا ابھی دلون پر تازہ تھا، زبانین بجائے لبیک لبیک کے اپنے اوپر اور اپنے معلم پر لاحول پڑھنے مین مصروف! قافلہ کے آٹھون اونٹ سولہ سواریون کو لئے ہوئے ایک دوسرے کے آگے پیچھے، دو یا تین بدو ہمراہ، ہر اونٹ کے ساتھ ایک ایک شتربان نہین ہوتا، تین تین چار چار اونٹون کے لئے بس ایک ہی بدو کافی سمجھا جاتا ہے، ایک اونٹ پر ہم دونون میان بیوی، ایک پر مولانا

مناظر احسن صاحب اور حکیم عبدالخالق صاحب، اسی طرح دو دو سواریان باقی
سب پر، اونٹ پر سوار ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا، جو وحشت و دہشت پہلے تھی، سوار ہونے
کے بعد غائب، شغدف اگر اچھے بندھے ہون، تو اونٹ کی سواری خاصی آرام
دہ ہی، پالکی یا میانہ کی سواری کا سا لطف آتا ہی،

منیٰ کا فاصلہ حرم شریف سے چار میل کا ہی، ہمارے ہان سے چند فرلانگ
زائد ہوگا، خوب چوڑا اور کشادہ راستہ ہی، کئی کئی اونٹ ایک ساتھ بآسانی
چل سکتے ہین، ایک میل تک تو خاص مکہ ہی کی آبادی پڑتی ہی اس کے بعد میدان
شروع ہوا، اور اس کے کوئی دو میل کے بعد منیٰ کے حدود شروع ہو گئے، مکہ کے
گورنر اور ولیعہد سلطنت شہزادہ فیصل ابن سعود کا محل، حرم شریف سے بالکل متصل ہی
تھا، خود سلطان کا قصر معلیٰ منیٰ کے راستہ مین پڑا، اندر کا حال تو معلوم نہین، البتہ
باہر سے ہندوستان کے رئیسون کی طرح خاصی شاندار، پرتکلف و عالیشان
عمارت، جسے دور خلافتِ راشدہ کی سادگی سے کوئی دور کی بھی نسبت نہین،
آخر دوپہر کا وقت تھا، پیاس خوب زور کی، اور بار بار لگ رہی تھی، پانی کی
صراحیان ساتھ مین بھی تھین، ان کے علاوہ دو پیسہ مین صراحیان بیچنے والے
لڑکے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیان بھی بکثرت قدم قدم پر اونٹون کو گھیرے ہوئے،
اپنی معصومانہ اداؤن کے ساتھ خوش خوش اپنے سودے کو بیچنے مین لگے ہوئے،
اس عام شاہراہ کے علاوہ، بعد کو سننے مین آیا کہ پیدل چلنے والون کے لئے
کوئی اور مختصر راستہ بھی ہی، جس سے فاصلہ بہت کم رہجاتا ہی، اگر عورتون کا

چمپیلا ساتھ مین نہ ہو، اور وقت بھی ذرا ٹھنڈا یعنی صبح یا شام کا ہو، تو پیدل کا سفر یقیناً زیادہ آرام دہ اور پر لطف رہیگا جب تھک جائیے یہان چاہے دم لے سکتا ہی، چاے، قہوہ، شربت کی دوکانین بہ افراط، روانہ ہونے کے دو پونے دو گھنٹہ کے بعد منیٰ کی آبادی شروع ہو گئی، اور ہمارے جمالون نے شروع آبادی ہی مین ہماری منزل کرادی،

منیٰ کے متعلق تخیل یہ تھا، کہ ویران وغیر آباد، سنسان میدان ہوگا، اکثر تخیلات کی طرح یہ تخیل بھی غلط ثابت ہوا، حضورؐ کے زمانہ مین بے شبہہ یہ چٹیل میدان ہی تھا، اور بعض روایات مین آتا ہی، کہ صحابۂ کرامؓ نے جب حضور سے اس کی اجازت چاہی تھی، کہ یہان ایک مکان بنا دیا جائے، تو حضورؐ نے اس درخواست کو منظور نہین فرمایا تھا، لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی ہی، اب منیٰ میدان کا نہین، پختہ اور بلند مکانات کی ایک مسلسل آبادی کا نام ہی، مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب واقع ہی، کسی قدر مائل بہ جنوب، طول تقریباً ڈیڑھ دو میل ہوگا، عرض بھی ایک میل سے کیا کم ہوگا، مکانات، ظاہر ہے کہ سال بھر خالی پڑے رہتے ہین، ساری چہل پہل اسی ایک ہفتہ کے اندر ہو جاتی ہی، مالکان مکانات کی آمدنی کا یہی زمانہ ہوتا ہی، کرایے منہ مانگے وصول کرتے ہین، اگر انسان حسب استطاعت ہی، تو یہان کے قیام کے لئے مکان ضرور لے لے، خواہ کتنا ہی مختصر ہو، رات تو میدان مین گذر جائے گی لیکن دن کی لو اور دھوپ مین، بغیر پختہ مکان کے سایہ کے اچھی خاصی تکلیف اٹھانی پڑے گی، جو لوگ مکانات نہین

ے سکتے وہ خیمون مین رہتے ہین، جو خیمہ کا کرایہ بھی نہین دے سکتے، وہ بیچارے کھلے میدانون مین محض اللہ کے بھروسہ پر گذر کرتے ہین، ہندوستانی حاجی، اپنے ملک پر قیاس کر کے درختون اور درختون کے سایہ کی کوئی توقع ہرگز نہ قایم کرین، پانی انواع واقسام کے شربت، دودھ، دہی، قہوہ، چاے کی دوکانین بکثرت، برف اور فالودہ بھی موجود، کھانے کی دوکانین کمتر، لیکن موجود، وہ بھی، لیموں، نارنگی، ککڑی، کیلا، انار وغیرہ، شاداب و تر و تازہ پھلون اور میوون کی گویا منڈی لگی ہوئی، جو وسط مئی کے شدید ریگستانی دھوپ مین نعمت غیر مترقبہ سے کم نہین، بازار اچھا خاصہ لگا ہوا، ضرورت کی ہر شے مہیّا، اور بہ افراط، پانی والے گھرون اور خیمون پر بھی، مشکون اور ٹین کے کنسترون مین پانی پہونچا دینے کو حاضر،

ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا جب مکہ معظمہ سے چلے تھے، عصر کا اوسط وقت گذر چکا، جب منیٰ پہونچے، کل صبح عرفات کے لئے روانہ ہونا ہی، مسنون طریقہ یہ ہی، کہ ۸ ر ذی الحجہ کی ظہر سے لیکر ۹ ر کی فجر تک، پوری پانچ نمازین یہان ادا کرے، اور اسی لئے ۸ ر کو ہم لوگ مکہ سے صبح سویرے چلنے کی اس قدر عجلت کر رہے تھے، لیکن معلم صاحب کا خدا بھلا کرے، محض انکی عنایت سے ہم لوگ ایسے وقت یہان پہونچے کہ جمعہ و ظہر کا وقت الگ رہا عصر کا بھی اول وقت کچھ دیر ہوئی رخصت ہو چکا تھا، خیمون کی طرف سے تو معلم صاحب چلتے وقت مایوس کر ہی چکے تھے، سڑک کے کنارے میدان مین ہمارے شغدف اتار کر رکھدیئے گئے، اور ہم کو حکم ملا، کہ اس سہ پہر سے لیکر کل صبح تک کا وقت انھین شغدفون کے اندر یا ان کے باہر،

آسمان کی چھت کے نیچے، اور زمین کے فرش کے اوپر بسر کرنا ہی! تعمیلِ ارشاد کے سوا چارہ کیا تھا؟ اور صبر و خاموشی سے کام نہ لیتے، تو آخر کرتے کیا؟ یہ بھی غنیمت ہوا، کہ یہاں سابقہ خود معلّم سے نہین اُن کے لڑکون اور کارندون سے پڑا جو فی الجملہ مہذّب اور زبان کے میٹھے تھے، خود معلّم صاحب کی شریعت مین منیٰ کا قیام غالباً فضول سا تھا، وہ خود آج مکہ ہی مین رہے، وہ موجود ہوتے تو شاید ہم لوگون کو زبان کے گناہون مین کچھ اور مبتلا ہونا پڑتا، بہرحال جس طرح بن پڑا، ہم مردون نے کہین آڑ تلاش کرکے ضروریات سے فراغت کی، زنانہ قافلہ کے لئے ایک مہربان کا مکان مل گیا! مسجد خیف جس کی فضیلت حدیثون مین وارد ہوئی ہی، منیٰ ہی مین واقع ہی، حضورؐ نے حجۃ الوداع مین یہین نماز پڑھائی تھی، بڑی وسیع مسجد ہی، لیکن حاجیون نے اسے سرا، یا مسافرخانہ بناکر ہر طرح گندہ کر رکھا ہی، اور موجودہ حکومت نے شاید مسجد کی صفائی اور احترام قایم رکھنے کو بھی "بدعت" سمجھ رکھا ہی! ہماری منزل گاہ سے اس کا اچھا خاصا فاصلہ تھا، اور پھر سڑک پر انبوہِ عظیم، سب سے بڑھ کر اپنی پست ہمتی، پست ہمتون کو کوئی نہ کوئی بہانہ ملجانا چاہئے، بہرحال کسی نماز کے لئے بھی وہان تک رسائی نہ ہو سکی، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازین وہین میدان مین جماعت کیساتھ ادا ہوئین، اور رات کو وہین سوئے، ہزارہا عرفات کے جانے والے، رات بھر اسی راستہ سے گذرتے رہے، اور منیٰ مین قیام نہ کیا، ان اللہ کے بندون کے نزدیک، رسولؐ کی سنت محبوب پر عمل گویا کوئی معنی ہی نہین رکھتا!

اس غلطی مین دس بیس، سو پچاس نہین، ہزارہا حاجی مبتلا پائے گئے، حالانکہ

منیٰ مین قیام، اور آٹھوین اور نوین کی درمیانی شب مین شب باشی، تمام ائمہ کے نزدیک مستحب ہی، قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہین، کہ سعی کے بعد جس عمل کی طرف حاجی کو متوجہ ہونا چاہیے، وہ یہی ہی، کہ ۸ رکو منیٰ مین آئے، اور شب مین یہان رہے، اور اس پر چارون مذہبون کا اتفاق ہی، کہ امام جماعت کے ساتھ منیٰ مین ۸ رکو ظہر، عصر، مغرب و عشا کی نمازین پڑھے، اور ۹ رکو امام لوگون کے ساتھ عرفات آئے، اور یہان وقوف کرے، البتہ جس کے پاس اتنا وقت نہ ہو، وہ سیدھا عرفات ہی کو جا سکتا ہی، (بدایۃ المجتہد، جلد اول ص ۲۷۹) اور حنفیہ کی کتابون مین تو اس کی تصریح موجود ہے، کہ اگرچہ حج، بغیر منیٰ مین ۸ رکو قیام کئے ہوئے بھی ادا ہو جاتا ہی، لیکن منیٰ مین نہ ٹھہرنے والا تارک سنت کا گنہگار ہوگا، ہدایہ مین ہی، ا-

ولو بات بمکۃ لیلۃ عرفۃ وصلی بھا الفجر ثم غدا الی عرفات ومر بمنیٰ اجزأہ لانہ لا یتعلق بمنیٰ فی ھذا الیوم اقامۃ نسک ولکنہ اساء بترکہ الاقتداء برسول اللہ صلعم	اگر نوین شب مکہ ہی مین گزار دی، اور یہین سے صبح کو عرفات روانہ ہوا، تو حج صحیح ہو جائیگا، اس لئے کہ آج منیٰ کا قیام مناسکِ حج مین داخل نہین لیکن رسول اللہ صلعم کی سنت ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا۔

اور طحطاوی شرح درمختار مین ہی،

ثامن الشہر خرج الی منی ومکث بھا الی فجر عرفۃ فیبات بھا استناناً فلو لم یخرج من مکۃ الا یوم عرفۃ اجزاہ ولکنہ اساء لترک السنۃ	۸ رکو منیٰ کی طرف روانہ ہوا، تو وہان ۹ رکی صبح تک قیام کرے، اور اتباعِ سنت مین شب وہین بسر کرے اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ ۹ ہی کو مکہ سے روانہ ہو تو حج ہو جائیگا لیکن ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔

شرح لباب المناسک (ملا علی قاری) مین ہے:-

وان بات بمکۃ تلک اللیلۃ جاز و اساء لترک السنۃ،	اگر یہ شب مکہ ہی مین گذاری، تو یہ جائز ہے لیکن مخالفتِ سنت کا گناہ ہوا،

اور فتاویٰ قاضیخان مین ہے:-

ولو بات بمکۃ وخرج منہا یوم عرفۃ الی عرفات کان مخالفاً للسنۃ،	اگر وہ رکی شب بجائے منیٰ کے مکہ ہی مین گذاری اور وہ رکو وہان سے عرفات کے لئے روانہ ہوا، تو یہ سنت کے مخالف ہے،

معلوم ہوتا ہے، یہ دستور کچھ عرصہ سے چلا آرہا ہے، صاحبِ ردالمختار (شامی) کو اپنے زمانہ مین لکھنا پڑا:-

واما ما یفعلہ الناس فی ہذہ الازمان من دخولھم بارض عرفات فی الیوم الثامن فخطأ مخالف للسنۃ ویفوتہم بسببہ سنن کثیرۃ منہا الصلوٰۃ بمنی	اور اس زمانہ مین لوگون نے جو یہ طریقہ نکالا ہے، کہ عرفات مین رہی کو آجاتے ہین (اور منیٰ کو چھوڑ جاتے ہین) سو یہ طریقہ مخالف ہے سنت کے، اور ایسا کرنے سے بہت سی سنتین فوت ہوجاتی ہین، مثلاً منیٰ کی نمازین وہان کی شب باشی وغیرہ،

بڑی حسرت و قلق کا مقام ہے، کہ انسان اتنی محنت اور اتنا صرف گوارا کرکے حج کو جائے، اور ایک تھوڑی سی تن آسانی کے خیال سے اتنی بڑی فضیلت کو چھوڑ دے،

منیٰ کے لئے کوئی خاص عبادت یا کچھ مخصوص دعائین، واجب نہین، البتہ

متعدد دعائین ماثور اور اُن کی فضیلتین منقول ہین، مکہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے وقت مستحب یہ ہی، کہ لبیک پکارنے کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پڑھتا رہے، اور جو دعائین چاہے مانگے، اور راستہ مین استغفار اور درود شریف کی جتنی کثرت رکھ سکے، بہتر ہے جس وقت منیٰ نظر آنے لگے، اس وقت یہ دعا پڑھے ؛۔

اللھم ھذی منی فامنن علیّ بما	اے اللہ یہ منیٰ ہی، تو مجھ پر وہ احسان کر، جو تونے
مننت بہ علی اولیاءک ،	اپنے دوستون پر کئے ہین،

نوین شب، برکت والی شب ہی، منیٰ کا مقام برکت والا مقام ہی، چاہیئے کہ شب مین جسقدر بھی ہوسکے دعائین پڑھتا رہے، استغفار کرتا رہے، اور لبیک کہتا رہے، بعض روایات مین آتا ہی، کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے، کہ اسی شب کو منیٰ مین جو شخص ایکہزار بار یہ دعا پڑھے، وہ اپنی جو مراد اللہ سے مانگیگا، اسے مل گی ؛۔

سبحان الذی فی السماء عرشہ	پاک ہی وہ ذات جسکا عرش آسمان مین ہی،
سبحان الذی فی الارض موطئہ	پاک ہی وہ ذات زمین جسکے قدمون کے نیچے ہی،
سبحان الذی فی البحر سبیلہ،	پاک ہی وہ ذات جسکا راستہ سمندر مین ہی،
سبحان الذی فی النار سلطانہ	پاک ہی وہ ذات جسکی حکومت آگ پر ہی،
سبحان الذی فی الجنۃ رحمتہ،	پاک ہی وہ ذات جسکی رحمت جنت مین ہی،
سبحان الذی فی القبر قضائہ،	پاک ہی وہ ذات جسکا حکم قبر مین جاری ہی،
سبحان الذی فی الھواء روحہ	پاک ہی وہ ذات جسکی بنائی ہوئی روح ہوا مین ہی،
سبحان الذی رفع السماء	پاک ہی وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا،
سبحان الذی وضع الارض،	پاک ہی وہ ذات جس نے زمین کا فرش بنایا،

سبحان الذی لا ملجاء ولا منجاء الا الیہ،	پاک ہو وہ ذات کہ جس کے سوا نہ کوئی پناہ ہی نہ نجات،

منیٰ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر تین شیطانوں کی علامتوں کے طور پر تین قدِ آدم سفید ستون سے پتھر کے کھڑے ہوئے ہیں، ہمارے معلم صاحب نے اپنے غایت کرم سے ہمارے قافلہ کو عین اس جگہ اتارا، جہاں درمیانی شیطان نصب تھا! گویا اللہ کے گھر کے مہمان پوری ایک شب، شیطان کے ٹھیک پڑوس میں مقیم رہے! ایسے "مقدس" پڑوس میں اللہ سے مناجات کا موقع تو کیا ملتا، یہی غنیمت ہی کہ شیطان مردود پر لاحول بھیجنے میں اگر کچھ وقت صرف ہوتا رہا ہو!

معلم اور جمال، جس طرح اپنی شرارت سے منیٰ میں حاجیوں کو لاتے بہت دیر میں ہیں، اُسی طرح یہ کوشش بھی برابر جاری رہتی ہی کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے لے بھی جائیں، چنانچہ ہمارے قافلہ سے بھی یہی اصرار شروع ہوا، کہ پچھلی شب میں عرفات کے لئے کوچ کر دینا ہوگا، گویا منیٰ میں پانچ نمازوں کے ادا کرنے کی سنت ہی، جس طرح ۸۔ کو نمازِ ظہر کے ترک کی محرومی ہو چکی تھی اسی طرح ۹۔ کو نمازِ فجر سے بھی محرومی ہو جائے، لیکن ہم لوگوں نے اتنے سویرے روانہ ہونے سے قطعی انکار کیا، عبدالقادر سکندر خود ہوتے تو یقیناً بات بڑھتی لیکن اُن کے لڑکوں اور کارندوں میں فی الجملہ انسانیت تھی، کچھ دیر بعد جب آفتاب اچھی طرح بلند ہو لیا یعنی ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے کوئی سات ساڑھے سات کا وقت ہوگا، اس وقت ہمارا قافلہ روانہ ہوا، میدان

عرفات مکہ معظمہ سے ٹھیک جانب مشرق کوئی ۱۵، ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے منیٰ سے
اس کا فاصلہ کوئی ۱۰۔۱۱ میل ہوگا، اور یہان سے شمال و مشرق مین ہی، سنا تھا، کہ عرفات
مین پانی کی بہت قلت رہتی ہی، پانی کم ملتا ہی، خراب اور گندلا ملتا ہی، اور بہت گران
قیمت پر ملتا ہی، یہان تک کہ بعض غریب غربا کو پیاس کی شدت سے ہلاکت کی نوبت
آجاتی ہی، یہ ڈراونی روایتین سنکر صراحیان پانی سے بھر بھر لی گئین، اور ناشتہ
کے لئے بسکٹون کے ڈبے مکہ ہی سے ساتھ لے لئے گئے تھے، آج کا دن خاص فضیلتون
اور برکتون، رحمتون اور نوازشون کا دن ہی، راستہ مین جس قدر بھی ہو سکے تہلیل
و تکبیر، درود و استغفار، جاری رہنا چاہیئے، سعادت کی یہ گھڑیان اگر عمر مین ایکبار
بھی نصیب ہو جائین تو خوش نصیبی ہی، ——— لیجئے، عرفات کے حدود شروع ہو گئے
ایک لق و دق میدان، مبصرون کا اندازہ ہے کہ دس میل مربع سے کیا کم ہوگا
جہان تک نظر کام دیتی ہی، میدان ہی میدان اور اردگرد پہاڑیان، اونٹون
کی تعداد حساب و شمار سے خارج، اور خیمون کا گویا ایک جنگل لگا ہوا، ہر طرف خیمے
ہی خیمے، جن کو خیمہ کی استطاعت نہین، اُنھون نے معمولی چادرین تان رکھی ہین،
بعض جنکو یہ بھی نہین نصیب، بیچارے دھوپ مین پناہ لینے کے لئے شغدفون کے
نیچے گھسے ہوئے، دوپہر سے کچھ قبل، کوئی گیارہ، پونے گیارہ کا وقت ہوگا، کہ ہم لوگ
پہونچ گئے،

باب ۲۹

عرفات نمبر (۱)

حج کسی مفرد عمل کا نام نہین، ایک طویل و مسلسل مجموعۂ اعمال کا نام ہے جنمین کچھ فرائض ہین اور کچھ واجبات، کچھ سنن ہین اور کچھ مستحبات، اس مجموعہ کا سب سے اہم جزو یہی ۹ ذی الحجہ کو عرفات کی حاضری ہے جسے اصطلاح مین "وقوف عرفات" کہتے ہین۔ (وقوف، کے لفظی معنی ٹھہرنے کے ہین) کسی شخص نے اگر اور سارے اعمال و مناسک ادا کر لئے، اور آج کی تاریخ مین عرفات کی حاضری خدانخواستہ کسی سبب سے رہ گئی، تو سرے سے حج ہی رہ گیا، دوسرے سال حج کر کے اس قضا کو ادا کرنا ہوگا، آج کی تاریخ، دنیا کی تاریخ مین وہ اہم تاریخ، اور عرفات کا میدان روے زمین کے مقامات مین وہ اہم مقام ہے، کہ دین خداوندی کے جامع و مکمل ہونے اور اسلام کے آخری اور کامل پیام ہدایت ہونے کے باضابطہ اعلان کے لئے، اسی سرزمین اور اسی تاریخ کا انتخاب فرمایا گیا، اور آج اور یہین، ہمیشہ کے لئے اور ہر قوم کے لئے اس فرمان کی منادی کی گئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا، ایک صحابی طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہین، کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا،

کہ اگر ہمارے اوپر کہین یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم نے تو اس کے یوم نزول کو روزِ عید قرار دے لیا ہوتا، آپ نے فرمایا، کہ مجھے یاد ہی کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، وہ رات جمعہ کی رات تھی، (اور وہ دن عرفہ کا دن تھا) اور ہم لوگ رسول اللہ (صلعم) کے ہمراہ عرفات مین حاضر تھے! (سنن نسائی) یہ کہکر آپ نے گویا یہ ارشاد فرمادیا، کہ وہ دن ہماری سب سے بڑی عید کا تو تھا ہی، کسی اور جشن کے مقرر کرنے کی کیا حاجت؟

آج کی رحمتین بے حساب ہین، اور آج وہ دن ہی، کہ شیطان آج سے زیادہ حقیر و ذلیل، مایوس، و پریشان اور کبھی نہین ہوتا،

عن طلحة ان رسول اللہ صلعم قال ما رأى الشيطان يوما هو فيه اصغر ولا ادحر ولا احقر ولا اغيظ منه في يوم عرفة، ما ذلك الا لما رأى تنزل الرحمة و تجاوز اللہ عن الذنوب العظام الا ما رأى يوم بدر

(موطأ امام مالکؒ)

حضرت طلحہؓ سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ پست اور بے اعتبار اور حقیر اور پریشان کسی دن نہین دیکھا گیا، اور یہ سب اس لئے کہ آج وہ اللہ کی رحمت کے نزول اور بڑے بڑے گناہون سے اس کے عفو و مغفرت کو دیکھتا ہی، البتہ سوا ایک روزِ بدر کے (کہ اس روز بھی وہ ایسا ہی پریشان و مایوس ہوا تھا)

آج کی رحمتون کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہے نہ پیمانہ، بڑے سے بڑے مجرم آج رہا کئے جاتے ہین، سب کو عفو عام کی بشارت ہوتی ہے، وہ

جو ہمہ رحمت و مرحمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہی، اس کی تجلیات، امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو بھی اپنے آغوش مین لے لیتی ہین، اور اسی کو وہ مولی اپنے بندون کے قریب اپنے آجانے سے تعبیر کرتا ہی، اور بندون نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار فخر کیا ہی ہوگا، آج وہ دن ہی کہ خود مالک اپنے بندون پر فخر کرتا ہی

عن عائشة ان رسول الله صلعم قال ما من یوم اکثر من ان یعتق الله عز وجل فیه عبداً من النار من یوم عرفة وانه لیدنو ثم یباھی بھم الملٰئکة فیقول ما اراد ھؤلاء (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہین، جسمین اللہ بندون کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو، جتنا عرفہ کے دن کرتا ہی، اور اللہ تعالی قریب ہو جاتا ہے، اور بندون کا حال فرشتون پر ظاہر کرکے فخر کرتا ہے، اور (فرشتون کو قائل کرنے کے لئے) پوچھتا ہی کہ یہ بندے کس ارادہ سے جمع ہوئے ہین؟

آج اور یہان رحمت الٰہی سے مایوسی کفر ہی، اور آج اس سے بڑھکر ناشکرا اور گنہگار کوئی نہین، جو یہان کی حاضری کے بعد بھی یہ سمجھتا ہی کہ اس کے نامۂ اعمال کی سیاہیان رحمت و مغفرت کی بارش سے دھل کر نہین رہین، سچے کا ارشاد ہے

اعظم الناس ذنبا من وقف بعرفة فظن ان الله لم یغفر له،

سب سے بڑھکر گنہگار وہ ہی جو عرفات مین وقوف کرے اور پھر بھی یہ سمجھے کہ اللہ نے اس کی مغفرت نہین فرمائی!

آج کا دن دعا ومناجات، توبہ واستغفار، الحاح وزاری، جھکنے اور گڑگڑانے کے لئے مخصوص ہو، جتنا اور جہان تک ممکن ہو، وقت اسی مین لگایا جائے، جو کچھ مانگنا ہو، اپنے رب سے مانگ لے، مانگے اور مانگتا جائے، بے حساب مانگے، اور بے تکان مانگے، جب وہ ہمہ جود وکرم اور ہمہ بخشش وعطا بے حساب دینے اور دلانے، بخشنے اور لٹانے پر آجائے، تو خاک کا پتلا، جو ہمہ فقر وہمہ طلب، ہمہ احتیاج وہمہ درماندگی ہے، مانگنے اور طلب کرنے مین کوئی کسر کیون اٹھا رکھے، اور دین ودنیا کی نعمتون کا کوئی ارمان اور کوئی حوصلہ اپنے دل مین کیون رہنے دے! افضل الدعاء دعاء یوم عرفۃ، (عرفات کی دعا سب دعاؤن سے بڑھکر ہے) یہ اُس کا ارشاد ہے، جو سب سے زیادہ دعائین کرنے والا تھا، اور جسکی دعائین سب سے زیادہ قبول ہونے والی تھین آج کے لئے کسی خاص دعا کا حکم نہین، جو چاہے مانگتا رہے، البتہ ان کلمات کی بڑی فضیلت آئی ہے کہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر، جہان تک ہو ان کلمات کو حضور قلب کے ساتھ بار بار پڑھتا رہے، اور تلبیہ بھی ابھی موقوف نہین ہوا ہے، لبیک لبیک بھی برابر پکارتا رہے، بعض کتابون مین یہ بھی منقول ہے، کہ جب عرفات کو آنے لگے، تو راستہ مین یہ دعا پڑھتا ہوا آئے:۔

اللّٰھم الیک توجھت وعلیک توکلت ووجھک اردت فاجعل ذنبی مغفورا وحجی مبرورا وارحمنی ولا تخیبنی وبارک لی فی سفری واقض بعرفات	اے اللہ مین نے اپنا منہ تیری طرف پھیرا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا، اور تیری توجہ کی طلب کی، پس میرے گناہون کو معاف کر اور میرے حج کو قبول کر، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے محروم نہ کر

حاجتی انت علی کل شیٔ قدیر	میرے سفر کو مبارک بنا، اور عرفات مین میری حاجت پوری کر، تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

اور عرفات مین داخلہ کے وقت اس ذکر کا مستحب ہونا تو اوپر گذر ہی چکا ہی، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر خود سرورِ کائنات صلعم کی زبانِ مبارک سے عرفات مین کسی دعا کے الفاظ، حدیث کی چھو مشہور و مستند کتابون مین تو درج نہین البتہ ایک طویل دعا بعض اور حدیث کی کتابون مین منقول ہی، جو اردو خوان ناظرین کو مع ترجمہ کے، مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاوی عثمانی، جلد ۶) مین ملجائیگی، کتبِ مناسک مین متعدد دعائین لکھی ہوئی ہین،

وقوفِ عرفات کا وقت، مذہب حنفیہ مین و رکو زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور حنفیہ ہی کی بعض کتابون مین ہی، کہ امام مالکؒ کے نزدیک وقت وقوف بعد طلوع آفتاب شروع ہوجاتا ہی، لیکن خود قاضی القضاۃ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہین کہ:-

واجمعوا علی ان من وقف بعرفۃ قبل الزوال وافاض منہا قبل الزوال انہ لا یعتد بوقوفہ ذلک۔ (بدایۃ المجتہد جلد اول، ص۲۹۱)	اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہی، کہ اگر کوئی عرفات مین قبل زوال وقوف کرے، اور قبل زوال ہی وہان سے روانہ ہوجائے، تو اس کا شمار وقوف مین نہ ہوگا،

بہرحال حاجی کو چاہئے، کہ دوپہر تک یا اس کے قبل یہان پہونچ جائے، اور بہتر ہے کہ اس وقت غسل کرلے، ورنہ وضو بھی کافی ہی، اس کے بعد مسجد نمرہ مین، جس کا دوسرا نام مسجد ابراہیم بھی ہی، اور جو منیٰ سے آتے ہوئے عرفات کے شروع ہی

مین پڑتی ہی، حاضر ہو جائے، امام کو چاہئے کہ جون ہی زوالِ آفتاب ہو، منبر پر آبیٹھے
اور موذّن اس کے سامنے اذان دے، جیسا کہ نمازِ جمعہ مین ہوتا ہی، اب امام دو
خطبے دیگا، جسمین مناسکِ حج کی تعلیم و تفصیل ہوگی، اس کے بعد اقامت اور ظہر کی چار
فرض رکعتین، امام کے سلام پھیرنے پر، مَابعد، بغیر نوافل وغیرہ کا وقت دیئے دوسری
اقامت ہوگی، اور اسی وقت اپنے عام و معمولی وقت سے بہت قبل نمازِ عصر کی چار رکعتین
جماعت کے ساتھ پڑھی جائینگی، اور بس اس کے بعد سے شام تک دعا و مناجات تسبیح
و استغفار کے لئے، اطمینان و یکسوئی کے ساتھ سارا وقت ہی وقت پڑا ہوا ہی، عرفات
مین روزہ رکھنا بہتر نہین، کہ خلافِ سنت ہی؛ البتہ غذا اگر ہلکی اور مختصر رکھی جائے
تو بہت مناسب ہی، تاکہ گرانی اور ضعف دونون سے امن رہے، اور اپنے مشاغل
کے لئے پوری فرصت نصیب رہے، دو نمازون کا ایک وقت مین جمع کرکے پڑھنا
حنفیہ کے نزدیک عرفات ہی جائز اور مستحب ہی، اس پر دوسرے حالات و اوقات کو
قیاس نہین کرسکتے، مسجد تک پہونچنا خصوصاً اگر قیام گاہ دور ہے، اور گرمی کا موسم
ہے، ہر ہمت کا کام، ہر شخص کے لئے پہونچنا اور جماعت مین شریک ہونا ممکن نہین؛
ہزارہا آدمی اپنے اپنے خیمون ہی مین نماز پڑھ لیتے ہین، اور یہ بالکل جائز ہی، منفرد
اگر جماعت مین نہ شریک ہوسکا، اور خیمہ ہی مین نماز پڑھ رہا ہی، تو امام ابوحنیفہؒ کے
قول کے مطابق اُسے ظہر اور عصر کی نمازین الگ الگ اپنے معمولی وقتون پر پڑھنا
چاہئے، مگر صاحبین (امام محمدؒ و ابو یوسفؒ) کا فتویٰ اس کے برعکس یہ ہی، کہ ایسی صورت
مین بھی دونون نمازون کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے، فقہ کی کتابون مین
دونون مذہبون کے جو دلائل منقول ہین اُن سے تو امام ابوحنیفہؒ ہی کا قول زیادہ

مضبوط و مدلل معلوم ہوتا ہی، واللہ اعلم وعلمہ اتم،

حج کا فرض اتر جانے کے لئے عرفات کی محض حاضری کافی ہی خواہ انسان کچھ بھی نہ کرے، یہان تک کہ اگر سو رہا ہو، یا بے ہوشی کی حالت مین، اور کوئی اسے چند لمحون کے لئے میدان عرفات سے آج کے دن گزار دے، تو بھی اس کا حج ہو جائیگا! لیکن ظاہر ہی کہ اپنے قصد و ارادہ سے آج کی قیمتی گھڑیون کو ضایع کرنا کون شخص گوارا کریگا، سرورِ کائنات (صلعم) نے اس میدان مین اور آج کے دن جو دعا کی ہی، اسکا نقشہ حضرت ابن عباسؓ ان الفاظ مین کھینچتے ہین:۔

رأیتہ علیہ السلام یدعو بعرفۃ یدیہ الی صدرہ کاستطعم المسکین،	مین نے حضورؐ کو عرفات مین اسطرح دعا مانگتے ہوے دیکھا جیسے کوئی بھوکا مسکین اپنا ہاتھ کسی سخی داتا کے آگے پھیلائے ہوا!

جب رسول معصومؐ کا یہ حال تھا، تو امت کے سیہ کارون اور تباہ حالون کو اسدن اور اس جگہ اپنا کیا حال رکھنا چاہئے؟ الحاح و تضرع، خشوع و خضوع کا کوئی دقیقہ آج اٹھا رکھنا چاہئے؟ اپنے گناہون کو یاد کرکے اگر آنکھون سے آنسو جاری ہو جائین، تو کیا پوچھنا، لیکن اگر رونا نہ آئے، تو اس پر زیادہ حسرت بھی نہ کرنا چاہئے، رسول اللہ صلعم کے متعلق یہ کسی روایت مین نہین ملتا، کہ دعا کے وقت چشم مبارک سے آنسو بھی جاری تھے، جہان میدان ختم ہوتا ہی، وہان ایک سمت ایک اونچی پہاڑی ہے، اس کا نام جبل رحمت ہی، سرور کائنات (صلعم) نے اسی کے نیچے وقوف کیا تھا اور یہین اونٹنی پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کا مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا تھا، موقف النبی

اور موقف اعظم یہی مقام کہلاتا ہی، جبل رحمت کے نیچے بڑے بڑے سیاہ پتھر بہت سے ڈھیر ہین، اگر جگہ مل جائے، اور ہمت ہو، تو یہین کہین بیٹھ کر فراغت و یکسوئی کیساتھ دعاو مناجات مین مشغول ہو جائے، سہ پہر کے وقت امام یہین آتا ہی، اور قبلہ رخ، اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہی، دعائین مانگتا ہی، لوگون کو بھی چاہیے کہ دعا کے وقت حتی الامکان قبلہ رخ ہی رہین، اگر امام کے قریب پہونچ سکین، تو افضل ہی، ورنہ جہان کہین بھی ہون، وہین اپنے کام مین لگے رہین، سارا میدان عرفات بجز وادی عرنہ کے جو مسجد نمرہ سے متصل ہی، موقف ہی موقف ہی،

امام غزالیؒ، اعمال عرفات کے ذکر مین فرماتے ہین کہ:-

در دعا مبالغہ کند کہ سر اجتماع دلہا و ہمتہاے عزیزان ست درین وقت شریعت،	اس وقت خوب جی لگا کر دعا کرے، اور راز اسکا یہ ہی کہ اس وقت کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ بندے ایک ساتھ دعائین مانگے ہوتے ہین !

اللہ اللہ! یہ عرفات کا لق و دق ویرانہ، جو نہ انسان کے بسنے کے لایق ہی، نہ حیوان کے، اور جہان سال بھر انسانی آبادی تو الگ رہی، پرندہ پر بھی نہین مارتا، دم کے دم مین، آن کی آن مین، کیا سے کیا ہو جاتا ہی! دن بھر کے لئے، سیکڑون کا نہین، ہزارون کا نہین، لاکھون کی آبادی کا ایک عظیم الشان شہر آباد ہو جاتا ہی! ان مین بوڑھے بھی اور جوان بھی، بچے بھی اور عورتین بھی، شہ زور پہلوان بھی، اور لب مرگ کمزور و ناتوان بھی، گورے بھی کالے بھی، سانولے بھی پیلے بھی، مشرقی بھی مغربی بھی، جنوبی بھی شمالی بھی، عالم بھی عامی بھی، امیر بھی فقیر بھی، عابد و زاہد بھی، فاسق و فاجر بھی،

اور یہ سارا مجمع کیون آپ ہی آپ اکٹھا ہو رہا ہے؟ کوئی دلچسپ تماشہ ہونے والا ہے؟
کوئی بزم مشاعرہ ہے؟ کوئی ہنسنے ہنسانے والی نقل دکھائی جائیگی؟ کوئی گھوڑدوڑ
ہے؟ پولو ہے؟ ہاکی یا فٹ بال کا میچ ہے؟ رستم دوران گاما ن پہلوان کی کشتی کا
دنگل ہے؟ تجارتی مصنوعات کی نمائش ہے؟ ڈربی سویپ (SWEEP) ہے؟
گھوڑون اور ہاتھیون کا بازار لگنے والا ہے؟ کسی کانفرنس، کسی کانگریس کا افتتاح
ہے؟ کسی کا لکچر ہونے والا ہے؟ کسی درگاہ پر عرس ہونیوالا ہے؟ کسی دیبی دیوتا کی
پوجا ہونے والی ہے؟ کوئی گنگا اشنان ہے؟ کوئی کمبھ میلا ہے؟ بجز ایک اللہ کی عبادت کے
بجز ایک اللہ کے حکم کی تعمیل کے، بجز ایک اللہ کے نام پر مرمٹنے کی تمنا کے، اور کوئی
شے ان ہزار ہا بندون کو، ان لاکھون کلمہ گویون کو یہان اس تپتی ہوئی ریت مین
گھسیٹ کر لائی ہے؟ مجمع دنیا مین اور بہت سے ہوتے رہتے ہین، میلے ٹھیلے خدا معلوم
کتنے ہوتے رہتے ہین، کھیل تماشون مین ٹھٹ کے ٹھٹ ہر جگہ لگ جاتے ہین لیکن
اللہ کے نام پر جمع ہونے والون کا، لبیک لبیک کی رٹ لگا کر اللہ کا نام جپنے
والون کا اور محض بن دیکھے مولا و مالک کے آگے رونے اور گڑگڑانے، جھکنے اور
گرنے والون کا اتنا بڑا مجمع، دریاؤن اور سمندرون کو پار کرکے، پہاڑون اور
پہاڑیون کو پھاند کرکے، دنیا کے طول و عرض مین کہین، اور وقت کے کسی حصہ
مین کبھی بھی ہوتا ہے؟ دعائین، ان اللہ والون کی نہ قبول ہونگی، تو اور کس کی
ہونگی؟ بے حساب رحمتون اور بے شمار برکتون کا نزول اُن کے سرون پر نہ ہوگا
تو اور کس پر ہوگا؟ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ اسی مقام پر اور آج ہی کے
دن قبول ہوئی تھی، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن بہرحال بنی آدم اپنے گناہون

کے بخشوانے کے لئے آج سے بہتر تاریخ اور یہان سے بہتر سرزمین اور کون سی ڈھونڈھکر لائینگے؟

دنیا کی کوئی قوم، روے زمین کا کوئی مذہب اس خالص توحید و خدا پرستی کے عظیم الشان مظاہرہ کا نمونہ پیش کر سکتا ہی؟ کسی نے کبھی پیش کیا؟ کوئی آج کہین پیش کر رہا ہی؟ کوئی آیندہ کبھی پیش کریگا؟ تمون کے بندے بے شمار، حرص و ہوا کے پرستار لاتعداد، سیر و تماشہ کے سودائی بے گنتی، لیکن دنیا آئے، پارکون اور سبزہ زارون کی سیر کرنے والی دنیا آئے، بازارون اور نمائش گاہون کی گشت لگانیوالی دنیا آئے عجائب خانون اور چڑیا خانون مین وقت گذارنے والی دنیا آئے، اور اس بیسوین صدی عیسوی مین ایکبار ذرا اللہ کی فوج کے ان سپاہیون کو اپنے رب کے ان مستون اور دیوانون کو دیکھے، کہ اس جلجلاتی دھوپ مین تپتی ہوئی ریت کے اوپر ننگے سر اور پسینہ مین شرابور، مٹی مین اٹے ہوئے، اور خاک مین لتھڑے ہوئے، کس کس طرح جھک جھک کر، اور گر گر کر، رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر، اپنے ان دیکھے مولا و مالک کے آگے، مانگنے اور بھیک مانگنے کے لئے کن کن آرزوون اور تمناؤن کیساتھ، کس ہجوم شوق و اشتیاق کیساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہین! دعائین انکی نہ قبول ہونگی تو کس کی قبول ہونگی؟ جو کچھ مانگین گے ملے گا، جو سوال ہوگا، پورا ہوگا لیکن اتنا کرم تو دنیا کے کریم بھی کر دکھاتے ہین، انھین تو وہ ملیگا، جو انکے وہم و خیال مین بھی نہین، یہ تو وہ پائین گے جسکا سوال ان کے ذہن مین بھی نہین! نور کے بنے ہوئے فرشتے ظلوم و جہول انسان کی اس طاعت و

ان اللہ ینزل الی سماء الدنیا فیباھی بھم الملئکۃ یقول ھؤلاء عبادی

یہ رنگ رچاتے ہین، انھین دکھایا جاتا ہی، اور جنھون نے کبھی کہا تھا کہ انسان روے ارض

جاؤنی شعثا غبرا یرجون رحمتی ویخافون
عذابی ولم یرونی فکیف لو راونی،

پر فتنہ و فساد ہی کریگا، انھین دکھا دکھا کر عرفات
کی حاضری دینے والون پر فخر کیا جاتا ہے،

اور کہا جاتا ہے، کہ دیکھو، خاک کے پتلون کا ذوقِ جبین سائی دیکھو، آج جب اپنے کو اتنے حجابات مین رکھا ہے، اس وقت تو ان کی تمناے دیدار اور دیوانگی کا یہ حال ہے، پھر جس وقت حجابات اٹھ جائین گے، اس وقت، اس شمعِ رخ پر یہ پروانے کس بے اندازہ مستی و دیوانگی سے گرین گے!

باب ۳۰

عرفات نمبر (۲)

لکھوکھا کے مجمع میں لوگ سب ہی طرح کے ہیں، ہر مزاج، ہر مذاق، ہر مرتبہ کے نمونے موجود ہیں، ہزاروں ایسے ہیں، جو عرفات کی حاضری کو ایک طرح کی تفریحی تقریب سمجھے ہوئے ہیں، اور چائے پینے پلانے کی دعوتوں میں مصروف ہیں، سیکڑوں ہزاروں ایسے ہیں، جو سوسو کر اپنا وقت کاٹ رہے ہیں، کہیں کہیں دیگیں چڑھی ہوئی ہیں، اور اعلیٰ درجہ کی بریانی اور پلاؤ کا سامان ہو رہا ہے، پھر بھی ہزاروں بندے اللہ کے ایسے بھی ہیں، جو وقت کی قدر و قیمت کو پہچانے ہوئے، اور مقام کی اہمیت کو پوری طرح جانے ہوئے، اس دوپہر کی ایک ایک گھڑی، اور اس سہ پہر کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانے اور پیشانی رگڑنے، رونے اور گڑگڑانے، استغفار و مناجات کرنے میں بسر کر رہے ہیں! انھیں میں کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ ہوں گے، کیسے کیسے اپنے رب کے پیارے ہوں گے کیسے کیسے مخلص متقی ہوں گے، قطب ہونگے ابدال ہونگے، اولیا ہونگے، کاملین ہونگے، انکی دعائیں کیا تنہا اپنے نفسوں کے لئے ہونگی؟ ان کے رب کی رحمتوں کا نزول کیا صرف انھیں کے لئے ہوگا؟ اللہ اور اللہ والوں سے تنگ دلی کی بدگمانی

نعوذ باللہ! آج تو وہ دن ہے، کہ کسی کا کرم بے حساب اور رحمت بے پایان اپنے سایۂ دامن میں لے لینے کے لئے حیلہ ڈھونڈ تی ہوتی ہے، اللہ والون کی سفارش سے بڑھ کر اور کیا حیلہ ہوگا، ان مقبولون کے طفیل مین خدا معلوم کتنے غیر مقبول آج مقبول بنجاتے ہین، اور کتنے مفلسون اور تہیدستون کا شمار آج سرمایہ دارون مین ہونے لگتا ہی! کریم جب دینے پر آئے، اور کریم کے در کے بھکاری مانگنے مین کمی نہ کرین، تو داد و دہش کی کمی، اہل و نا اہل کس نا کس حقدار اور بے حقے، کھرے اور کھوٹے سب ہی اپنی اپنی قسمتون کے حصہ کے مطابق نعمتون سے سرفراز اور دولتون سے مالامال ہو رہے ہین!

صوفیہ کے تذکرون مین آتا ہی، کہ علی بن موفق ؒ ایک بہت قدیم بزرگ گزرے ہین، حج کے لئے حاضر ہوئے، نوین شب مین منیٰ مین خواب دیکھا، کہ دو فرشتے باہم گفتگو کر رہے ہین، ایک نے دوسرے سے پوچھا، کہ اب کی کتنے حاجی آئے جواب ملا، کہ ۶ لاکھ، پھر پوچھا، کہ حج مقبول کتنون کا ہی؟ جواب ملا کہ ۶ کا! ۶ لاکھ مین کل چھ! ہول و دہشت سے آنکھ کھل گئی، اور دل نے کہا کہ اپنا شمار اُن چھ خوش نصیبون مین تو بہر حال نہین ہو سکتا، معلوم ہوتا ہی، یہ ساری محنت و مشقت بیکار ہی گئی، دسوین شب مین، عرفات سے واپسی کے بعد، پھر اسی طرح خواب مین انھین دونون فرشتون کو دیکھا، ایک نے پوچھا کہ حج مقبول کل چھ کا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا، کہ اُن چھ کے طفیل مین پورے چھ لاکھ کے حج قبول ہو گئے! العظمۃ للہ، ان نوازشون اور سرافرازیون کا کوئی ٹھکانا ہے!

ان رحمتون اور بخششون کی کوئی حد و انتہا ہی! —— ان حکایتون پر حیرت کیون کیجئے! کیا روزمرہ آپ نہین دیکھتے رہتے، کہ غلّہ کے انبار مین جو مٹی اور تنکے پڑجاتے ہین، وہ بھی غلہ ہی کے حساب سے بکتے ہین، اور سونے مین گرد و غبار کے جو ذرّات شامل ہو جاتے ہین، وہ بھی سونے ہی کے ساتھ تلنے لگتے ہین! کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہی، اصحاب کہف کے طفیل مین کہان سے کہان پہونچ گیا! پھر انسان تو بہرحال انسان ہی، اور جو عرفات مین حاضر ہوتا ہی، وہ آخر اللہ اور رسول صلعم کا نام لیوا تو ہوتا ہی ہے، اس سے بڑھکر بدنصیب اور کون ہوگا، جو آج اور یہان کی حاضری کے وقت بھی رسول پاک صلعم کے اس ارشاد مبارک کو بھلائے رکھے، کہ:-

اعظم الناس ذنباً من وقف بعرفۃ فظن ان اللہ لم یغفر لہ،	سب سے بڑھکر گنہگار وہ ہی، جو عرفات مین حاضر ہو، اور پھر بھی یہ خیال رکھے کہ اللہ نے اُسے نہین بخشا،

ایک زندہ بزرگ کا (خدا انھین مدتون زندہ و سلامت رکھے) معمول یہ سننے مین آیا، کہ وہ ۸ کی صبح کو مکہ سے منیٰ پا پیادہ آجاتے تھے، اور پھر ۹ کی صبح کو مع اپنے تین یا چار ہم مشرب و ہم مذاق یاران سلسلہ کے منیٰ سے عرفات بھی پیدل ہی آتے تھے، ایک ایک جانماز، پانی کی ایک ایک بوتل، اور بسکٹ وغیرہ کی قسم سے مختصر ناشتہ، بس اس قدر سامان ہر ہر رفیق کے ہاتھ مین، عرفات پہونچکے ذرا دم لیا، غسل فرمایا، ظہر و عصر کی نماز جمع کرکے جماعت کے ساتھ مسجد نمرہ مین

اداکی، اور اس کے بعد جبل عرفات کے دامن میں جو خشک جھاڑیاں ہیں، انہیں سے ایک ایک جھاڑی ہر بزرگ نے اپنے لئے مقرر کرلی، اور پوری یکسوئی و فراغِ خاطر کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی عبادتوں میں مصروف ہو گئے، جھاڑیاں نہ اتنی قریب قریب، کہ ایک شخص کی آواز دوسرے کی توجہ میں مخل ہو، اور نہ اتنی دور دور، کہ فراغت کے بعد ساتھیوں کے تلاش کرنے میں دقت ہو — یہ انتظام اگر کسی سے بن پڑے، تو کیا کہنا، یکسوئی و سکون خاطر کا بہترین نسخہ اور بہترین نقشہ ہی، اس سفرنامہ کے مصنف کی تقدیر بھلا ایسی رسا کب تھی، اپنا تو سارا وقت، کہنا چاہیئے، کہ محض ضایع ہی ہوا، اور نفس بہانے یہ کرتا رہا، کہ قافلہ کی ضروریات، اور مستورات کے آرام وغیرہ کا انتظام کرنا ہی! کئی فرلانگ طے کرکے اس کڑی دھوپ میں، اپنے پست ہمت کو مسجد نمرہ تک جانے کی توفیق کیوں نصیب ہونے لگی تھی! یہی غنیمت ہوا، کہ اپنے خیمہ ہی میں مختصر سی جماعت مل گئی، مولانا مناظر صاحب ہر موقع کی طرح آج بھی ہمارے قافلہ میں سب سے زیادہ نصیبہ ور رہے، نماز پڑھنے مسجد نمرہ گئے، واپسی میں خیمہ کا راستہ بھول کر خدا جانے کہاں تک بھٹک گئے، اور ساتھیوں سے گم ہو کر یہاں کی تنہائیوں اور خلوتوں میں خدا معلوم کیا کیا پالیا! ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء کی تصدیق ایکبار پھر ہو کر رہی،

ہم لوگ یہاں قبل دوپہر پہونچ گئے تھے، دوپہر ہوتے ہوتے جنھیں غسل کرنا تھا، وہ غسل سے، اور باقی تازہ وضو کرکے تیار ہو گئے، ۱۶ سولہ آدمیوں

کے لئے دو خیمے تھے، ایک خیمہ میں خاص میرے قافلہ کے آٹھ آدمی (زن و مرد) آگئے دوسرے میں بقیہ آٹھ آدمی رہے، معلم صاحب نے جو خیمے دیئے ہیں، وہ آٹھ آٹھ آدمیوں کے رہنے کے قابل تو کسی طرح پر بھی نہیں، لیکن خیر چند ہی گھنٹوں کا معاملہ ہے، کسی نہ کسی طرح گذر ہو جائیگی، اپنے اپنے شغدف بھی خیموں سے بالکل متصل رکھوا لئے، عورتیں زیادہ تر شغدفوں ہی کے اندر رہیں، شغدف خیمہ سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے، بڑی وجہ یہ ہے کہ شغدف اونچے پلنگ کی طرح زمین سے کافی بلند ہوتے ہیں، اس لئے اُن میں بیٹھکر کم از کم زمین کی گرمی سے امن رہتا ہے، خیمے اگر ہر طرف سے بند رہتے ہیں، تو بڑی امس پیدا ہو جاتی ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، پسینہ کی حد نہیں، لیکن اگر خیمہ کی قناتیں دو طرف سے کھول کر دروازہ سے بنا دیئے جائیں، تو پھر خاصی ہوا آنے لگتی ہے، زمین خوب جلتی اور تپتی ہوتی ہے، اس پر بچھانے کے لئے کوئی موٹا فرش ہمراہ لانا ضروری ہے، اور اگر کپڑے کی کرسی یا ٹوٹ کا پلنگ ہمراہ آسکے تو یقیناً زیادہ آرام ملیگا، بمبئی سے ڈک چیر (کپڑے کی کرسی) اگر ہمراہ لے لیجائے، تو جہاز میں بھی بہت کام دیگی، اور عرفات و منیٰ میں بھی اسی قدر مفید ثابت ہوگی، پانی کی بابت بہت سی ڈراونی روایتیں سننے میں آئی تھیں، سنا تھا کہ عرفات میں پانی بہت مشکل سے، اور بہت کم اور بہت گران، اور بہت خراب ملتا ہے، اب کی سال تو خدا کے فضل سے کوئی ایسی دقت نہیں پیش آئی، پانی بیچنے والے کثرت سے پکارتے پھرتے ہیں، اور پانی کچھ ایسا گندہ بھی نہیں، خاصہ صاف ہے، زیادہ گران بھی نہیں، ایک مشک یا اوسط درجہ کی مشک آٹھ آنے میں، یا اگر زیادہ چکایا جائے تو چھ آنے میں

ممکن ہی، بعض پچھلے سالون البتہ سنا ہی، کہ پانی بہت کم ملا تھا، اور دو دو روپیہ فی مشک کے حساب سے ملا تھا، اور بہت گندلا ملا تھا، اب کی سال اللہ کا بڑا فضل رہا، اللہ ٹھنڈا رکھے زبیدہ خاتون کی تربت کو، اسی کی تعمیر کرائی ہوئی نہر سے، صدہا سال سے اللہ کی بیشمار مخلوق سیراب ہوتی چلی آرہی ہی، اور آیندہ بھی خدا معلوم کب تک اسی طرح سیراب ہوتی رہے، البتہ ضرورت اس کی ہے کہ نہر کی صفائی، پابندی اور انتظام کے ساتھ ہوتی رہے، سفری چولھا (یا ککر) اگر ہمراہ ہو تو بہتر ہے، ہم لوگون کے ساتھ مین انگیٹھی اور کوئلے تھے، ان سے بھی کام چل سکتا ہی، مختصر کھانا بطور ناشتہ کے پک گیا، ستو ایسے موقع پر خاص طور سے کام آتے ہین، غذا کی غذا، اور پیاس کی تسکین الگ، اور پھر بغیر کسی دشواری و اہتمام کے دم بھر مین تیار، مرمرے (لائی) کے ستو سب سے بہتر ہین، تال مکھانے کے ستو مناسب نہین، نقصان کا احتمال ہے، خصوصاً جبکہ طبیعت پیچش کی جانب از خود آمادہ ہو رہی ہو،

خیمون کے اس جنگل مین اپنے خیمہ سے باہر نکل کر کچھ دور تک جانا، غضب کا سامنا کرنا ہی، خیمون کے نصب کرنے مین کوئی خاص ترتیب نہین ہوتی، یا اگر ہوتی ہو بھی تو کم از کم حاجی غریب کو تو اس کا علم ہوتا نہین، نہ خیمون پر کوئی نمبر یا اور کوئی خاص علامت، سیکڑون ہزارون خیمے، بس ایک ہی رنگ کے ایک ہی وضع و قطع کے، ہر طرف مسلسل چلے گئے ہین، بے پڑھون ٹھون اور بوڑھیون کا ذکر نہین، اچھے خاصے جوان جہان، ہوشیار پڑھے لکھے جبکہ

جاتے ہین، اپنے خیمہ سے نکل کر چند قدم چلے، کہ راستہ گم ہوگیا، اب نہ جہان جانے کے
لئے نکلے تھے، وہان پہونچ سکتے ہین، نہ اپنے خیمہ کا راستہ پاتے ہین، عجب مصیبت
وبیکسی کا وقت ہوتا ہے، راستہ پوچھین تو کس سے، اور کوئی بتانا چاہے بھی تو
کیا بتائے سب انھین جیسے ناواقف، ہم لوگ نماز کے لئے کسی بڑی جماعت کی
تلاش مین ایکبار اپنے خیمون سے باہر نکلے، لیکن چند ہی قدم چلنے کے بعد عافیت
واپسی ہی مین نظر آئی، حکومت اگر چاہے، تو ان دشواریون کا سدباب آسانی سے
کرسکتی ہی، اول تو موجودہ حالت انتشار وبےنظمی کے بجائے، خیمون کے مختلف
محلے (کیمپ) مختلف ملکون کے اعتبار سے قایم کردینے چاہئین، مثلاً ایک محلہ مصریون
کا، ایک ہندیون کا، ایک حجازیون کا، ایک جاویون کا وغیرہ وغیرہ، پھر بڑے ملکون
کے محلون کے اندر صوبہ وار تقسیم کردینی چاہئے، مثلاً پنجاب کیمپ، بنگال کیمپ، وقس
علیٰ ہذا، اور پھر اس کے بعد خود ان صوبہ وار محلون کے اندر خیمون پر نمبر ڈال
دینے چاہئین، ہر کیمپ کا بھی ایک الگ نمبر ہونا چاہئے، اور علاوہ نمبرون کے مختلف
رنگ کے بلند جھنڈون اور جھنڈیون کے ذریعہ سے مختلف کیمپون کو ممتاز و نمایان
کرنا چاہئے، عارضی سڑکون اور روشون کو بناکر اور ان پر نمبر ڈال کر بھی بہت کچھ
سہولت پیدا کیجاسکتی ہی، صوبہ وار کیمپون کے اندر مختلف معلّمون کے نام بھی
ان معلمون کے حاجیون کے خیمون کے گرداگرد اگر نمایان کردیئے جائین، تو دقتین
اور زیادہ گھٹ سکتی ہین، ان سب تدبیرون کے علاوہ چار پانچ سو کی تعداد
مین مختلف زبانین جاننے والے رضاکار یا پولیس کے رضاکارون کے کیمپ کسی
خاص نمایان رنگ کے ساتھ، میدان عرفات کے مختلف حصون مین ہونے چاہئین،

اور ان مین ایک دوسرے سے فوری پیام رسانی کے لئے عارضی ٹیلیفون کا انتظام
بآسانی ہو سکتا ہی، حکومت حجاز لکھو کھا روپیہ ان حاجیون سے موسم حج مین وصول
کرتی ہے اگر اس مین سے دس بیس ہزار روپیہ انھین کی سہولت و آسایش کے
سامان پر لگا دیا جائے تو حکومت کے خزانہ پر ہرگز کوئی بار نہین پڑ سکتا،

حکومت کے نظم و انتظام کی افسوسناک کمی صرف اسی ایک حیثیت سے واضح
نہین ہو رہی تھی، عرفات سے واپسی کے بعد سننے مین آیا کہ وہان پانی، برف،
شربت، فالودہ، چاے اور قہوہ کی دوکانین بھی موجود تھین، خدا معلوم کہان تھین، عرفات کے
دوران قیام مین تو ہمارے قافلہ کو انکا پتہ کہین چلا نہین، ظاہر ہے، کہ میلون کے وسیع
رقبہ مین کسی ایک گوشہ مین، یا عین وسط مین بھی، اگر چند دوکانین ہو لین، تو دور
والون کو اُن کی کیا خبر ہو سکتی ہی، بجاے کسی ایک جگہ کے چاہئے یہ تھا، کہ مختلف
ملکون کے کیمپون مین الگ الگ، دوکانین ہوتین، دوکانین ہوتین چاہے چھوٹی
ہی، لیکن انکا متعدد ہونا، اور مختلف حصون مین پھیلا ہونا لازمی تھا، ہندوستان
مین جن لوگون نے، کانگریس کے یا اس کے زمانۂ عروج مین خلافت کانفرنس کے
سالانہ جلسون کے انتظامات مین حصہ لیا ہے، وہ عرفات مین بھی اپنی رضاکارانہ خدمات
بخوشی پیش کر سکتے تھے، اور سعودی حکومت اگر انھین موقع دیتی تو ان خدمات
کو وہ اپنے لئے وسیلۂ نجات و باعث سعادت خیال کرتے، پچھلے سالون جو کچھ ہونا
تھا، ہو چکا، آیندہ کے لئے اب بھی کچھ نہین گیا ہی، حکومت حجاز کا اس موقع پر
باہر کے حاجیون سے اشتراک عمل لازمی ہے، حکومت لاکھ نیک نیتی کے ساتھ کوئی

انتظامی کمیٹی قایم کرے، لیکن جب تک اُس مین مختلف زبانین جاننے والون اور مختلف ممالک کے مذاقِ طبیعت سے واقفیت رکھنے والون کو شریک نہ کرے گی، کوئی بڑی کامیابی ممکن نہین، یہ جو کچھ لکھا جارہا ہے، حاشا، اس سے موجودہ حکومتِ حجاز کی تنقیص یا اُس پر مخالفانہ نکتہ چینی مقصود نہین، بلکہ مقصود صرف آیندہ کے لئے اصلاحِ حال ہے، جس سے حاجیون کو بھی راحت پہونچے، اور حکومت بھی نیکنامی حاصل کرے،

اعمالِ حج کا رکنِ اعظم یہی وقوفِ عرفات ہے، جس وقت سہ پہر کو (اندازہ کے لئے اوسط وقت عصر سمجھیے) امام خطبہ پڑھ چکتا ہے، تو وہ وقت عجب مسرت کا ہوتا ہے، "حج ہوگیا" "حج ہوگیا" کی صدائین ہر طرف سے آنے لگتی ہین، اور ایک دوسرے کو گرمجوشی کے ساتھ مبارکبادین دیجانے لگتی ہین، معلمین خیمون پر آکر اپنے اپنے حاجیون کو کچھ دعائین پڑھاتے ہین، جو نہ اس وقت یاد آتی ہین، اور نہ کسی دوسری کتاب مین نظر سے گذری ہین، اور ساتھ ہی ساتھ، وہ خود اور اُن کے ملازمین اور کارندے کچھ نہ کچھ وصول بھی کرتے جاتے ہین ——— لیجئے، دیکھتے ہی دیکھتے، عصر کا وقت آخر ہونے لگا، آفتاب مین زردی آنے لگی، اور خیمے اکھڑنے شروع ہوگئے! سبحان اللہ وبحمدہ، کیا خدا کی قدرت ہے، اب تھوڑی ہی دیر مین

یہ ساری آبادی ویرانی سے بدل جائے گی، اور جہاں آج دن بھر لکھوکھا انسانوں کا مجمع رہا، وہاں اب ایک متنفس بھی نہ نظر آئیگا! اور سال بھر کی ویرانی کے بعد پھر آج ہی کی تاریخ اسی طرح کی آبادی اور چہل پہل ہوگی! آج کے دن جس طرح یہاں نماز عصر اپنے وقت سے پہلے ہٹاکر نماز ظہر کے ساتھ ملاکر پڑھ لی گئی، اسی طرح حکم ہے کہ آج نمازِ مغرب بھی اپنے وقت سے پیچھے ہٹادیجائے، اور بجائے یہاں پڑھنے کے مزدلفہ پہونچ کر، رات گئے، نماز عشا کے ساتھ ملاکر پڑھی جائے، بعض ناواقف بیچارے جلدی جلدی یہیں نماز مغرب اداکرنے کے لئے نیت باندھ رہے ہیں، ناواقفیت کی بنا پر مواخذہ سے تو غالباً بچ جائیں، لیکن اتباعِ سنت کا اجر تو بہرحال اپنے ہاتھوں کھو رہے ہیں، ہزارہا ایسے ہیں، جو جلدبازی کرکے کچھ دن رہے ہی روانہ ہوجاتے ہیں مسنون وقت روانگی کا، غروبِ آفتاب کے بعد ہے، لیجئے، آفتاب غروب ہونے لگا، سب کے خیمے اکھڑ چکے، ہمارے خیمے اکھڑ ہی رہے تھے، کہ بے نشان وگمان، بغیر کسی موسمی توقع وتغیر کے، دفعۃً آسمان پر ایک طرف سے ابر کا ٹکڑا آتا ہوا نمودار ہوا، دوچار بار بجلی چمکی! بوندیں شروع ہوئیں، اور چند ہی لمحوں میں اچھی خاصی بارش ہونے لگی! کریم کی کریمی اور مولا کی رحمتوں کی تھاہ کون پاسکتا ہے! احرام پوشوں کے جسم کہاں تو ابھی جلجلاتی ہوئی دھوپ میں تپ رہے تھے، اور کہاں ابھی پانی میں لت پت ہونے لگے، بارش ہوئی، اور خوب اچھی طرح ہوئی، لوگ بھیگے اور خوب بھیگے" بارانِ رحمت" کا لفظ سنا بارہا تھا، حقیقۃً" بارانِ رحمت" کا مشاہدہ آج ہی ہوا! لوگ کہتے تھے، اتنی بارش

عرفے کے دن سالہا سال کے بعد ہوئی ہی، بزرگون نے کہا ہے، کہ عرفات کی بارش حج کی مقبولیت کی علامت ہی، یہ اگر سچ ہے، تو خدا ہی کو علم ہی کہ اب کی حج مین کون اللہ کا شیر شریک تھا، بارش پانی کی کیون تھی، یون کہئے کہ عفو و مغفرت کی بارش تھی، اور جو جو بوند جسم پر گرتی تھی، بس یہ معلوم ہوتا تھا، کہ معاصی کی سیاہیان دھل رہی ہین!

باب ۳۱

مزدلفہ

حج کا رکن اعظم بحمد اللہ ختم ہوچکا، اس وقت دل کی مسرتون کا کیا پوچھنا، جس پر گزری ہے، وہی اندازہ کر سکتا ہی، ہر چہرہ کھلا جا رہا ہی، ہر طرف مسرت و انبساط، عرفات کے بعد ہی حاجیون کو مزدلفہ مین قیام کرنا ہوتا ہی، یہ ایک وسیع میدان کا مشہور نام ہی، جو منیٰ و عرفات کے درمیان واقع ہے، منیٰ سے عرفات کے دو راستے ہین، ایک سیدھا اور ایک کسی قدر چکر سے، منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے سیدھے راستہ سے جانا مسنون ہی، اُدھر مزدلفہ نہین پڑتا، عرفات سے واپسی دوسرے راستہ سے مسنون ہی، جو ذرا چکر کھا کر ہے، مزدلفہ اسی راستہ مین پڑتا ہے، عرفات سے اس کا فاصلہ ۳ میل ہوگا، اور منیٰ یہان سے ڈھائی میل رہجاتا ہی، اس میدان کا معروف نام مزدلفہ ہی، قرآن مجید مین اس کا نام مشعر الحرام آیا ہی، اور یہان کے قیام کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے، کہ خود کلام پاک مین یہ تصریح موجود ہے، کہ عرفات سے واپسی مین مشعر الحرام مین ذکر الٰہی کرو، فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام، مشعر الحرام کے مفہوم مین سارا میدان داخل ہی، اور ایک مسجد بھی یہان اسی نام سے موسوم و مخصوص ہے، علماء لکھتے ہین،

کہ لفظ مزدلفہ مشتق ہے "ازدلاف" سے، جس کے معنی قریب ہونے کے ہین، اور اس میدان کا نام مزدلفہ اس لئے پڑا، کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام جنت سے نکلنے کے بعد پہلے یہین ملے تھے، ۹ اور ۱۰ کی درمیانی شب یہین بسر کرنی ہوتی ہے، فقہا لکھتے ہین، کہ مزدلفہ مین داخل ہوتے وقت اگر پاپیادہ ہو، اور غسل بھی کرلے، تو بہتر ہے

والمستحب ان یدخل المزدلفة ماشیا والغسل لدخولها (فتح القدیر)

اگر ضعیفی، کمزوری یا بیماری کے عذر قوی کی بنا پر یہان کا قیام ترک کردیا جائے تو مضایقہ نہین، لیکن بغیر کسی قوی عذر کے محض تن آسانی کے خیال سے یا ہجوم سے بچنے کے لئے، یہان قیام نہ کرنا اور عرفات سے سیدھے منیٰ چلے جانا ہرگز مناسب نہین، امام اوزاعیؒ اور بعض تابعین کے نزدیک تو وقوف مزدلفہ رکن حج ہے یعنی فرائض حج مین داخل ہے، یعنی اگر یہ فوت ہوگیا تو حج ہی فوت ہوگیا (جیسا کہ قاضی ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد مین اس جماعت کا مذہب نقل کیا ہے) اور قاضی خان نے ایسا ہی مذہب امام مالکؒ کا بھی نقل کیا ہے، حنفیہ کے ہان گو وہ رکن حج نہین، لیکن مرتبہ وجوب رکھتا ہے، اور کسی نے بلا عذر خاص، یہان کا قیام ترک کردیا، تو اُسے قربانی دینی ہوگی، آج کی شب مبارک، بعض فقہا و محدثین کے بیان کے مطابق، شب قدر سے بھی بڑھکر ہے، جہان تک ممکن ہو، ساری رات تلاوت اور نماز اور مناجات و استغفار مین گزارے، آج جو ساری رات جاگ گیا، وہ خود کیا جاگا، اس کا نصیبا جاگ گیا، بہرحال جتنی دیر بھی ممکن ہو، عبادت ہی مین وقت گذارنا چاہئے، عرفات سے آتے ہوئے، راستہ

مین اللہ اکبر اللہ اکبر ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد، پڑھتا ہوا آئے اور لبیک
اور استغفار کو بھی جاری رکھے، مزدلفہ پہونچ کر کوئی خاص دعا منصوص نہین،
مناسک کی کتابون مین متعدد دعائین لکھی ہوئی ہین، راستے مین وہ وادی بھی
پڑتی ہی، جہان خانۂ کعبہ اور رب کعبہ کا مشہور دشمن ابرہہ، اپنے زمانہ کی پرقوت
امپیریلزم (جہانگیریت وقیصریت) کا نمایندہ مع اپنے سارے سازومان، لاؤلشکر
کے، دم کے دم مین ہلاک ہوگیا تھا، اس وادی کا نام وادی محسر ہی، فقہاء رحمہم اللہ لکھتے ہین، کہ
جب اس وادی سے گزرے تو سواری کو تیز کردے، اور یہ دعا پڑھے،

اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلکنا بعذابك وعافنا قبل ذٰلك،	اے اللہ ہم کو نہ مارنا اپنے غضب سے، اور نہ ہلاک کرنا اپنے عذاب سے، اور معاف کردینا اس سے پہلے ہی،

دعا کے الفاظ بہتون نے دہرائے ہونگے، خدا معلوم کسی کے دل سے ان قومون
کی بھی تباہی و بربادی کی دعائین نکلین، جو آج چودھوین صدی ہجری مین،
کعبہ اور رب کعبہ کی عداوت مین، اس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہین بڑھی
ہوئی ہین، جن کی چادرین سفید ہین، مگر جن کے دل عداوت حرم مین حبشہ کی
اس قوم کے چہرون سے کہین زیادہ سیاہ ہوچکے ہین، اور جن کو ابرہہ کے ہاتھیون
سے کہین بڑھ چڑھکر آج اپنے توپ خانون، ہوائی جہازون اور مسلح موٹر کارون
پر دعوی اور غرہ ہے؟

عرفات سے چلنے مین کچھ دیر تو بارش کی وجہ سے ہوئی، اور کچھ وقت معلم صاحب

کی خوشی انتظامیوں کی نذر ہوا، بہرحال غروبِ آفتاب کو کوئی قریب آدھ گھنٹہ کے ہوا ہوگا جب ہمارا قافلہ روانہ ہوا، مولانا مناظر صاحب کی گمشدگی سے ہمارے ساتھیوں میں ایک کی کمی ہوگئی تھی، اونٹ کے سفر میں یہ کمی ایک اہمیت رکھتی ہے، بغیر دو سواریوں کے شغدف کی میزان برابر نہیں رہتی، اگر شغدف میں صرف ایک ہی طرف ایک سواری بیٹھی ہو تو شغدف اس طرف جھک کر زمین پر گر جاتا ہے، خیر، مولانا کی جگہ پر معلم صاحب کے صاحبزادہ نے قبضہ کیا، اور قافلہ چلا، اس وقت کے سفر کی کیا کیفیت بیان ہو، عرب میں اونٹوں اور موٹروں پر سفر بہت سے کئے، دن اور رات کے مختلف حصوں میں بھی کئے، لیکن اتنا پر لطف، اتنا دل کش، اتنا فرحت انگیز سفر نہ اس کے قبل کوئی ہوا نہ اس کے بعد، چاندنی رات، پانی برس کر آسمان بالکل کھل چکا تھا، کھلے ہوئے آسمان میں شب دہم کا چاند، ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی، بارش ہو جانے سے موسم کی حالت بالکل بدلی ہوئی، نہ تپش، نہ لو، نہ گرد، نہ اُمس، اس کے بجائے خوشگوار خنکی، لطیف و سبک ہواؤں کے جھونکے چلے آ رہے ہیں، یہ معلوم ہو رہا ہے، کہ اپنے صوبہ یوپی میں مارچ یا اکتوبر کے مہینے کی شام ہے، مصری اور بدوی حاجی حج کی خوشی میں طرح طرح کے ترانے گا رہے ہیں، پہاڑیوں سے آواز ٹکراتی ہے، تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گویا پہاڑیاں اور چٹانیں بھی جشنِ مسرت و طرب میں شریک ہیں، طرح طرح کی بڑی بڑی مشعلیں اور گیس کی روشنیاں نورٌ علیٰ نور، داہنے اور بائیں، آگے اور پیچھے، سوچیا نہیں، ہزارہا اونٹ، اوپر نظر اٹھائیے، تو دلکش اور پیارا آسمان، نیچے دیکھئے تو مضبوط اور بوجھ اٹھانے والی زمین، ادھر ادھر نظر دوڑائیے، تو ہر طرف پہاڑیوں کا

سلسلہ سورۂ غاشیہ کی آیات کریمہ اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَت وَاِلَی السَّمَاءِ کَیفَ رُفِعَت وَاِلَی الجِبَالِ کَیفَ نُصِبَت وَاِلَی الاَرضِ کَیفَ سُطِحَت، کی دلنشین تفسیر بغیر کسی لفظ وعبارت کی وساطت کے، زبان حال سے از خود ہوتی چلی جارہی ہے! فقہا لکھتے ہین، کہ مزدلفہ کے راستہ مین تکبیر وتہلیل اور اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوا آئے زبان سے حمد وثنا تو بار ہا ہوئی، یہ وہ نادر وقت ہے جب دل بھی زبان کا شریک ہورہا ہے! اور ایک قلب ہی کے مضغۂ گوشت پر کیا موقوف ہے، ہر ہر بن مو اس وقت شکر نعمت کی صدائین دے رہا ہے، صبر کے مرحلہ اس سفر مین جھیلنے کو بکثرت ملتے ہین، یہ موقع خالص مرتبۂ شکر کے طے کرنے کا ہے! شکر گذارون کی تو ہر گھڑی شکر مین گذرتی ہے، یہ گھڑی وہ ہے، کہ ناشکرے بھی شکر گذار بنجاتے ہین! اللہ اکبر ولا الٰہ الا اللہ والحمد للہ۔

کوئی دو گھنٹہ مین مزدلفہ پہونچ گئے، یہان صرف ایک ہی رات بسر کرنی ہوتی ہے، اور افسوس ہے کہ بہت سے لوگ تو اتنا بھی نہین کرتے، گذرتے ہوئے، سیدھے منیٰ چلے جاتے ہین، اس لئے یہان خیمے وغیرہ نہین لگتے، یون ہی کھلے میدان مین لوگ زمین پر بستر بچھا کر یا اپنے شغدفون کے اندر لیٹ کر گزار دیتے ہین، خوب وسیع میدان ہے، جگہ کی چپقلش نہین ہونے پاتی، کھانے کی دوکانین بہ کثرت، پورا بازار لگا ہوا، جابجا روشنیان بھی نصب، ہلکی خنکی، سنا ہے، اس میدان مین عموماً رہتی ہے، اب کی سال تو اچھی خاصی خنکی ہے، پانی کی وقت اب کی سال کچھ نہین ہوئی، نہ زیادہ گران نہ زیادہ گندلا تھا، اور ملا بھی خاصی افراط کے ساتھ

قیام اگر مسجد مشعر الحرام کے متصل جبل قزح پر ہو سکے. تو سبحان اللہ ہم لوگون کے نصیب ایسے کہان تھے، معلّم صاحب نے اپنی مہربانی سے جہان چاہا، ہمارے اونٹ بٹھلائیے مسجد مین اذان کب ہوئی، اس کی خبر بھی نہ ہوئی، اور نہ کسی کی ہمت پڑی، کہ مسجد کی تلاش مین اپنا قافلہ چھوڑ کر روانہ ہو، اور گم ہو جانے کا قوی خطرہ اختیار کرے پہونچنے کے ساتھ ہی نمازِ مغرب وعشا، بغیر درمیان مین کوئی نفل پڑھے یا کسی اور طرح فاصلہ دیے، جمع کر کے اپنے قافلہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی گئی، آج کے دن حالتِ احرام مین نمازِ مغرب وعشا، مزدلفہ ہی مین آکر عشا کے وقت اکٹھے پڑھنا، کم از کم حنفی مذہب مین ضروری ہی، یہان تک کہ اگر کسی نے نمازِ مغرب مزدلفہ کے راستہ مین پڑھ لی، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ نماز درست نہین ہوئی، اور چاہیے کہ مزدلفہ مین پہونچ کر اسے دوبارہ پڑھے، اس وقت کے لئے اذان اور اقامت بھی ایک ہی ہے یعنی مغرب وعشا کے لئے الگ الگ تکبیر کہنے کی ضرورت نہین، ایک ہی تکبیر دونون نمازون کے لئے کافی ہوگی،

ان مسائل سے عموماً ناواقفیت ہے، یا اگر واقفیت بھی ہے، جب بھی بے پروائی برتی جاتی ہی، نمازِ مغرب کوئی صاحب عرفات ہی مین پڑھ لیتے ہین، اور کوئی صاحب راستہ مین، نمازِ عشا بھی بعض جلد باز حضرات راستہ مین پڑھ لیتے ہین۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ یہان پہونچ کر ایک نظر فقہا، کی تصریحات پر کر لیجائے، صاحبِ مختار لکھتے ہین :-

وصلّی العشائین باذان واقامۃ — اور مغرب وعشا دونون نمازین مزدلفہ مین

لان العشاء فی وقتها لم تحتج للاعلام کما لا احتیاج هنا لذلک ولو صلی المغرب والعشاء فی الطریق او فی عرفات اعادہ	پڑھیے، ایک اذان اور ایک اقامت سے کیونکہ عشا کی نماز تو اپنے وقت ہی پر ہو رہی ہی اور اس لئے اس کے اعلام کی حاجت نہین جیسا کہ یہان اس جمع بین الصلوتین کے لئے امام بھی ضروری نہین، اور اگر مغرب یا عشا کی نماز راستہ مین یا عرفات مین پڑھ لیجائے تو چاہیے کہ یہان دہر لئے،

اور یہی درمختار کے دونون شارحین طحطاوی و شامی نے اختیار کیا ہی،

صاحب کنز کہتے ہین :۔

ولم تجز المغرب فی الطریق	آج کے دن مغرب کی نماز راستہ مین پڑھ لینی جائز نہین،

ان کے شارح صاحب بحر الرائق فرماتے ہین :۔

لم تحل صلوۃ المغرب قبل الوصول الی مزدلفۃ	مزدلفہ پہونچنے سے قبل نماز مغرب پڑھ لینا جائز نہین،

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہین :۔

ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یاتی مزدلفۃ فان کان یمکنہ ان یاتی مزدلفۃ قبل طلوع الفجر لم تجز صلوتہ وعلیہ اعادتہا ما لم یطلع الفجر فی قول ابی حنیفۃ ومحمد	اگر کسی دن نے غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب مزدلفہ پہونچنے سے قبل ہی پڑھ لی، تو اگر اب بھی اس کے امکان مین قبل طلوع فجر مزدلفہ پہونچ جانا ہی، تو اسکی یہ نماز صحیح نہین ہوئی

وتبعهم الحسن

اور امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ و زفرؒ و حسنؒ کے قول کے مطابق قبل فجر، اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے،

اور لباب المناسک میں ہے۔

ولا یصلی المغرب ولا العشاء بعرفات ولا فی الطریق حتی یدخل مزدلفة و ینزل بها...... لو صلی الصلاتین او احدهما قبل الوصول الی مزدلفة لم یجز وعلیه اعادتهما بها اذا وصل،

مغرب اور عشا کی نمازیں نہ عرفات میں پڑھنی چاہیں اور نہ راستہ میں یہاں تک کہ مزدلفہ آجائے، اور حاجی وہاں اترے .... اور اگر کوئی نماز یا دونوں نمازیں مزدلفہ پہونچنے سے قبل پڑھ لی ہیں، تو وہ درست نہیں ہوئیں، اور انکا اعادہ وہاں پہونچ کر لازم ہے،

اور ہدایہ میں ہے۔

ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء باذان واقامة واحدة........ ومن صلی المغرب فی الطریق لم یجزه عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ،

امام جماعت کے ساتھ مغرب اور عشا کی نمازیں صرف ایک ہی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرے.......... اور اگر کسی نے مغرب کی نماز راستہ ہی میں پڑھ لی، تو امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز درست نہیں ہوئی،

صرف ایک امام ابو یوسفؒ سے اختلاف منقول ہے، مگر فقہا میں سے کسی نے ان کے قول پر فتوی نہ دیا،

عالم اسلامی مین جو بدنظمی و انتشار سرایت کئے ہوئے ہی، اسکا نمونہ جس طرح عرفات مین دیکھنے مین آیا تھا، یہان بھی دیکھنا پڑا، اتنا بڑا مجمع، اور نہ کسی قسم کا نظم نہ تنظیم، ایک طوائف الملوکی سی پھیلی ہوئی، رات کا وقت، اجنبی ملک، اجنبی زبان، ممکن نہ تھا، کہ کوئی شخص اپنے قافلہ سے کسی ضرورت کے لئے جدا ہو، اور پھر وہان تک آسانی سے واپس پہونچ سکے، بازار تک پہونچ جانا تو خیر آسان تھا، اس لئے کہ دوکانون پر خوب روشنی ہورہی تھی، اور دور سے نمایان تھین لیکن بازار جاکر واپس آنا چاہے تو آخر کس پتہ، کس نشان سے واپس آئے؟ ہمارے ساتھ کی بیویان، دن بھر کے سفر اور تکان کے بعد قدرۃً بھوکی تھین، قافلہ کے دو تین مرد بازار کھانے لینے کو گئے، واپسی مین راستہ بھولے، اور ان پر جو کچھ گذری، بس انھین کا دل جانتا ہی، ایک ہی طرح کے ہزار ہا اونٹ اور ہزار ہا شقدف ہر طرف نظر آرہے تھے، بالکل بھول بھلیان کا سا منظر، قدم قدم پر بھٹکتے تھے، اور اپنے قافلہ والون کو چیخ چیخ کر پکارتے پکارتے گلے پڑ پڑ گئے، جب جاکر کس مشکل سے پہونچ پائے ہین، کیا حکومت کی استطاعت سے یہ باہر ہے، کہ مختلف ملکون کے حاجیون کے لئے مختلف عارضی سڑکین ایک شب کے لئے تیار کرادے، اور ان سڑکون کے نام انھین ملکون کے نام پر رکھدے مثلاً ہند مصر یمن وغیرہ، اور پھر اُن سڑکون کو مختلف قطعات (PLOTS) مین تقسیم کرکے ہر ہر قطعہ (پلاٹ) پر ایک ایک معلم کے لئے نمبر ڈال دے، اور سڑکون کے نامون اور ان نمبرون کو روشنی مین خوب نمایان کردیا کرے؟ اور پھر بھٹکے ہوؤن کی رہنمائی اور رہبری کے لئے تربیت پائے ہوئے، اور مختلف زبانین جاننے والے باقاعدہ او رمستعد رضاکارون اور پہرہ دارون کے اگر صرف چند ہی دستے مقرر

ہوجائین، توغریب پردیسیون کوکتنی سہولت اور کتنی آسایش ہوجائے اسلطان کے
مشیرون نخصوصاً ہندی مشیرون نے خدامعلوم کبھی رفاہ خلق وخدمت حجاج کی ان
صورتون کا بھی مشورہ پیش کیا ہو؟

مزدلفہ مین قیام صرف شب بھر رہتا ہی، ار کی صبح کو، امام کو چاہیے، کہ مسجد
مشعر الحرام مین نماز اول وقت یعنی صبح صادق طلوع ہوتے ہی اندھیرے مین پڑھ
لے، صحیحین مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت موجود ہی، کہ آج کے دن حضورصلعم
نے نماز فجر معمولی وقت سے پہلے پڑھی تھی علماء حنفیہ نے بھی اسی وقت پر زور
دیا ہے، نماز کے بعد چاہیے کہ عرفات کی طرح یہان بھی قبلہ رخ ہوکر وقوف کرین،
اور خوب جی لگاکر دعائین مانگین، مقبولیت دعا کی یہ خاص جگہ اور خاص گھڑی
ہے، اس سے فارغ ہوکر آفتاب نکلتے نکلتے یہان سے منیٰ کی طرف روانہ ہوجانا
چاہیے، اور منیٰ پہونچکر شیطانون پر جو کنکریان ماری جائین گی، انکا یہین سے چن لینا
مسنون و افضل ہی، منیٰ مین اگر ۱۳ تک رہنے کا قصد ہو تو ۷۰ کنکریان گن کر لے لے،
اور اگر صرف ۱۲ ہی تک ٹھہرنا منظور ہو تو ۴۹ کنکریان کافی ہون گی، کنکریان
چھوٹی ہون تو بہتر ہی، دانہ باقلہ کے برابر، اگر اس سے بڑی یا چھوٹی ہون تو بھی
جائز ہی، ان کنکریون کو دھوکر ساتھ رکھنا لینا چاہیے، نجس کنکری پھینکنا مکروہ ہے
وقوف مشعر الحرام کے وقت یہ دعا پڑھے تو افضل ہی :-

اللّٰھم بحق مشعر الحرام و البیت	اے اللہ مشعر الحرام کے حق سے اور خانہ کعبہ
الحرام و الشھر الحرام و الرکن	کے حق سے اور اس پاک مہینہ کے حق سے اور

والمقام بلغ روح محمد منا التحیة والسلام وادخلنا دار السلام یاذوالجلال والاکرام،	حجر اسود اور مقام ابراہیم کے حق سے، محمد کی رُوح کو ہمارا درود وسلام پہونچا دے اور اے بزرگی وعظمت والے ہم کو رحمت کے گھر (جنت) مین داخل کر،

اس کے بعد الحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر کہے، اور لبیک کہے، اور درود پڑھے، اور پھر جو حاجت چاہے، دونون ہاتھ اٹھاکر دعا مانگے،

اعمالِ حج کا سارا سلسلہ ادھر سے عبدیت وانابت، اور اُدھر سے رحمت ورحمت کا ایک مسلسل مظاہرہ ہے، مہمان کو اپنے گھر بلاکر شریف اور کریم النفس میزبان کیسی کیسی خاطرین کرتے ہین، لطف ومدارات مین کیا کوئی کسر اٹھا رکھتے ہین؟ پھر وہ جو سب کریمون سے بڑھکر کریم، اور سب حاتمون سے بڑھکر حاتم ہی، جو کرم اور کریمی سب کا خالق وپروردگار ہی، کیا وہ اپنے گھر کے مہمانون پر لطف ونوازش کی بارش کرنے مین کوئی بات اٹھا رکھے گا؟ اس کے خزانہ مین مغفرت ومرحمت کی کوئی کمی ہے؟ اس کے جود وعطا مین بخل کی کسی آمیزش کا امکان ہی؟ میدانِ عرفات مین آپ کے سرورؐ وسردارؐ نے آپ کے حق مین، اپنے مولا وپروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر جو کچھ مانگا تھا، اور وہان سے جو کچھ ملا تھا، اس سے آپ واقف ہوچکے، اب سنئے کہ آپ کا اور ساری دنیا کا وہ غمخوار اور غمگسار جب عرفات سے مزدلفہ پہونچتا ہی، تو کیا مانگتا ہی، اور کیا پاتا ہی، کیا طلب کرتا ہے، اور کیا کیا ملتا ہے، خوب یاد رہے، کہ مانگنے والا کون تھا، اور دینے والا کون تھا، عباس

بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ

ان رسول الله صلی الله دعا لامته عشية
عرفة بالمغفرة فاجيب اني قد غفرت
لهم ما خلا الظالم فاني آخذ للمظلوم
منه قال اي رب ان شئت اعطيت
المظلوم الجنة وغفرت
للظالم فلم يجب عشية فلما
اصبح بالمزدلفة اعاد الدعاء فاجيب
الى ما سال قال فضحك رسول الله
صلعم او قال تبسم فقال ابو بكر
وعمر بابي انت وامي ان هذه
لساعة ما كنت تضحك فيها
فما الذي اضحكك اضحك الله سنك قال
ان عدو الله ابليس لما علم ان
الله عز وجل قد استجاب دعائي وغفر
لامتي اخذ التراب فجعل
يحثوه على راسه ويدعو بالويل
والثبور فاضحكني ما رايت من
جزعه (ابن ماجه)

رسول اللہ صلعم نے عرفات مین سہ پہر کے وقت اپنی امت کی
مغفرت کی دعا کی تو جواب ملا کہ ہم نے بخش دیا تیری امت
کو بجز اُن لوگون کے کہ جو دوسرون کے حقوق تلف
کرنیوالے ہین مظلومون کا بدلہ ضرور لیا جائیگا" اسپر آپنے
پھر عرض کیا کہ" اے پروردگار اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت
دیکر اسے اسپر راضی کر سکتا ہے کہ وہ ظالم کو معاف کر دے
اور ظالم کی بھی مغفرت کر دے" اسکا کچھ جواب نہ ملا یہان
تک کہ آپ عرفات سے مزدلفہ مین آگئے اور مزدلفہ مین
صبح سویرے آپنے پھر یہی دعا کی، اس وقت یہ دعا قبول
ہوگئی، اس وقت آپ مسرت سے ہنس پڑے یا تبسم فرمانے
لگے، ابوبکر رضہ وعمر رضہ نے عرض کی کہ ہمارے ماں باپ حضور
پر فدا ہون، آپ ان اوقات (دعا و مناجات) مین تو کبھی
ہنستے نہین تھے، آپ اللہ کو ہنستا ہی رکھے، اسوقت آپ کیسے ہنسے
آپنے ارشاد فرمایا، کہ جسوقت اللہ کے دشمن ابلیس نے یہ دیکھا
کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میری (ساری) امت
کی مغفرت کا پروانہ رحمت ہوگیا تو زمین سے خاک اٹھا اٹھا
کر اپنے سر پر ڈالنے لگا، اور غم و غصہ سے پیٹنے لگا
تو مجھے یہ جزع و فزع دیکھکر ہنسی آگئی،

اللہ اکبر! جو کچھ عرفات مین بھی نہ ملا تھا، مزدلفہ مین مل گیا! اس رحمتِ بے حساب کا کوئی حساب لگا سکتا ہے؟ اس کرم بے نہایت کی کوئی پیمایش کر سکتا ہے! مزدلفہ کی بزرگیون اور عظمتون کا کون اندازہ کریگا؟ اور جس نے مزدلفہ مین یہ دعائین مانگین اس کے لطف و شفقت کا کون احاطہ کر سکتا ہے؟ اور پھر جس نے ان دعاؤن کو قبول کیا، اس کی شانِ رحمت و مغفرت کے اظہار کے لئے کوئی لفظ، کوئی عبارت کافی ہو سکتی ہے؟

───── ⁂ ─────

باب ۳۲

منیٰ بعد حج نمبر(۱)

حج کے سلسلۂ اعمال میں عرفات اور مزدلفہ کی حاضری تو کہنا چاہیے کہ بس گھڑی سواری ہی ہوتی ہے، عرفات میں جاتے ہوئے منیٰ میں بھی کچھ ایسا طویل قیام نہیں ہوتا، البتہ عرفات و مزدلفہ سے واپس آکر منیٰ میں ایک خاصہ طویل قیام ہوتا ہے یعنی ۱۰ر کی صبح سے لیکر کم سے کم ۱۲ر کی شام تک، ورنہ ۱۳ر تک اس تین چار دن کے عرصہ میں مختلف واجبات و سنن ادا کرنے ہوتے ہیں، مثلاً شیطان کے کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر منڈانا وغیرہ، اور اسی درمیان میں مکہ جاکر خانہ کعبہ کا فرض طواف بھی ادا کرنا ضروری ہے، اس سے پہلے جتنے طواف کئے تھے، وہ کوئی حج کے فرض طواف نہ تھے، حج کا فرض طواف وہی ہے، جو عرفات سے واپسی کے بعد ادا کیا جائے، ہم لوگ ۱۰ر ذی الحجہ (یکشنبہ) کو دن نکلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے تھے، اور ڈھائی گھنٹے میں منیٰ پہونچ گئے، آج کے ہجوم اور کشمکش کا کیا پوچھنا! منیٰ کے حدود شروع ہونے تھے، کہ ہجوم کی زیادتی بھی محسوس ہونے لگی، ایک ہی سڑک اسی پر اونٹ بھی چل رہے ہیں گھوڑے گدھے اور خچر بھی، پیدل

چلنے والے انسان بھی، اور کہین کہین موٹر بھی! آنے والون کے لئے بھی، وہی راستہ، اور جانے والون کے لئے بھی وہی! نہ کسی قسم کی ترتیب نہ تنظیم، نہ پولیس کی طرف سے انتظام، نہ کسی اور محکمہ کی طرف سے ہر ایک کی یہی کوشش کہ جس طرح ممکن ہو، دوسرے کو دھکا دیکر اپنے لئے جگہ پیدا کرے۔ ریلپیل کا اندازہ سمجھ رکھنے والے ناظرین کے لئے دشوار نہین! اونٹ سے اونٹ لڑ رہے ہین، اور شغدف سے شغدف ٹکرا رہے ہین، اونٹ اپنی طرف زور زور سے بلبلا رہے ہین، اور ان بے زبان جانورون سے کہین زیادہ چیخ چیخ کر ان کے زبان دراز جمّال اور معلّم، اور معلّمون کے کارندے آسمان سر پر اُٹھائے ہوئے ہین! اور شغدفون کے اوپر جو سواریان بیٹھی ہوئی ہین، کچھ نہ پوچھئے کہ خوف و دہشت سے اُن کی کیا حالت ہو رہی ہے کچھ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلّا رہے ہین، اور یہ سمجھ رہے ہین، کہ ان کا شغدف اب گرا اور اب گرا، اور کچھ بدحواس ہو کر بالکل چپ سادھ گئے ہین! اور گرد و غبار کی تو حد ہی نہین، ہاتھ اور پیر، کان اور ناک، سر اور منہ، سب خاک سے اٹے ہوئے! اِس وقت اپنی جانِ عزیز کے لالے پڑے ہوئے ہین، صفائی اور پاکیزگی کا خیال کس کو!

بڑی فکر یہ سوار تھی، کہ چل کہان رہے ہین، اور منزل پر پہونچکر اتر ین گے کہان؟ عرفات کے میدان مین قیام کر کے خوب تجربہ ہو چکا تھا، کہ عرب کی بے پناہ گرمی سے معلّم صاحب کے عنایت کئے ہوئے، دو تنگ اور ہلکے خیمے کہان تک پناہ دے سکتے ہین، پھر وہان تو چند گھنٹے کا معاملہ تھا، کسی طرح گذر ہو گئی

یہان پورے تین دن قیام کرنا ہی، قربانیان ہونگی اور قربانیون کے بعد اپنے ہاتھون کی پیدا کی ہوئی گندگی اور عفونت کی بناپر جو وبائی بیماریان پھیلین گی اُنکا کیا علاج ہوگا؟ دماغ مین یہ فکرین گونج ہی رہی تھین، کہ مہربان معلّم صاحب نے یہ مژدہ سنایا کہ خیمے ہنوز نصب نہین ہوئے، بلکہ ہم لوگون کے پہونچ لینے کے بعد کہین نصب ہونے شروع ہون گے! اناللہ، اس کو چھوڑیے کہ نصب کس مقام پر ہونگے، وہ جگہ کیسی ہوگی، ابھی سرے سے نصب ہی نہین ہوئے ہین، اور نہ ان کے نصب ہونے کی کوئی عجلت ہی! فرنگی قومون کا نکتہ چین مدیر سچ سے بڑھکر اور کون ہوگا، لیکن ایسے موقعون پر شرم و ندامت سے کہنا پڑتا ہی، کہ ہمارے دیندار، کاش ان بے دینون ہی سے کچھ سبق حاصل کرتے! بڑے سے بڑے مجمع ان دنیا پرستون کے ہان بھی ہوتے ہی رہتے ہین، پھر آخر وہ کس طرح خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مہمانون کی راحت اور پردیسیون کی آسایش کا سامان بات کی بات مین کر دیتے ہین اور پردیس کو دیس سے بھی کہین بڑھکر خوشگوار بنا دیتے ہین! یہ بالکل صحیح ہی، کہ عبادت عبادت ہی کے لئے کیجاتی ہی، نہ کہ لذت اور مزہ داریون کے لئے، لیکن بلاضرورت مشقت اور تعب برداشت کرنا اور عبادت کو بلاوجہ تکلیف دہ اور ناخوشگوار بنا دینا، آخر کس آئینِ شریعت و قانونِ طریقت کے مطابق ہی؟

پختہ مکانات کی قدر آج جاکر معلوم ہوئی، اپنے دیس مین آنکھ کھولی، تو پختہ مکان کے اندر، ساری عمر حویلیون اور کوٹھیون ہی مین گذری، دل نے معمولی بات اور انھین اپنا فطری حق سمجھکر ان کی قدر نہ پہچانی، اور ایک اسی پر کیا موقوف

ہے، اللہ کی جو بھی نعمت بلا مشقت اور فراوانی کے ساتھ ملتی رہتی ہی، ان سب
کے ساتھ اپنی ناشکری ون کا یہی معاملہ رہتا ہی، آج جب اپنے قبضے مین کوئی پختہ
چھت نہ تھی، اور یہ تصور پیش نظر تھا کہ ہی کے مہینے مین عرب کے ملک مین تین دن
اور دو راتین، مع ایک پورے قافلہ کے کھلے میدان، یا کپڑے کی چھت کے نیچے کاٹنی
ہونگی، تو زندگی مین پہلی بار یاد پڑا، کہ پختہ مکان کا میسر آجانا بھی اللہ کی ایک خاص
نعمت ہی، اور اللہ کے بیشمار بندے ایسے ہین، جو ساری ساری عمرین بغیر اس نعمت
ہی کے بسر کر دیتے ہین! حیدر آباد کے سرکاری قافلہ کے لئے جو پختہ مکان یہان کرایہ
پر لے لیا گیا تھا، وہ عظیم الشان سہی، اور یہ بھی صحیح کہ حجاج حیدر آباد کے سرکاری
ایجنٹ، حاجی بلال صاحب بڑے خلیق اور سالار قافلہ میر فیض الدین صاحب وکیل
ان سے بھی بڑھکر خلیق، متواضع و مہمان نواز لیکن بہرحال ان بیچارون کے پاس
بھی تو جگہ محدود ہی ہے، دو ایک آدمی ہوتے تو بھی مضائقہ نہ تھا، لیکن یہ پورے
سولہ آدمی جنمین عورتین بھی ہین، اور بوڑھے بھی، وہان کہان ٹھہر سکین گے، اور
ان کی راحت و آسایش کے لایق وہ لوگ بیچارے، کہان سے انتظام کر سکین گے!

—— دل ابھی اسی حیص بیص مین تھا، اور قریب تھا، کہ معلم صاحب کسی
مقام پر شغدفون کو اتارنے کا حکم دیدین، کہ اتنے مین ہماری سالی صاحبہ، بیگم نواب
ناظر یار جنگ بہادر، جج ہائی کورٹ، حیدر آباد مع اپنے شوہر کے دکھائی دین (حیدر آباد
کے ناظر یار جنگ بہادر اور لکھنؤ کے ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹر ایٹ لا سے دکن اور اودھ
مین کون ناواقف ہوگا!) یہ بھی مع اپنے شوہر اور بچون کے اسی سال حج کے لئے آئی
ہوئی ہین، انکا ملنا تھا کہ مکان کی مشکل آسان تھی، ان کے پاس علاوہ اچھے وسیع

ومضبوط خیمون، اور قناتون سے بھرے ہوئے صحن کے، ایک مختصر پختہ مکان بھی تھا اور اچھے موقع سے تھا، آدھ گھنٹہ مین میرا ذاتی قافلہ آٹھ آدمیون کا، ان کا مہمان تھا، بقیہ آٹھ ساتھی حیدرآباد والے مکان مین اتر پڑے، اور وہ سب بھی آرام سے رہے

———— باوا آدمؑ جنت سے جدا ہونے کے بعد جب مزدلفہ مین اما حوا سے ملے تھے، تو انکی اس وقت کی مسرت کی روایتین اور حکایتین بہتون نے پھیلا پھیلا کر لکھی ہین، اس مسرت وراحت کا ایک ہلکا سا نمونہ اس ابن آدم کو مزدلفہ مین نہ سہی، منیٰ مین بیوی کی بہن سے ملکر دیکھنے مین آیا، اسے کوئی صاحب محض لطیفہ نہ سمجھین، یہ واقعہ ہے کہ جو راحت وآسایش اس پختہ مکان کے نصیب ہو جانے سے ملی، اس کی عشر عشیر بھی خیمہ مین ممکن نہ تھی،

آج ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ مین داخل ہوتے وقت اگر یہ دعا پڑھی جائے تو بہتر ہے:-

اللھم ھذہ منی قد اتیتھا وانا عبدک وابن عبدک اسألک ان تمن علیّ بما مننت بہ علی اولیائک اللھم انی اعوذبک من الحرمان والمصیبۃ فی دینی یا ارحم الراحمین الحمد للہ الذی المغنی سالماً معافیاً،	اے اللہ مین آج منیٰ مین پہونچا ہون، مین تیرا بندہ ہون اور تیرا بندہ زادہ ہون، تجھ سے التجا کرتا ہون کہ میری آرزوئین پوری کر، جس طرح تو نے اپنے اولیاء کی آرزوئین پوری کی ہین، اے اللہ مین پناہ مانگتا ہون کہ دین کے باب مین محرومی اور مصیبت مین پڑون اے سب سے بڑھکر رحم کرنے والے، شکر ہے اس

منیٰ کے دوران قیام مین خاص عبادتین یہ چار ہین، شیطانون کے کنکریان مارنا جسے اصطلاح مین رمی کرنا یا رمی جمرات کرنا کہتے ہین، قربانی کرنا حلق یا قصر (یعنی سر کے بال منڈانا یا کترانا) اور مکہ جا کر طواف زیارت کرنا، ترتیباً رمی کا شروع کر دینا سب سے مقدم ہی، روایتون مین آتا ہی، کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے لخت جگر حضرت اسمعیلؑ کو ذبح کرنے چلے ہین، تو راستہ مین تین مرتبہ شیطان ملا، اور باپ بیٹے کو راہ حق سے بہکانا چاہا، اور تینون مرتبہ ناکام و نامراد رہا، اس واقعہ کی یادگار مین انھین تینون مقامات پر پتھر کے قد آدم ستون بے ہنگم اور بے ڈول سے تعمیر کر دیئے گئے ہین، اور رب جلیل کے بندے، سنت خلیلؑ کے قایم رکھنے کو آج تک برابر انھین مقامات پر شیطان کو کنکریان مارتے چلے آرہے ہین، ہر ستون کو جمرہ کہتے ہین، جمرات اور جمار اسی لفظ جمرہ کی جمع ہے "رمی" کے لفظی معنی مٹی پھینکنے کے ہین، تینون جمرے عین سڑک پر بازار کے وسطا وسط مین واقع ہین، جو جمرہ مکہ سے آتے وقت سب سے پہلے منیٰ کے کنارے پر پڑتا ہے، اسے جمرۂ عقبہ کہتے ہین دوسرے کو جمرۂ وسطیٰ، اور تیسرے کو جمرۂ اولی، جو عرفات و مزدلفہ کی سمت مین واقع ہی، عوام کی زبان مین یہ بڑا شیطان، منجھلا شیطان، چھوٹا شیطان کہلاتے ہین، تینون کے درمیان ایک ایک دو دو فرلانگ کا فاصلہ ہی،

آج جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی چاہیئے، اور آج کے لئے صرف ایک جمرہ کی رمی ہے، باقی دو کی نہین، رمی کی کنکریان جنس زمین سے ہونا چاہیے، یعنی پتھر یا مٹی کی کنکریان، اگر کوئی شخص لوہے، سونے چاندی کی کنکریان بنا کر مارنا چاہے تو

صحیح نہ ہوگا، کنکریاں تعداد میں سات سے کم نہ ہوں، اگر زیادہ ہو جائیں مضائقہ نہیں
ہر کنکری داہنے ہاتھ سے، انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے پکڑ کر پھینکے، اور پھینکتے وقت
یوں تکبیر کہنا چاہیئے، بسم اللہ، اللہ اکبر رجماً للشیطان، ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھ
لے تو بہتر ہے، اللّٰھم اجعل حجی مبروراً وسعی مشکوراً وذنبی مغفوراً، کنکریاں
بہتر ہے کہ مزدلفہ سے چنکر اپنے ہمراہ لائے، نہ ہوں، تو دوسری کنکریوں سے بھی
درست ہے، البتہ جو کنکریاں دوسروں کی پھینکی ہوئی وہاں پہلے سے پڑی ہوئی
ہیں، انھیں کو اٹھا اٹھا کر رمی کرنا مکروہ ہے، جمرۂ عقبہ کے تین طرف نشیب ہے،
بہتر ہے کہ وہیں کھڑے ہو کر رمی کرے، لیکن اگر ہجوم کے باعث وہاں جگہ نہ ملے
یا زیادہ دقت کا خیال ہو، تو چوتھی طرف پہاڑی ہے، اس کی بلندی سے بھی پھینکنا
جائز ہے، کنکریوں کو دھو لینا بھی بہتر ہے، تاکہ نجاست کا شبہہ نہ رہے، آج کے
دن اس جمرہ کی رمی کے بعد ہی چلا جائے، توقف کرنا مسنون نہیں، دیکھتے دیکھتے
تھوڑی دیر میں کنکریوں کا ایک پورا ٹیلا بنجاتا ہے، اگر حاجیوں کا شمار کم سے کم
تخمینہ کے بموجب ایک لاکھ ہی فرض کیا جائے، اور ہر حاجی کی کنکریوں کی
تعداد بھی کم سے کم فرض کیجائے یعنی سات سات، تو صرف آج ہی
کے دن (ابھی آیندہ تاریخوں کا حساب نہیں) اس جمرہ پر کم سے کم سات لاکھ
کنکریاں تو اکٹھی ہو ہی جاتی ہیں، لیکن اللہ کی قدرت، کہ آپ ہی آپ یہ سارا ٹیلہ
غائب بھی ہو جاتا ہے، اور حج کے بعد آکر دیکھئے، تو پھر وہی صفا چٹ میدان، رمی پیدل
بھی کرنا جائز ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ و امام احمدؒ کے قول کے مطابق سواری کے
اوپر کرنا افضل ہے (قاضیخان) بہتر یہ ہے کہ ہر حاجی اپنے ہاتھ سے رمی کرے،

لیکن بیمارون ناتوانون، اور معذورون کی طرف سے نیابۃً کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے، اس رمی کا وقت افضل و مسنون آج کی تاریخ طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک ہے، زوال و غروب کے درمیان بھی بلاکراہت جائز ہے، بعد غروب طلوع صبح صادق تک جائز ہی، مگر بہ کراہت، لبیک ابتک تقریبًا ہر موقع کا ایک ضروری جزو تھا، پہلی رمی کے ساتھ ہی اسے موقوف کر دینا چاہئے،

ہم لوگ بحمداللہ دوپہر تک رمی سے فارغ ہو گئے، اس کے بعد قربانی کا نمبر آتا ہے، قربانی کے لئے تین جانور شریعت نے رکھے ہین، اونٹ، گائے، بھیڑ یا بکری، اونٹ گائے اور بیل مین سات سات آدمیون کی شرکت ہوسکتی ہی بھیڑ اور بکری مین شرکت، مذہب حنفی مین جائز نہین ہر شخص کی طرف سے ایک ایک بکری یا بھیڑ ہونی چاہئے، اس کے باوجود بھی کفایت بھیڑ یا بکری ہی مین ہوتی ہی اونٹ کثرت سے قربانی کے لئے ملتے رہتے ہین، لیکن سات حصون مین تقسیم ہونے پر بھی خاصے گران پڑتے ہین، گائے بیل بھی اچھی خاصی تعداد مین مل جاتے ہین لیکن اگر کفایت کا خیال مدنظر نہ ہو، اور جیب مین کافی گنجایش ہو تو افضل یہی ہے کہ اونٹ کی قربانی کرے، فقہار کی تصریحات اونٹ اور پھر گائے کے حق مین ہین

اعلاہ بدنۃ من الابل والبقر (ردالمختار) بہترین قربانی اونٹ اور گائے کی ہی،

لہ اعلی وھو الابل وھو افضلہ و اوسط وھو البقر (طحطاوی)،

ایک قربانی اعلی و افضل ہی، اور وہ اونٹ کی ہی، ایک درجہ اوسط کی ہی، اور وہ گائے کی ہی،

عندنا افضلھا الابل ثم البقر

ہمارے مذہب مین سب سے اعلی قربانی اونٹ کی

ثم الغنم (فتح القدیر) | ہے پھر گائے کی اور پھر بکری کی،

امام شافعیؒ نے عطا کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہی، کہ سب سے ادنی قربانی بھیڑ بکری کی ہے، بکریون اور بھیڑیون کا نرخ منیٰ مین تقریبًا وہی ہے، جو ہندوستان مین عید اضحیٰ کے موسم مین ہوجاتا ہی، پہلے ہر شخص جہان چاہتا تھا اپنا جانور ذبح کرڈالتا تھا اور خون گوشت کھال ہر جگہ پڑی رہتی تھی، گویا سارا منیٰ ایک وسیع مذبح تھا، اس سے قدرۃً عفونت پھیلتی، اور طرح طرح کی وبائین نمودار ہوتین، ابکی سال خدا کے فضل سے اس طرح کی نوبت نہین ہوئی، ایک مستقل مذبح بن گیا ہے، وہین جاکر سب نے قربانین کین، اور وباؤن اور بیماریون سے بالکل امن رہا، ہمارے قافلہ مین شیخ مشیر الزمان صاحب ہمہ تن خلوص و فدویت ہین، اور ایک پیکر ایثار و انقیاد، قافلہ بھر کا سارے سفر مین اول سے آخر تک عملی اور انتظامی کام وہی کرتے رہے، آج بھی اس کڑی دھوپ مین ہم لوگون کو تو باہر نکلنے کی ہمت ہوئی نہین، وہی بیچارے جاکر ہم آٹھ شخصون کی طرف سے قربانیان کر آئے،

یاد رہے کہ سات و آٹھ کی درمیانی شب مین حج کے لئے جو احرام باندھا تھا وہ ابھی بندھا ہوا ہے، اور احرام کے جو قیود و شرائط ہین، ان کی پابندیان اس وقت تک بدستور نافذ ہین، صرف تلبیہ (لبیک کہنا) البتہ پہلی رمی کے بعد موقوف ہوگیا ہے، قربانی سے فراغت کے بعد احرام اتارنے کی فکر ہوئی، اس کے لئے مذہب حنفی مین ضروری ہی کہ پہلے سر منڈا دیا جائے، یا کم سے کم بال کتروا دیئے جائین، فضلیت اہلیت سر منڈانے والون کو ہی، سرور کائنات (صلعم) نے ان کے حق مین از خود دعا فرمائی

ہے، اور بال کتروانے والوں کے حق میں صحابہؓ کے اصرار سے، فقہا لکھتے ہیں، کہ سر منڈانا ایسا ہے، جیسے غسل کرنا، اور بال کترانا ایسا ہے، جیسے وضو کرنا، بہر حال اب حجام کی تلاش شروع ہوئی، ایک پیر مرد دستیاب ہوئے، اتفاق سے وہ یہی نہیں کہ ہندوستانی اور ہمارے صوبہ کے تھے، بلکہ خاص ہمارے ضلع بارہ بنکی کے نکلے، تیس چالیس سال ہوئے وطن چھوڑ کر یہیں چلے آئے ہیں، عورتوں کے لئے سر منڈانا جائز نہیں، ان کے لئے بالوں کی لٹ انگلی کی ایک پور کے برابر کاٹ ڈالنا کافی ہی، سر منڈاتے وقت کچھ دعائیں پڑھتے رہنا، اور تکبیر کہتے رہنا مستحب ہی، لیکن ہمارے حجام صاحب کو اللہ کے ذکر سے زیادہ دلچسپ اپنی باتیں معلوم ہوئیں، عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، کہ ہم لوگ حجامت سے اور غسل سے فارغ ہو گئے، حج کی وردی (احرام) جسم سے اتار دیا اور سب نے اپنا معمولی لباس پہن لیا،

باب ۳۳

منیٰ بعدِ حج نمبر (۲)

کلام مجید مین ایک مقام پر، جہان مناسکِ حج کا ذکر ہی، ایک حکم یہ بھی ہے، کہ ولیطوفوا بالبیت العتیق (سورۂ حج) لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرین، حج کے اصلی رکن یعنی فرائض، احرام پوشی کے بعد صرف دو ہین، وقوفِ عرفات اور طوافِ کعبہ، مفسرین وفقہا کا اجماع ہی کہ جو طواف فرض ہی، وہ یہی طواف ہی، جو وقوفِ عرفات کے بعد، یوم عید (۱۰ ذی الحجہ) کو یا اس کے بعد کیا جائے، اس سے قبل جو پہلا طواف کیا تھا، وہ عمرہ کا طواف تھا حج کا طواف نہ تھا، درمیان مین اور جتنے طواف کئے تھے سب نفل طواف تھے، طواف فرض کا وقت اب آیا، اس کے لئے ضروری ہی کہ منیٰ سے جا کر کیا جائے، اور بہتر یہی ہی، کہ اس سے فارغ ہو کر پھر منیٰ مین واپس آئے، اور یہان رمی جمرات (شیطان پر کنکریان مارنے) کو تکمیل تک پہونچائے، اس طواف کا مشہور نام طوافِ زیارت ہی، طوافِ رُکن، طوافِ افاضہ، طوافِ یوم النحر بھی اسی کو کہتے ہین، یہ طواف قربانی کرکے اور سر منڈانے کے بعد ہر وقت کیا جا سکتا ہی، اس کا وقت ۱۰ کی صبح سے شروع ہو کر ۱۱ اور ۱۲

تک رہتا ہی، لیکن افضل یہ ہی کہ ۱۰ ہی کو کرلے، رسول اللہ صلعم نے ۱۰ ہی کو یہ طواف ادا فرمایا تھا، طواف کے طریقے اوپر تفصیل سے بیان ہو چکے ہین، بس انھین طریقون پر یہ طواف بھی ہوگا، اسی طرح باب السلام سے مسجد حرم مین داخلہ، اسی طرح نیت طواف، اسی طرح سات پھیرے، اسی طرح مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز، اسی طرح آب زمزم کے تبرک سے فیض یابی، اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی غرض کوئی نئی بات اس طواف کے ساتھ مخصوص نہین،

حدیث اور فقہ کی کتابون مین ایک بحث یہ آتی ہی، کہ کسی شخص نے صبح کے وقت یہ طواف کیا، اور منیٰ بھی اسے واپس آنا ہی، تو وہ نماز ظہر کہان پڑھے؟ مسجد حرام مین یا منیٰ مین واپس آکر؟ حدیث مین روایات دونون طرح کی ملتی ہین، اور لطف یہ کہ ہے کہ دونون روایتین صحیح مسلم کی ہین، پہلی حدیث باب حجۃ النبی صلعم مین حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل روایت مین آتی ہے، اور اس مین صاف یہ فقرہ آتا ہی، کہ

فافاض الی البیت فصلّے بمکۃ الظہر،	حضورؐ نے خانہ کعبہ کے طواف افاضہ کے بعد مکہ مین نماز ظہر ادا کی،

اور دوسری حدیث باب استحباب طواف الافاضۃ یوم النحر مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے حوالہ سے یون آتی ہی:-

عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلعم افاض یوم النحر ثم رجع	نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہین، کہ رسول اللہ صلعم نے ۱۰ ذی الحجہ کو طواف

فیصلی الظہر بمنی،	افاضہ کیا، اس کے بعد واپس چلے آئے اور نماز ظہر منیٰ میں ادا کی،

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت نافعؒ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ تعامل بھی منقول ہے، کہ

قال نافع فکان ابن عمرؓ یفیض یوم النحر ثم یرجع فیصلّی الظہر بمنیٰ ویذکر ان النبی صلعم فعلہ	آپ دسویں ہی کو طواف افاضہ کیا کرتے تھے، اور پھر نماز ظہر منیٰ میں واپس آکر پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہی عمل ہمارے رسول (صلعم) کا،

محدثین نے دونوں معارض روایتوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے، کہ

ووجہ الجمع بینہما انہ صلعم طاف للافاضۃ قبل الزوال ثم صلّی الظہر بمکۃ فی اول وقتہا ثم یرجع الی منًا فصلّی بہا الظہر مرۃ اخریٰ باصحابہ حین سألوہ ذالک فیکون متنفلًا بالظہر الثانیۃ التی بمنًا	حضورؐ نے طواف، قبل زوال فرمایا، اس کے بعد نماز ظہر اول وقت مکہ میں پڑھ لی، پھر جب منیٰ واپس تشریف لائے، تو صحابہ کے دریافت فرمانے پر حضور نے ان کے ہمراہ منیٰ میں دوبارہ پھر نماز پڑھ لی، اور یہ دوسری نماز بہ طور نماز نفل کے ہو گئی،

یہ عبارت علامہ نووی شارحِ مسلم کی تھی، اور اسی قول کو بہتوں نے اختیار کیا ہے۔

یہ فیصلہ محدثین کا تھا، ہمارے فقہاء رحمہم اللہ میں صاحب فتح القدیر نے یہ بات خوب لکھدی ہے، کہ جب دو روایتیں ایک دوسری کے متضاد ملتی ہیں، تو دونوں

ساقط ہو جاتی ہین، اور نماز ظہر تو بہرحال پڑھنا ضروری ہی، پس بہتر ہے کہ اسے مکہ ہی مین پڑھا جائے، کہ مسجد حرم کی نماز کی فضیلت بجائے خود ثابت و مسلم ہے، ۱۰ کو اتنی مہلت تو کیا ملتی، دن نکلنے کے دو تین گھنٹے بعد تو پہونچے ہی تھے، قیامگاہ کی تلاش، وہان سے کنکریان پھینکنے کے لئے مجمع کو چیرتے ہوئے، اور خاصی مسافت طے کرکے جمرہ عقبہ تک جانا، ہجوم کے اندر گھس پل کر کسی طرح رمی سے فارغ ہونا اور پھر اسی طرح مجمع کے اندر سے دھکے کھاتے ہوئے واپس آنا، کھانا کھانا، قربانی کرنا، سر منڈانا، غسل کرنا، سارا دن اسی مین تمام ہو گیا، اور ۱۱ سے قبل طواف زیارت کے لئے مکہ جانے کی نوبت نہ آسکی، ابھی گذر چکا ہی کہ ۱۰ کا طواف افضل ہی لیکن دین فطرت مین ہر طرح کی آسانیان اور سہولتین بھی ہین، دین سختیون اور دشواریون کا نام نہین، فقہاء رحمہم اللہ کے ہان یہ تصریح بھی موجود ہی، کہ ساتھ مین اگر عورتین ہون، تو بلا تکلف بجائے ۱۰ کے ۱۱، ۱۲، کو طواف کیا جا سکتا ہی اس لئے کہ ۱۰ کو ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ رعایتین اور رخصتین ہم جیسے ضعفاء کے حق مین پروانۂ رحمت ثابت ہوتی ہین،

---

۱۱ ذی الحجہ کو صبح سے سواری کی تلاش شروع ہوئی، یاد رہے کہ مکہ سے ۸ ذی الحجہ پانچ دن کے لئے جو اونٹ کرایہ پر کئے گئے تھے، ان کے کرایہ مین منی سے مکہ تک کا یہ طواف زیارت والا سفر شامل نہ تھا، —— کم از کم ہمارے معلم نے تو یہی دستور ہمین بتایا، —— بہرحال خاصی تلاش و انتظار کے بعد چار اعرابیون سے کرایہ طے ہوا، ہمارے قافلہ کے علاوہ ناظر یار جنگ کا

کا قافلہ بھی ہمراہ ہوا، اس لئے اتنی سواریون کی ضرورت پڑی، اعرابی کی بابت پہلے کسی مقام پر ذکر آچکا ہی، کہ حیدرآبادی جھٹکے کی طرح ایک بکس نما سواری ہوتی ہی جس کے اندر بیٹھنے کے بعد آدمی بند ہوجاتا ہی، ان اعرابیون کا تجربہ پیشتر بھی ہوچکا تھا، آج پھر ہوا، ہر اعرابی کے اندر چار چار یا پانچ پانچ سواریان بیٹھتی ہین، کسی مین گھوڑا، اور کسی مین خچر جتا ہوتا ہی، عرب کے گھوڑون کی تعریف ہمیشہ سنتے آئے تھے لیکن وہ نسل شاید اب ناپید ہوگئی ہے، جو کچھ دیکھا، وہ اس سے بالکل مختلف تھا، جو کچھ اب تک سنا تھا، ہر گھوڑا مریل، اور خالی مریل ہی نہین، اڑیل بھی! ہمارے ہان کے اکون کے ٹٹو ان سے بدرجہا بہتر ہوتے ہین، اور اعرابیون کی حالت گھوڑون سے بھی ابتر! خدا معلوم مکہ کی حکومت بلدیہ ایسی سڑیل سواریون کو "پاس" کرتے وقت اپنے احساس ذمہ داری کو کہان رکھ آتی ہے، یہ سب تفصیل اس لئے حوالۂ قلم ہورہی ہی کہ جو دینی بھائی اس سفرنامے کو پڑھین، وہ ہر موقع کی راحتون اور زحمتون دونون کا پیشتر سے خوب اچھی طرح اندازہ لگائین، اور ہر موقع کے لئے اسی مناسبت سے تیار رہین، جو زحمت خلاف توقع اور اچانک پیش آجاتی ہی، وہ محسوس بھی بہت زیادہ ہوتی ہی، فی اعرابی کرایہ غالباً چار چار ریال سعودی (ایک ریال ہندوستان کے تقریباً ۸ آنہ کا ہوتا ہی) طے پایا، راستہ ابھی نصف طے ہوا تھا، کہ بلا کسی ظاہری سبب کے اچانک ہماری اعرابی الٹ گئی، جانور الگ، اور سواریان ایک دوسرے کے اوپر اسی اعرابی کے قفس کے اندر بند! ہم لوگ تو خیر محفوظ رہے البتہ منشی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی (جنکا ذکر مدینہ منورہ کے ذیل مین

آپکا ہی) کا پیر ایک ٹوٹے ہوئے تختے مین پھنس گیا، اور اُن بیچارے کے چوٹ اچھی خاصی آئی، مرہم پٹی کا سامان بھلا کہان دستیاب ہوتا، پیر پانی سے دھو کر بیچارے پھر سے سوار ہوئے، اور شکر کے نہ سہی، صبر کے مراتب از سر نو طے ہونے لگے،

ہندوستان کی گھڑیون کے اعتبار سے، کوئی ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا کہ حرم شریف کے دروازون پر پہونچ گئے، جنت المعلی ۸ ذی الحجہ کو منیٰ جاتے وقت بھی راستہ مین پڑا تھا، لیکن آج اسے ذرا زیادہ غور و اطمینان سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور جتنا قریب سے دیکھا، اسی قدر حسرت مین بھی اضافہ ہوا ــــــ خیر یہ تذکرہ تو پھر کبھی ہوگا، در حرم پر پہونچے، اور اندر داخل ہوتے ہی ساری کلفتین، ساری زحمتین، ساری تکلیفین دور تھین! وہی انبساط وہی مسرت، وہی تازگی! اللہ اللہ! گھر والے نے گھر کی کیا شان رکھی ہے! تسکین و تسلی کے سارے نسخے، اطمینان و سکونِ خاطر کی ساری تدبیرین یکطرف اور اس بے گھر والے کے گھر کی زیارت، اس بے مکان اور لامکان والے مکین کے مکان کا دیدار دوسری طرف! بزرگون نے کہا ہی، کہ دل کا سکون اور چین چاہتے ہو، تو دل کا تعلق اللہ سے پیدا کرو، یہان یہ عرض کرنا ہی کہ اللہ سے دل کا لگانا تو اللہ والون کا کام ہی، اللہ تک اگر براقِ ہمت اور کمندِ حوصلہ کی رسائی نہین ہوتی، تو بیت اللہ تک کیون نہ پہونچئے؟ اور دل کے تصور کو چھوڑ کر آنکھون سے دیدار کی دولت کے حصول مین کیون قصور

کیجئے، مکان والے کا جمال کا حال تو قدوسیون اور ملکوتیون سے پوچھئے، باقی خود مکان کے در و دیوار مین جو حسن و جمال ہو، جو کشش و رعنائی ہو، جو زیبائی و محبوبی ہے، اس سے اگر کوئی خاکی و ناسوتی با وصف قدرت محروم رہے، تو اس بیچارے کی محرومی پر جی چاہتا ہے دل کھول کر آنسو بہائیے! لوگ کہتے ہین، اور سچ کہتے ہین کہ حج کے سفر مین بڑی بڑی زحمتین پیش آتی ہین، لیکن ادائے فریضۂ حج کا تو ذکر الگ رہا، عرفات کی حاضری، مزدلفہ کی شب باشی، منیٰ کی قربانی، یہ ساری چیزین الگ رہین، محض کعبہ کا دیدار، سیاہ پتھر والے اور سیاہ غلاف والے بقعۂ نور کا پرتو جمال بجائے خود وہ نعمت ہو کہ اس کی قیمت مین اگر صدہا سفر، اور ہر سفر کی صدہا زحمتین اور صعوبتین، پیش کرنی پڑین، تو رب کعبہ کی قسم ہو کہ سودا پھر بھی ارزان ہو! یہ جو کچھ کہہ رہا ہون، اپنے جیسے کوربصرون اور ٹھیٹھ دنیا دارون کی زبان سے کہہ رہا ہون، اور عارفون اور بصیرت والون کے نزدیک تو ہمارا اگر سر بھی نذر کرنا پڑے، جب بھی یہ سودا گران نہ ہو!

متاعِ وصلِ جانان بس گران ست

گر این سودا بہ جان بودے چہ بودے

"وصلِ جانان" سے شاعر نے جو کچھ بھی مراد لی ہو، ہم کوتاہ بینون کے لیے تو درِ جانان تک رسائی، اس گھر کی زیارت ہی سب سے بڑی دولت، اور اپنی ہمتون اور حوصلون کا آخری منتہا ہو!

طواف اس سے پیشتر متعدد ہو چکے تھے، مگر آج کے طواف کا کیا کہنا، صبح کا ٹھنڈا

وقت، مجمع نسبتہً بہت کم، عرفات ومزدلفہ سے واپسی کی برکتین، ادائے فرض کا احسان سب نے مل ملاکر عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہی، مکان کے ہر جگہ کے ساتھ، صاحب مکان پر فدا ہونے کو جی چاہ رہا ہی، ملتزم پر دعا مانگنے کا موقع بھی آج ہی ملا، حجر اسود اور خانۂ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان، دیوار کا جو حصّہ ہے، اور جو کوئی ۱۰ بالشت ہوگا اس کا نام ملتزم ہی، اور جو مقامات اجابتِ دعا کے لئے مخصوص ہین، اُن مین سے ایک مقام یہی ملتزم ہی، حضرت ابن عباسؓ کی روایت مین آتا ہی، کہ رسول اللہ صلعم نے بہ قسم ارشاد فرمایا، کہ "یہ وہ جگہ ہے، جہان مین نے جو دعا مانگی قبول ہوئی" جب رسول اللہ صلعم نے یہان دعائین مانگی ہین، اور بار بار مانگی ہین، اور ہر مرتبہ اپنی مانگی مرادین پائی ہین، تو کوئی امتی یہان کیون کمی کرے، وہ بیچارہ تو ہمہ احتیاج اور ہمہ درماندگی ہے، مناسک کی کتابون مین آتا ہے، کہ ملتزم سے لپٹ کر (ملتزم کے لفظی معنی بھی یہی ہی کہ "جس سے لپٹا گیا") اور غلافِ کعبہ کو تھام کر خوب دعائین مانگے حضورِ قلب کے ساتھ مانگے، اور ہو سکے تو آنسوؤن کا تحفۂ نیاز ناز والے کی خدمت مین پیش کرے، بعض روایات مین آیا ہی، کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ ملتزم سے لپٹے ہوئے، یہ دعا مانگتے رہتے ہین:۔

یا واجد یا ماجد لا تزل عنی نعمۃً انعمتہا علی،	اے قدرت والے، اے عزت والے جو نعمت تونے مجھے عطا کی ہی، مجھ سے زائل نہ فرما!

ان الفاظ کی جامعیت اور ان کی برکت کا کیا پوچھنا، لیکن اکیلی اسی دعا پر موقوف نہین، اس وقت جو کچھ دل مین آئے، سب کچھ کہہ سنائے، اور جو کچھ اپنے لئے، یا جس کسی کے لئے مانگنا ہو، سب کچھ مانگ ڈالے، سوزِ دل ورقتِ قلب کیلئے

زیادہ فکر و اہتمام نہ کیجئے، وقت اور موقع ایسا ہی، کہ انشاء اللہ از خود پیدا ہو کر رہے گی،

ان سطور کا محرر، نامہ سیاہ، کیا بتائے کہ اُس نے کیا کیا مانگا؟ کوئی دو چار دس بیس گناہ ہون، تو متعین طور پر انھین یاد کرے، اور ان کے نام لے لیکر ان سے معافی چاہی جائے، لیکن جس کی زندگی کی ساری فردِ عمل سیاہیون کا ایک مجموعہ اور تاریکیون کا ایک تسلسل ہو، وہ اپنے کس کس گناہ کو یاد کرے، اور کس کس سے معافی چاہے؟ مگر خدا کی قدرت، اس وقت اپنی ساری خطائین اور معصیتین، ساری تباہ کاریان اور عصیان شعاریان، ایک ایک کرکے یاد آتی چلی جا رہی ہین! اور دعائین جو زبان سے اور زبانِ قلب سے نکل رہی ہین، وہ تنہا اپنے لئے نہین بلکہ اپنے والون کے لئے بھی، عزیزون کے لئے، دوستون کے لئے، بزرگون کیلئے اور سب سے بڑھکر امت اسلامیہ کے لئے ہین، آج ہندوستان مین اور اکیلے ہندوستان ہی پر کیا موقوف ہے، سارے عالمِ اسلام مین مسلمانون کا کیا حال ہی؟ ان کا زوال اور ادبار، ان کی پستی اور فلاکت، ان کی بدنظمی اور بے عملی، انکا نفاق اور انتشار کس نوبت کو پہونچ چکا ہے! اے کعبہ کے مالک، اس قبلۂ و جماعت کے انتشار کا دور کر دینا، اور ان کے قلوب کو ایمان سے، حسنِ عمل سے، نورِ ہدایت سے، باہمی نظم و اتحاد سے معمور کر دینا، سب تیرے ہی ہاتھ مین ہی! ذلتون کی انتہا ہو چکی، رسوائیان اپنی حد کو پہونچ چکین، گلی گلی تیرے خلیلؑ کی ذریت پر طعنہ ہین، طعنے ہین، مضحکہ ہے، گھر گھر تیرے حبیبؐ کی امت کے ساتھ تمسخر و استہزا ہے،

پھبتیاں اور آوازے ہین، ہم اپنی شور بختیون سے تو کعبہ کو مدت ہوئی بھلا چکے، اب کیا کعبہ نے بھی ہمکو بھلا دیا؟ اور ربّ کعبہ! تیری ذات سہو و نسیان سے پرے ہے، تو تو کبھی اور کسی کو نہین بھول سکتا، کون کہے، اور کس طرح کہے، کہ تو نے بھی طوافِ کعبہ پر آس لگانے والون کو، محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والون کو اپنی نگاہِ لطف وچشمِ التفات سے بھلائے رکھا ہے!

باب ۳۴
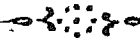
منیٰ بعد حج نمبر (۳)

حطیم کا ذکر پہلے آچکا ہے، خانہ کعبہ سے ملا ہوا وہ نیم مدوّر صحن، جو مطاف کے اندر ہی، اور جو حکماً خانہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہی، اس مین نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ہے، طواف کرنے اور ملتزم سے لپٹ کر دعائین مانگ چکنے کے بعد آج اطمینان سے حطیم کے اندر بھی حاضری کا موقع ملا، جس کا جتنی دیر تک جی چاہا یہان نمازین پڑھین، اور دیوارِ کعبہ سے لگ لگ کر اور لپٹ لپٹ کر دعائین نکلین، کسی کسی نے دیوار و فرش کی خاک اٹھاکر بطور تبرک ساتھ لے لی، کہتے ہین، کہ مطاف مین اولیا، و اقطاب و ابدال ہمیشہ حاضر رہتے ہین، رہتے ہون گے، ولی کو پہچاننے کے لئے خود نگاہِ ولایت کی ضرورت ہی، عامیون سے اس بارے مین کسی اظہار رائے کی توقع ہی بیکار ہے، البتہ بعض نورانی چہرون پر انتہائی خشوع و خضوع کے، انتہائی تضرع و ابتہال کے، انتہائی عبدیت و انابت کے جو آثار نظر آئے، اُن کے حروف و نقوش تو ہم جیسے بے بصر بھی پڑھ سکتے تھے، سبحان اللہ عجب مقام ہی، رحمت و مغفرت کی صلائے عام ہی، کیسے کیسے فاسق فاجر، کیسے کیسے جفا پیشہ، جرم پیشہ، عصیان شعار، اپنی تباہ کاریون اور بدحالیون کی بنا پر اپنی نجات سے مایوس، اولیا و کاملین

کے پہلو مین کھڑے ہوئے، اور جس نے

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم، و انیبوا الی ربکم و اسلموا لہ،

(زمر، ع ۶)

اے پیمبر، میرے بندون سے کہہ دو، کہ جنھون نے اپنے اوپر زیادتیان کی ہین، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ بالیقین تمامگناہون کو معاف کردیگا، واقعی وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے، اور تم اپنے رب کی طرف جھکو، اور اس کی فرمان برداری کرو

کا اشتہار دے رکھا ہے، اس مالک و آقا کے در پر پڑے ہوئے، اپنے نجات و مغفرت کی ٹوٹی ہوئی آس نئے سرے سے جوڑ رہے ہین! عمر بھر کی سیاہ کاریان یاد آرہی ہین، ہر وہ شیطنت جو شیطان کو بھی شرمندہ کردینے کے لئے کافی ہو، ایک ایک کرکے قیود کی جارہی ہے، اور جسکی شان ستاری اب تک ہر عیب و رسوائی پر پردہ ڈالے رہی ہو، اسکے آگے ایک ایک معصیت کا اقبال کر کرکے آنسو بہا بہاکے ہاتھ پھیلا پھیلا کے پیشانی رگڑ رگڑ کے، نجات و غفران کا پروانہ حاصل کیا جارہا ہے

دوپہر نہین ہونے پائی تھی، کہ منیٰ کے لئے واپس روانہ ہوئے، جن اعرابیون پر آئے تھے، وہ اتنی دیر تک کیا انتظار کرتین، کچھ نئی اعرابیان کرنی پڑین، بعض رفقا کو پھر بھی جگہ نہ ملی، تو گدھون اور اونٹون پر سوار ہوئے، یہ اعرابیان اور ان کے جانور اور ان کے ہنکانے والے، پہلے سے بھی کچھ بڑھے چڑھے ہوئے نکلے، آدھا راستہ طے ہوا تھا، کہ ایک اعرابی کے گھوڑے نے بالکل جواب دیدیا، اب بجائے اس کے کہ گھوڑا سواریون کو کھینچتا، سواریان اعرابی

سے اتر اتر کر گھوڑے کو کھینچ رہی تھیں! یہ سمان بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، دوپہر کا وقت منیٰ کی بے پناہ دھوپ، ریگستانی مٹی، سر سے پیر تک پسینے میں شرابور، کچھ عورتیں اور بچے گاڑی پر سوار، اور ساتھ کے مرد گاڑی کو ٹھیل ٹھیل کر اور دھکے دے دے کر آگے بڑھا رہے ہیں! اس وقت نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی میونسپلٹی ہے، جو ایسی اعرابی، چلانے والے کا چالان کرے، اور نہ یہ یقین ہوتا تھا، کہ یہاں کوئی حکومت ہی، جو ایسے موقع پر بیکس پردیسیوں کو کسی طرح کی مدد دے! البتہ اس وقت تیز ہوا کا چلتے رہنا رحمت ہو گیا، پسینے سے نہائے ہوئے جسم میں گرم ہوا لگتی تھی، تو ناگوار ہو کر نہیں بلکہ ٹھنڈی ہو کر خوشگوار معلوم ہوتی تھی، اور ظاہری صعوبت ایک سامانِ تفریح بنی ہوئی تھی! ــــــــ کریم کو کریمی کے بھی کتنے ڈھب آتے ہیں! چلچلاتی دوپہریں، مکہ سے منیٰ تک پا پیادہ چند قدم بھی چلنا، ہم جیسے تن پروروں کے لئے اپنی خوشی اور مرضی سے بھلا کب ممکن تھا، اور یہ سعادت ہم جیسوں کے نصیب میں بھلا کب آ سکتی تھی، اس کے لئے کیا نیا ڈھنگ نکالا گیا، اور کس ترکیب و حکمت سے پیدل چلا کر، اس کے اجر کا امیدوار و حقدار بنا دیا گیا! شوقین لڑکے اپنے شوق سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن جو مٹھائی کی چاٹ سے پڑھتے ہیں، بہرحال پڑھنے والوں میں شمار تو ان کا بھی ہو ہی جاتا ہے!

منیٰ پہونچنے کے بعد بجز رمی کے اور کوئی خاص کام نہ تھا، ۱۰ر کی رمی کا ذکر گذر چکا ہے، ۱۰ر کو صرف ایک جمرہ کی رمی تھی، ۱۱ر و ۱۲ر کو تینوں جمروں

کی ہے، ۱۱ اور ۱۲ کی رمی کا وقت بعد زوال ہے، دونون دن ترتیب یہ رہے گی،
کہ پہلے جمرۂ اولیٰ کی رمی کرے، جو مسجد خیف کے قریب ہے، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ
(منجھلے شیطان) کی، اور آخر مین جمرۂ عقبہ کی، تینون جمرون پر سات کنکریان
پھینکی جائین گی، رمی پاپیادہ کرنی چاہیے، البتہ جمرۂ عقبہ کی رمی سواری پر بھی
جائز ہے، بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک افضل ہے، ان دونون تاریخون مین
رمی قبل زوال، فقہ حنفی مین درست ہی، اور اگر اتنی دیر کی کہ آفتاب غروب
ہوگیا، تو یہ وقت بھی مکروہ ہو جاتا ہی، پہلے دونون جمرون کی رمی کے بعد مسنون
یہ ہے، کہ قبلہ رو کھڑے ہوکر کچھ دیر تک تسبیح و تہلیل، مناجات و استغفار مین مشغول
رہے، اور ہاتھ اٹھا کر دعائین مانگتا رہے، البتہ جس رمی کے بعد پھر کوئی رمی
نہین، یعنی آخری جمرہ (جمرۂ عقبہ) کی رمی، اُس کے بعد وقوف مسنون نہین، فوراً
پلٹ آنا چاہیے، جمرات کے پاس رمی کے بعد دعا مانگنا، مقامات مقبولیت مین سے
ہے، ۱۰، ۱۱، ۱۲ کی ان تین تاریخون مین رمی واجب ہے، ۱۳ کی رمی مستحب کے درجے
مین ہے، ۱۲ کی شام کو، یا شب مین کسی وقت اگر مکہ واپس ہوگیا تو بالکل جائز ہی،
لیکن اگر ۱۲ کی صبح تک منیٰ مین قیام ہوگیا، تو پھر بغیر ۱۳ کو بھی رمی کیے ہوے
مکہ واپس ہونا درست نہین،

منیٰ مین یہ دن ڈیڑھ دن یعنی ۱۱ کی دوپہر سے لیکر ۱۲ کے غروب آفتاب
تک بحمد اللہ لطف سے گزرا، ہر سال سنا کرتے تھے، کہ منیٰ مین سخت غلاظت
و گندگی رہتی ہی، وبائین پھیلتی ہین، پانی کا قحط ہو جاتا ہی، لاکھ ہزارہا کی

تعداد مین ہیضہ اور لو سے مرجاتے ہین، لیکن آپ کی خدائے فضل سے ان میں سے کوئی بھی شے نہین پیش آئی، نہ کوئی وبا پھیلی، نہ پانی کا توڑا پڑا، نہ لو سے کچھ زائد موتین ہوئین، اور نہ اتنے بڑے مجمع کے لحاظ سے عفونت و غلاظت ہی زائد کہی جا سکتی تھی، تین دن ماشاء اللہ منیٰ کا بازار خوب گرم رہتا ہے، ہر وقت ہر طرف خوب چہل پہل رہتی ہے، ہزاروں لاکھوں کی خریداریاں ہوتی ہین، اور ضرورت و شوق کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جو ان دنون مین یہان نہ مل جاتی ہو، اور پھر بہ افراط نہ ملتی ہو، میوے، تر و تازہ پھل، سبز و شاداب ترکاریان جتنی چاہیے، لے لیجیے، اور بجائے گوشت اور خشک چیزون کے، انھین کا استعمال یہان کے موسم و حالات کے مناسب بھی ہے، ۱۰ ار کو تو خیر مشغولیت رہی تھی ۱۱ ار کی دوپہر کے بعد سے کوئی خاص کام نہ تھا، بس ادھر اُدھر پھرنا، دوست احباب سے ملنا جلنا، بعض شوقین مزاجون کو دعوت کی سوجھتی ہے، خوب خوب مزے کی دعوتین ہوتی ہین، عرفات اور مزدلفہ کے بچھڑے ہوئے یہین آکر ملتے ہین، مولانا مناظر احسن صاحب اور ایک اور شخص جو ہمارے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے، یہین آکر ملے، حیدرآباد کا قافلہ یہان ٹھہرا ہوا ہے، وہان سالار قافلہ مولوی فیض الدین صاحب وکیل کے حسن انتظام و وسعت اخلاق نے مہمان نوازی کا سلسلہ خوب وسیع کر رکھا ہے، مولوی ابوالخیر خیراللہ صاحب وکیل ورنگل، اور اور پربھنی (دکن) کے ایک اور وکیل صاحب (غالباً مولوی خیرالدین نام ہے) اور مولانا شوکت علی کے بھانجے اور داماد عثمان علیخان ماشاء اللہ خوب چاق اور بشاش نظر آرہے ہین، بار بار ملاقاتین ہوئین،

رمی کے احکام و شرائط کی تعمیل تینوں تاریخوں میں معلم صاحب کی ہدایت و رہنمائی میں الٹی سیدھی، بری بھلی، جیسی کچھ بھی بن پڑی، ہو گئی، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ظاہری آداب و شرائط میں کتنی کوتاہیاں رہ گئیں، ضابطہ پری کسی طرح ہو ہوا گئی، لیکن باطن کے اندر جو خناس سمایا ہوا ہے، اور جو گوشت کے ایک ایک ریشے میں اور خون کے ایک ایک قطرہ میں رچا ہوا ہے، اس پر بھی کوئی کنکری پڑی؟ اس پر بھی کوئی ضرب لگی؟ اس کی انانیت بھی گھائل ہوئی؟ پتھر کے بنے ہوئے ستونوں پر مار پڑتے سب نے دیکھا، پر دل کے پردوں کے اندر جو شیطان نفس چھپا ہوا ہے، وہ بھی کچھ مجروح ہوا؟ خلیلؑ و ابن خلیلؑ کو بہکانے کی، جس مردود نے کوشش کی تھی، وہ تو مومنوں کے ہاتھوں لاکھوں کروڑوں بار ذلیل و رسوا ہو چکا ہے، لیکن خلیلؑ کے نام لیوا، اور خلیلؑ کے رب جلیل کے پرستار، جس موذی کے دام بلا میں ہر لحہ اور ہر آن گرفتار رہتے ہیں، اُسے بھی ذلت و خواری نصیب ہوئی؟ اس ظالم کا جسم بھی ان کنکریوں سے چھلنی ہوا؟ —— سوالات سب کر سکتے ہیں، جواب کون دے، اور کوئی کیوں دینے لگا؟ جب کسی کی شان ستاری سب کے عیبوں کو ڈھانپے ہوئے ہے، جب ہر زاغ کو طاؤس کے پردوں میں ملبوس کئے ہوئے ہے، جب ہر ویرانہ کو گلستان اور ہر داغ کو چراغ بنائے ہوئے ہے، تو کسی کو کیا پڑی ہے، کہ ہانکے پکارے گلوں شکووں کا دفتر کھول کر بیٹھے، اور ایک ایک کے آگے اپنی محرومیوں اور برگشتہ بختیوں کا رونا روتا پھرے؟

---

۱۲ کی دوپہر سے واپسی کا کوچ شروع ہو گیا، اور جلد بازوں نے پوری طرح زوال کا بھی انتظار نہ کیا! آج کی چپقلش ہر روز اور ہر موقع سے بڑھی ہوئی ہے، آج کی کشمکش کا منظر محض دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، کسی قلم کے بس کی بات نہیں، کہ اس ہجوم اور کشاکش ہجوم کا نقشہ کاغذ پر پیش کر سکے! "یک انار و صد بیمار" بارہا سنا تھا، "یک سڑک و صد ہزار سوار" کا منظر آج آنکھوں سے دیکھا! بیچارے سو بیمار ایک انار پر کیا اس طرح ٹوٹ کر گر پڑیں گے، کیا اس طرح چھین جھپٹ کریں گے، کیا اس طرح ایک دوسرے سے گتھ سکیں گے جس طرح سو کے سو گئے، ایک دوسرے سے ریل پیل، دھکم دھکا، اور زور آزمائیوں میں مصروف تھے، معاذ اللہ! معاذ اللہ! ان میں بیمار و لاغر بھی تھے، اور ہٹے کٹے توانا و تندرست بھی، بوڑھے بھی، اور بچے بھی، شہ زور مرد بھی، اور کمزور عورتیں بھی ہیں اور حلیم بھی، اور جاہل اور اجڈ بھی، بات کو طرح دے جانے والے بھی اور بلا بات کے الجھ پڑنے والے بھی، پیدل بھی اور سوار بھی، اونٹ اور سانڈنیاں بھی اور گھوڑے اور گدھے بھی، آنے والے بھی اور جانے والے بھی، ایک سڑک اور ایک رہگذر! زبانیں بھی چل رہی ہیں، اور کہنیاں بھی، اور ہاتھ بھی! جو نہیں چل پاتیں وہ صرف ٹانگیں ہیں، اور جو نہیں اٹھ پاتے وہ صرف قدم ہیں! اونٹ سے اونٹ بھڑ رہے ہیں، شغدف سے شغدف لڑ رہے ہیں، سر سے سر ٹکرا رہے ہیں، وحشت زدہ اونٹوں کی بھیانک بلبلاہٹ، اور اس سے کہیں زیادہ بھیانک ان کے وحشت زدہ سواریوں کی چیخ پکار! محض خدا کی قدرت ہے، کہ سیکڑوں حادثے اس وقت واقع نہیں ہو جاتے! مکہ سے منیٰ آتے وقت اور مزدلفہ سے منیٰ واپس ہوتے وقت، اور دوسرے موقعوں پر بھی سخت ہجوم و اژدحام

کا سامنا ہوتا ہے، لیکن آج کا ہجوم و اژدحام ان سب سے کہین بڑھا ہوا ہے، اس بے قاعدہ مجمع کو قاعدہ سے لگانا، اس ہڑبونگ مین نظم و انتظام پیدا کرنا، حاجیون اور پردیسیون کے اس انبوہ کو راحت پہونچانا، سعودی شریعت مین کوئی بدعت عظیم ہی؟

مناسک حج کی کتابون مین ایک مفصل باب جنایات کے متعلق بھی ہوتا ہے اعمال حج کے سلسلہ مین جو فرو گذاشتین ہو جاتی ہین، یا حاجی جن ممنوعات کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، ان کو اصطلاح فقہ مین جنایت کہتے ہین، یہ غلطیان یا تو کسی عذر شرعی کی بنا پر صادر ہو سکتی ہین، اور یا بلا عذر، پہلی قسم کی غلطیون کے عوض مین کفارہ دینا ہوتا ہی، اور دوسری قسم کے معاوضہ مین جزا مقرر ہے، یہ کفارہ اور جزا دونون فقہی اصطلاحین ہین، جزا کی دو صورتین ہین، ہلکی لغزشون کے معاوضہ مین ہلکا سا صدقہ، اور بڑی خطاؤن کی پاداش مین جانورون کی قربانی، کفارہ کی صورت مین اختیار ہے کہ خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے، اور خواہ روزہ رکھ لے، ممنوعات کی دو قسمین ہین، ممنوعات احرام، و ممنوعات اعمال حج، اور پھر ہر ایک کے تحت مین بہت سی صورتین ہین، ہر جنایت کی جزا و کفارہ الگ الگ ہی، جس کی تفصیل فقہ کی کتابون مین درج ہے، موٹی موٹی باتین معلم زبانی بتا دیتے ہین، ہر حاجی کو ان سے واقف ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ لاکھ احتیاط کیجائے، کچھ نہ کچھ بے احتیاطیان اور فرو گذاشتین ہو ہی جاتی ہین، صدقے عموماً ہلکے رکھے گئے ہین، جو ہر حاجی بہ آسانی دے سکے، قربانیان بھی عموماً کچھ زیادہ سخت نہین رکھی گئی ہین، ان جزاؤن اور کفارون کے ادا کرنے کا بہترین وقت، یہی منی کا زمانہ قیام ہوتا ہی، اردو مین ان جنایات

اوران کے کفارون اور جزاؤن کی تفصیل پوری شرح وبسط کے ساتھ، مولوی منتخب الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاوی عثمانی، جلد ۶) مین ملے گی، وہ کافی ہی نہین بلکہ کافی سے زائد ہے،

عصر کا وقت آیا ہی تھا، کہ ہم لوگون کے بھی خیمے اکھڑنے اور سامان بندھنے لگے، ادھر عصر کا وقت آخر ہوکر آفتاب غروب ہونے کو تھا، کہ ہم لوگ جمرۂ عقبہ پر آخری رمی سے فراغت کرکے اپنے اپنے اونٹون پر سوار ہونے کے لئے لپکے، اونٹ پر سوار ہونا آج بجائے خود ایک مستقل مرحلہ ہے، نہ پوچھیے، کہ ہم لوگ کس طرح سوار ہوئے، اور ہمارے قافلہ کے ضعیفون اور عورتون پر کیا گذر گئی، بہرحال محض تقدیر تھی، کہ زندہ وسلامت سوار ہوگئے، راستہ مین مکہ کی آبادی شروع ہونے سے ذرا پہلے جنت المعلی کے قریب ایک مقام آتا ہے، جسے وادی محصب کہتے ہین، حضور انور صلعم نے حج موقع پر مکہ واپس آتے یہان حسب روایت صحیح بخاری، قیام فرمایا تھا، اور ظہر وعصر، مغرب وعشا کی نمازین یہین ادا کرکے کسی قدر استراحت فرمائی تھی اور اس کے بعد مکہ مین داخل ہوئے تھے، فقہائے حنفیہ نے یہان اترنا، اور تھوڑی دیر قیام کرکے دعا مانگنا سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ حضور صلعم نے یہان قصداً نزول فرمایا تھا، البتہ بعض دوسرے ائمۂ حدیث کے نزدیک یہ سنت نہین، اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال مین یہ تصریح موجود ہے، کہ حضور (صلعم) کا یہ فعل بغرض عبادت نہ تھا، بلکہ آپ نے محض آرام لینے کی غرض سے قیام فرمایا تھا تاہم سنت رسول کے بعض محقق صحابہؓ (مثلاً عبد اللہ بن عمرؓ) اس پر برابر عمل فرماتے رہے،

عن نافع قال کان ابن عمر عنهما ینیخ بالبطحاء التی بذی الحلیفة التی رسول اللہ صلعم ینیخ بها ویصلی بها (صحیح مسلم)	نافع کہتے ہین کہ حضرت ابن عمر اپنا اونٹ بطحا ذو الحلیفہ (یعنی وادی محصب) مین بٹھاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ نے یہان اونٹ بٹھایا ہی اور نماز پڑھی ہی،

اور نووی نے شرح مسلم مین لکھا ہی، کہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کا عمل بھی اسی پر تھا، اور حنفیہ کی کتابون مین تو صاف یہ لکھا ہوا ہی، کہ :۔

اذا نفر الحاج الی مکة نزل استنانا ولو ساعة بالمحصب (درمختار)	جب حاجی مکہ کو آنے لگے، تو مسنون یہ ہی کہ محصب مین اترے، خواہ ایک ہی ساعت کے لئے ہو،

لیکن اب اس پر عمل کس کا ہ؟ ہر شخص کو بھاگا بھاگ مکہ پہونچنے کی عجلت، اول حاجی غریب اگر ٹھہرنا چاہین بھی، تو معلم حضرات کب انھین ٹھہرنے دیتے، اور سنت نبوی پر عمل اور تعامل صحابہ کے اقتدار کا موقع نصیب ہونے دیتے ہین!

باب ۳۵

مکہ

مکہ کی آبادی شروع ہونے کے ساتھ ہی ہجوم مین بھی اور اضافہ شروع ہوا
یہان تک کہ چلتے ہوئے اونٹون کی رفتار رک گئی، اب قطار کی قطار رکی ہوئی
کھڑی ہے، اور ہر شخص طوعاً نہ سہی کرہاً، رضا بہ قضا کی تصویر بنا ہوا! اور یہ ساری
"خوش انتظامی" عین بیت الحکومت کے سامنے، اور اردگرد یعنی ولیعہد حجاز اور گورنر
مکہ کے محل کے سایۂ دیوار کے نیچے! گویا سعودی حکومت نے اپنے نفس پر لازم کر رکھا
ہے، کہ راستہ کے انتظامات اور مسافرون کی راحت رسانی مین اپنی انگلی تک نہ ہلائیگی!
خیال یہ تھا، کہ رباطِ حیدرآباد مین جگہ کی قلت ہے، اس لئے اب کی اپنے ذاتی
قافلہ کو ہمراہ لیکر مدرسہ صولیتہ چلا جاؤنگا، اور روانگی کے وقت تک وہین قیام
کرونگا، لیکن مدرسہ تک پہونچنے کے لئے دو ایک فرلانگ اور چلنے کی ضرورت تھی،
اتنی ہمت کسی تھی؟ معلّم صاحب ہمراہ تھے، بولے کہ اس چپقلش مین اتنی دور اور چلنا
سخت مصیبت ہے، بہرحال مولوی سلیم صاحب کی مہمان نوازیون سے محروم رہنا
مقدر ہو چکا تھا، مجبوراً محلہ مسفلہ ہی کو آئے اور ۱۲ ذی الحجہ کو رات کوئی دو ڈھائی
گھنٹہ جا چکی ہوگی کہ اسی رباطِ حیدرآباد مین جہان سے ۸ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے تھے،

پانچ دن کے سفر کے بعد بحمد اللہ حج سے فراغت کرکے، پھر آکر مقیم ہو گئے،

مراسم حج سب ادا ہو چکے تھے، اب صرف ایک طواف الوداع، جو رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے، کرنا تھا، اور جن لوگوں نے طوافِ فرض کے ساتھ سعی نہیں کی تھی، انھیں ایک سعی کرنی باقی تھی، پس ان دو چیزوں کے سوا اور کوئی شے اب اعمالِ حج کے سلسلہ میں باقی نہ تھی، ہاں نفل طواف اور مسجد الحرام میں نمازیں پڑھنے کے موقعے تو ظاہر ہے کہ ہر وقت باقی تھے، کتابوں میں پڑھا تھا، اور لوگوں سے زبانی بھی سنا تھا کہ مکہ میں متعدد مقامات و مکانات قابلِ زیارت ہیں، مولد النبیؐ، مولد علیؓ، دارِ خدیجہؓ، جبل ثور، غار حرا، مسجد الجن، وغیرہ ــــــــ حقیقۃً زیارت گاہ بننے کے قابل تو اس پاک زمین کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ ہے ــــــــ لیکن ــــــــ

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا!

اب ان زیارتوں کے موقعے کہاں حاصل، دورِ سعودی میں یہ سب افسانۂ پارینہ ہے، کہیں سنتریوں کے پہرے ہیں، اور کہیں، ایک ایک اینٹ کھود کر ویرانہ بنا دیا گیا ہے، بہر حال اب ان مقامات کی زیارت کا تو خیال بھی نہیں، البتہ جنت المعلی میں جس وقت اور جس صورت سے بھی ممکن ہو گا، حاضری دینا ضرور ہے،

جنت المعلی کا نام آپ کے کان میں ضرور پڑ چکا ہو گا، مکہ معظمہ کے قبرستان کا نام ہے، مسجد حرام سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر منیٰ کے راستہ میں وادی محصب سے کچھ ادھر ایک بڑا وسیع میدان، ایک طرف پہاڑ، باقی ہر طرف سے کھلا ہوا

ایک حصہ چار دیواری سے گھرا ہوا لیکن اب تو چار دیواری بھی ہر طرف سے شکستہ اور جا بجا سر بسجود، درمیان مین ایک سڑک نکلی ہوئی، اس لئے اور بھی بے قید اس کے انوار و برکات کا کیا بیان ہو کوئی ایک دو بزرگ یہان مدفون ہون، تو ان کے نام لئے جائین، جہان بے حساب آفتاب، اور بے تعداد ماہتاب پیوند خاک ہون، وہان کس کس کے نام گنائے جائین، اور کن کن کے فضائل و مناقب کا پیمانہ ہاتھ مین لیکر ناپا جائے، نبی کریم صلعم کے اجداد کرام، ایک روایت کے بموجب خیر البشر کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، سیدنا قاسم بن نبی صلعم، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، امام ابو القاسم قشیریؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ (شیخ حضرت خواجہ اجمیریؒ)، امام نسفیؒ (صاحب "کنز") اور فخر المتاخرین مرشد دوران قطب زمان حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، اندازہ کے لئے یہ چند نام کافی ہین، "جنت" عربی محاورہ مین قبرستان کو بھی کہتے ہین، لیکن اگر اس بقعہ نور "جنت" کے وہی معنی لئے جائین، جو عربی اور اردو مین اس کے عام اور مشہور معنی ہین، تو کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ ان مقدس ہستیون کی فیض باریون اور ضیا پاشیون پر اس سفرنامہ کے راقم کا ایک ذاتی تعلق اس جنت خاکی کے ساتھ مزید بران، والد ماجد مرحوم و مغفور مولوی عبد القادر رٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر، اضلاع اودھ نے مع والدہ ماجدہ مدظلہا و دیگر اعزہ کے ۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۰ھ مین سفر حجاز اختیار کیا، بیت اللہ کا جوار ایسا پسند آیا، کہ حج سے فارغ ہونے کے معاً بعد، ۱۱ ذی الحجہ کو منیٰ مین ہیضہ مین مبتلا ہوئے، اور قبل اس کے کہ دوبارہ دنیا کی آلودگیون مین مبتلا ہون، ۱۴ ذی الحجہ کو صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ مین سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اور اسی قبرستان مین مدفون ہوئے

خواجہ عثمان ہارونی کا مزار جنت المعلیٰ میں نہیں ہے [illegible]

کوئی ہندوستانی، حکومت برطانیہ کا کتنا ہی وفادار و ہوا خواہ ہو، ذرا اُسے ریل
کے اونچے درجون مین دو چار بار سفر کر لینے دیجیے، ہمسفر انگریزون کا برتاؤ دیکھ لینے کے
بعد ممکن نہین کہ اُس کے جذبات وفاداری و ہوا خواہی، بدستور قایم رہین، اور بجاے
ان کے اس کے قلب مین بغاوت و عداوت کے جذبات حرکت مین نہ آنے لگین ٹھیک
ایسا ہی حال سلطان ابن سعود کے معاملہ مین جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کا ہی، عہد
سعودی کے امن و امان کی ساری برکتین ایک طرف، اور جنت البقیع ہی کی طرح جنت المعلیٰ
کی ویرانی و پامالی دوسری طرف، ممکن نہین، کہ کوئی غیرت مند و صاحب احساس مسلمان
اس وقت جنت المعلیٰ کا منظر اپنی آنکھون سے دیکھے، اور دیکھ کر اپنے اوپر قدرت رکھ سکے
خیال یہ تھا، کہ مولانا شفیع الدین صاحب مدظلہ العالی کی معیت مین جنت المعلیٰ کی زیارت
کے لیے جائین گے (ممدوح بلا ناغہ بعد نماز فجر، منہ اندھیرے جنت المعلیٰ اپنے مرشد
حضرت حاجی صاحب رح کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے ہین) لیکن ممدوح ۱۳ کی صبح
تک منیٰ سے واپس تشریف نہین لائے تھے، اس لئے مجبوراً ہم لوگ تنہا بغیر کسی
رہبر و رہنما کے روانہ ہوئے، قبرستان پہونچتے ہی، نہ پوچھیے، کہ آنکھون کو کیا کیا
دیکھنا پڑا! اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے، کہ جنت البقیع سے زیادہ ابتر حالت اور کہان
کی ہوسکتی ہی لیکن آہ جنت المعلیٰ مین جو کچھ دیکھا، وہ کچھ اس سے بھی فزون تر تھا!
آہ، جو سرزمین اس قابل ہی کہ اولیا، صالحین و اتقیا، کاملین بھی اگر وہان قدم
رکھین تو لوازم ادب اور آداب احترام کے ساتھ، وہان آج بے ادبیون اور بے
حرمتیون کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رہنے پاتا! انسان تو انسان، جانور تک یہان
بدتمیزی کے لئے آزاد ہین! اونٹون کی قطار کی قطار حدود قبرستان کے اندر

اپنی منزل بنائے ہوئے، کئی دن قبل منیٰ جاتے وقت دکھائی دی تھی، آج یہ دیکھا کہ جابجا اونٹون کی مینگنیان اور پیشاب پڑا ہوا! ہر طرف غلاظتون کے انبار سے لگے ہوئے کیسے کیتے اور کہان کے مزارات! یہ پتہ ہی نہین چل سکتا تھا، کہ کون صاحب کہان مدفون ہین! والد مرحوم کے متعلق یہ سنا تھا، کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے پائین مین مدفون ہین، اس پتہ پر اُن کی تربت کو تلاش کرنے کا ارادہ تھا، یہان سرے سے حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی کی تربت کا پتہ نشان نہین! کسی دوسری تربت کا پتہ اُن کے پتہ سے کیا چلایا جائے! بہرحال چارہ کیا تھا، اندازہ سے اور اپنے ہی جیسے ناواقف عوام کی رہنمائیون مین مختلف مقامات پر کھڑے ہو ہو کر فاتحہ پڑھ لیا گیا اور بس ——— فاتحہ تنہا اُن اہل قبور ہی پر نہ تھا، سعودی حکومت کی عقل اور تمیزداری پر بھی فاتحہ پڑھ لیا گیا!

---

۱۴ ذی الحجہ۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن (بہاری) کا ذکر مدینۂ منورہ کے سلسلہ مین آچکا ہے، یہان بھی وہ اسی رباط کی ایک دوسری منزل مین مقیم ہین، یہ تو معلوم تھا کہ شیخ سنوسی اعظم عرصہ سے مکۂ معظمہ ہی مین مقیم ہین، مگر نہ یہ معلوم تھا کہ کہان مقیم ہین، اور نہ ان کی خدمت مین حاضر ہونے کا کوئی خیال تھا، آج صبح ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، کہ شیخ موصوف کی طبیعت کچھ عرصہ سے ناساز ہے، اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج ہو رہا ہے، یہ سنکر طبیعت مین قدرۃً اشتیاق پیدا ہوا، اور تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر صاحب وہان چلنے لگے، تو ہم لوگون کو بھی ہمراہ لے لیا، حرم سے کچھ دور ایک بہت بلند ٹیکرہ جبل ہندی کے نام سے ہے، راستہ باب الصفا سے ہو کر گیا ہے، شیخ وہین مقیم ہین،

صبح آٹھ ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا جب ہم لوگ روانہ ہوئے، اور جس طرح پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، بلندیاں اور بلندیوں کے بعد پھر بلندیاں طے کرتے کرتے، شیخ کی فرودگاہ تک پہونچے، یہ تو ایک اچھا خاصا قلعہ ہے، بڑی وسیع اور ریق ووق عمارت بلکہ ایک مجموعہ عمارات! اخبارات میں شیخ کا نام آج سے نہیں، کم از کم ۱۵-۲۰ سال سے سنتے چلے آرہے ہیں، طرابلس میں اطالیوں کے خلاف جہاد، اور اس کے بعد سے خدا معلوم کتنی اور بار جہاد و غزا ہی کے سلسلہ میں شیخ کا نام سننے میں آچکا تھا، دل خوش ہو رہا تھا، بلکہ خوشی سے اچھل رہا تھا، کہ آج اپنے زمانہ کے مجاہد اعظم کا دیدار نصیب ہوگا، شیخ کوئی تارک الدنیا زاہد گوشہ نشین نہیں، ماشاء اللہ مع پورے خدم و حشم کے یہاں مقیم ہیں، رئیسانہ بلکہ شاہانہ ساز و سامان، اپنی ضرورت کی ہر شے الگ موجود، یہاں تک کہ مسجد بھی موجود، مختلف درجوں اور منزلوں میں متعدد خدام اور دربان ملتے رہے، سب سے سلام علیک ہوتی رہی، اور کسی میں نجدی سپاہیوں کی سی درشتی اور خشونت نہ ملی، یہاں تک کہ سب سے اوپر کی منزل میں پہونچے، اور ایک کمرہ میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد شیخ کے سامنے طلبی ہوئی،

کمرہ، سامانِ آرایش و نمایش سے خالی، سادگی کی ایک تصویر بنا ہوا، وسط میں تکیہ لگائے، ایک نہایت حسین سفید ریش بزرگ، سفید براق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے، چہرہ سفید، بال سفید، کپڑے سفید اور ان ساری سفیدیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر شیخ کی نورانیت! باطن کے نور اور قلب کی نورانیت کی خبر تو خدا کو، لیکن چہرہ کی نورانیت کا یہ عالم، کہ نظر سے نظر ملانی مشکل! طریق ولایت پر راہ سلوک طے کرنے والے

اچھے اچھے بزرگ نظر سے گذر چکے تھے، اس وقت اُس شیر مرد کا سامنا تھا، جو راہِ سلوک طریقِ نبوت پر طے کر رہا ہے، تسبیح وسجادہ، حلقہ وخرقہ والے بہت سے بزرگوں کی زیارت کی سعادت نصیب میں آچکی تھی، آج اُس بزرگ کی حضوری حاصل ہو رہی تھی، جو صحابۂ کرام، خصوصاً خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر، صاحبِ دل بھی ہے، اور صاحبِ سیف بھی، خانقاہ کے اندر بیٹھ کر ذکر وشغل کرنے والا بھی، اور میدان میں نکل کر اعداء اللہ سے غزا وقتال کرنے والا بھی، صوفیہ نے جہاد کی دو قسمیں قرار دے رکھی ہیں، جہادِ اصغر وجہادِ اکبر، اس گھڑی مواجہہ اُس ذات کا تھا، جو جہادِ اصغر وجہادِ اکبر دونوں کی جامع ہے! قبل اس کے کہ شیخ کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلے، محض چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل اپنے پہلو سے غائب تھا، اور جس وقت شیخ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اُن کے دستِ پاک سے اپنا دستِ ناپاک مس ہوا، جسم میں ایک تھرتھری سی پڑ گئی، اور یہ معلوم ہوا، کہ آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی کوند گئی، آنکھیں پر نم تھیں، دل اندر سے بھرا چلا آتا تھا، اور جی بے اختیار یہی چاہ رہا تھا، کہ شیخ کے قدموں پر آنکھیں ملے، اور خوب رو رو کر دل کی بھڑاس نکالے،

جلالتِ فاروقیؓ کے متعلق مثنوی معنوی میں ایک شعر مست ہو کر پڑھا تھا ؎

ہیبتِ حق است این از خلق نیست

ہیبتِ این مردِ صاحب دلق نیست

اس "ہیبتِ حق" کے معنی ایکبار ہندوستان میں روشن ہوئے تھے، اور ایک آج جا کر روشن ہوئے! جب نسبتِ فاروقی رکھنے والوں کی ہیبت وجلالت کا یہ عالم ہے، تو خود فاروقِ اعظمؓ کی ہیبت وجلالت کا اندازہ اس زمانہ کے ضعیف القویٰ کیا اور کیونکر لگا سکتے ہیں!

یشخ کا سن کچھ ایسا بہت زائد نہین معلوم ہوتا، اور قویٰ تو ماشاء اللہ قابلِ رشک ہین، اللہ اس کی عمر و اقبال مین برکت دے، اور اس کی سپاہ کو نصرت و فتح نصیب کرے کہ اس بیسوین صدی کے دوریاجوجی مین جہاد اسلامی اور غزائے شرعی کا نام ردے زمین پر اگر کہین زندہ ہے، تو اسی کے دم سے، ورنہ ہمارے "روشن خیالون" نے تو حالات موجودہ مین اس کے صرف ناقابلِ عمل ہونے ہی پر بس نہین کی، بلکہ سرے سے اس کی عدم ضرورت ہی کا اعلان فرما رکھا ہے، یشخ گفتگو صرف عربی مین فرما سکتے ہین، اور عربی ماشاء اللہ خوب فصیح و شستہ بولتے ہین، گفتگو مختصر فرماتے ہین، لیکن ایک ایک فقرہ درد و اثر مین ڈوبا ہوا، مولانا مناظر صاحب نہ صرف اپنی طرف سے گفتگو کر رہے تھے، بلکہ مجھ جیسے جاہل وبے زبان کے ترجمان بھی وہی بنے ہوئے تھے، موضوعِ گفتگو کیا تھا؟ وہی مسلمانانِ عالم کی پستی و بدبختی، وہی کلمہ گویانِ اسلام کی بے حسی اور بے بسی، ہندوستان کا ذکر آیا، ہندوستان کے مجاہدون کا ذکر آیا، خلافت کمیٹی کی جدوجہد کا ذکر آیا، محمد علی و شوکت علی کی سرفروشیون کا ذکر آیا، جانشین شیخ الہند کا ذکر آیا، آخر مین شیخ نے جس وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہین، تو ہم لوگ تو بہر حال انسان تھے، معلوم یہ ہوتا تھا کہ کمرہ کے اندر بیجان چیزون کے بھی جان پڑ گئی ہے، اور در و دیوار سقف و فرش کا ایک ایک ذرہ ان دعاؤن پر آمین کہ رہا ہے! ——— سلوک بطریق نبوت، ہندوستان کے لئے کوئی بالکل نئی اور نامعلوم چیز نہین، ابھی بہت زمانہ نہین ہوا، کہ اودھ ہی کے ایک خاندان سے ایک "سید" اٹھا اور سرحد پر سکھون کے مقابلہ مین اللہ کی راہ مین اپنا سب کچھ لٹا کے، اور اپنے آپ کو مٹا کے، دنیا کو دکھا دیا، کہ ہندی مسلمان بھی جہاد و غزا کے معنی سے ناآشنا نہین، خیر یہ تو پھر بھی اب سنی سنائی حکایت ہو گئی ہے، لیکن حضرت شیخ الہند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد اور ذوقِ شہادت تو موجودہ نسل کی آنکھون دیکھی بات

ہے، اسے کون بھول سکتا ہے؟ اسے کیونکر بھلایا جا سکتا ہے؟ اور پھر شیخ الہند کے بعد، آج بھی خدائے حی وقیوم کے فضل و کرم سے ایک زندہ سلامت ذات شیخ الہندؒ کی روایات کو زندہ اور قایم رکھے ہوئے، ہند اور اہل ہند کے درمیان موجود ہے، جو اسے دیکھ اور پہچان چکے، وہ اپنی آنکھوں کو مبارکباد دیں، اور جنھوں نے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا، انھیں دکھانے اور پہچنوانے کی اجازت کسے؟

باب ۳۶

حجِ ربّ البیت

لیجئے، حج ختم ہوگیا، ارکان و اعمالِ حج ختم ہوئے، طواف ہوچکا، عرفات میں حاضری ہولی، مزدلفہ میں رات کو رہ لئے، منیٰ میں کنکریاں پھینک چکے، قربانی کر چکے، سر منڈا چکے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرلی، احرام پہن چکے، لبیک پکار چکے، جو حاجی نہ تھے وہ اب حاجی ہوگئے — کیا واقعۃً حج ہوگیا؟ کیا حقیقۃً اعمالِ حج ادا ہوچکے؟ کیا اسمًا و صورۃً نہیں معنًی و حقیقۃً طواف و وقوف، سعی و رمی، تلبیہ و قربانی کے فرائض و واجبات سے سبکدوشی ہوچکی؟ کیا جس کو دوستوں اور عزیزوں نے "حاجی" کہکر پکارنا شروع کردیا، وہ اللہ کے رجسٹر میں بھی "حاجی" لکھ لیا گیا؟ فرشتوں کی زبان پر بھی "حاجی" کے لقب سے موسوم ہوگیا؟ جس نے بار بار کسی کو پکارا، اس کے کان میں ادھر سے بھی کوئی آواز آئی؟ جس کا جسم مکے اور مدینے کی گلیوں میں چلتا پھرتا رہا، اس کا دل بھی وہیں رہا؟ جو گونگا، اور بہرا، اور اندھا ہوکر آیا تھا، وہ واپسی کے وقت کچھ گویائی اور شنوائی اور بینائی کی قوتیں لے کر چلا؟ — جواب کون دے اور کس زبان سے دے!

شیخ عثمان بن علی ہجویری لاہوری، (داتا گنج بخش) کشف المحجوب میں روایت

فرماتے ہین، کہ ایک صاحب حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے
پوچھا، کہ کہان سے آرہے ہو؟ جواب ملا کہ حج سے واپس ہو رہا ہون، پوچھا، حج کرچکے؟
عرض کیا کہ کرچکا، فرمایا کہ جس وقت گھر سے روانہ ہوئے، اور عزیزون سے جدا ہوئے
تھے، اپنے تمام گناہون سے بھی مفارقت کی نیت کرلی تھی؟ کہا "نہین، یہ تو نہین کیا تھا"
فرمایا بس تم سفر حج پر روانہ ہی نہین ہوئے، پھر فرمایا کہ راہ مین جون جون تمھارا جسم
منزلین طے کر رہا تھا، تمھارا قلب بھی قرب حق کی منازل طے کرنے مین مصروف تھا؟
جواب دیا کہ "یہ تو نہین ہوا"، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سفر حج کی منزلین ہی طے نہین کین، پھر
پوچھا کہ جس وقت احرام کے لئے اپنے جسم کو کپڑون سے خالی کیا تھا اس وقت اپنے نفس
سے بھی صفات بشریہ کا لباس اتارا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہین کیا تھا"، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے
احرام ہی نہین باندھا، پھر پوچھا کہ جب عرفات مین وقوف کیا، تو کچھ معرفت بھی حاصل
ہوئی؟ کہا کہ "یہ تو نہین ہوا" فرمایا کہ پھر تم نے عرفات مین وقوف ہی نہین کیا، پھر پوچھا
کہ جب مزدلفہ پر اپنی مراد کو پہونچ چکے، تو اپنی ہر مراد نفسانی کے ترک کا بھی تہیہ کیا
تھا؟ کہا کہ یہ تو نہین کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر مزدلفہ تم حاضر ہی نہین ہوئے، پھر
پوچھا کہ خانہ کے طواف کے وقت صاحب خانہ کا بھی جمال نظر آیا تھا؟ کہا کہ "یہ تو نہین
ہوا"، ارشاد فرمایا کہ پھر تمھارا طواف ہی نہین ہوا، پھر پوچھا کہ جب صفا و مروہ کے درمیان
سعی کی تھی، تو مقام صفا، اور درجہ مروہ کا بھی کچھ ادراک ہوا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہین
ہوا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر سعی بھی تم نے نہ کی پھر پوچھا کہ جب منیٰ آئے تو اپنی ساری آرزوئین
کو تم نے فنا کیا؟ کہا کہ یہ تو نہین کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تمھارا منیٰ جانا لاحاصل رہا،
پھر پوچھا کہ قربانی کے وقت اپنے نفس کی گردن پر بھی چھری چلائی تھی؟ کہا کہ یہ تو نہین

کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے قربانی ہی نہین کی، پھر پوچھا کہ جب کنکریان ماری تھین تو اپنے جہل اور نفسانیت پر بھی ماری تھین؟ کہا کہ یہ تو نہین کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے رمی بھی نہ کی، اور اس ساری گفتگو کے بعد آخر مین فرمایا کہ تمھارا حج کرنا نہ کرنا برابر رہا، اب پھر جاؤ، اور صحیح طریقہ پر حج کرو،

سید الطائفہؒ کی یہ ساری تقریر محض خیال آرائی و تخیل طرازی نہین، حضرت ذوالنون مصریؒ اپنی آنکھون کی دیکھی بات بیان کرتے ہین، کہ منیٰ مین مین نے ایک جوان کو دیکھا کہ جس وقت ساری خلقت قربانیون مین مصروف تھی، وہ سب سے الگ چپکا بیٹھا ہوا ہے، مین برابر اس کی طرف دیکھتا رہا، کہ دیکھون اب یہ کیا کرتا ہے، آخر مین نے دیکھا کہ اس نے مناجات شروع کی، کہ اے پاک پروردگار! ساری خلق قربانی کرنے مین مشغول ہے، مین چاہتا ہون کہ تیرے حضور مین خود اپنے نفس کی قربانی پیش کرون، اسے قبول فرما، یہ کہا اور اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، اور دھڑ سے زمین پر گر پڑا، مین نے قریب جا کر دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی! اللہ اللہ! بڑون کی باتین بھی کیسی بڑی ہوتی ہین، انھین جو کچھ ملتا ہے، وہ سب کے نصیب مین کہان آسکتا ہے، وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہین، اسے دیکھنے کے لئے مہرا اندھا، کہان سے آنکھین لائے! حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہین کہ وہ عبادت ہی کیا، جو کی آج جائے، اور اس کا ثواب کل کے لئے ادھار ہے، اللہ کی طاعت کے معنی تو یہ ہین، کہ طاعت اور مزد طاعت ساتھ ہی ساتھ دم نقد وصول! چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہین، کہ جب پہلی بار حج کو گیا، تو بجز خانۂ کعبہ کے اور کچھ دکھائی نہ دیا، دوبارہ گیا تو خانۂ او

اور صاحب خانہ دونوں کا جلوہ دیکھا، اور جب تیسری بار گیا، تو صرف صاحب خانہ ہی کا جلوہ ہر طرف دکھائی دیا، اور مکان کے در و دیوار نظروں سے غائب! شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے یہ سب حکایات و اقوال نقل فرمائے ہیں، خود اپنی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر مقام ابراہیم ہے، اور مقام ابراہیم کی دو قسمیں ہیں، ایک مقام تن، ایک مقام دل، مقام تن کا نام مکہ ہے اور مقام دل کی تعبیر مرتبۂ خلت ہے جن کی ہمتیں محض مقام تن تک محدود ہیں، انہیں چاہئے کہ اپنا معمولی لباس اتار کر احرام کی کفنی پہنیں، حدود حرم میں شکار نہ کھیلیں، عرفات میں حاضر ہوں طواف کریں، و قس علی ہذا، لیکن جس کا حوصلہ یہ ہو کہ مقام ابراہیم کے مقام دل تک پہونچے تو اسے چاہئے کہ :-

چون کسے قصد مقام دل وے کند از مالوفات
اعراض باید کرد و بہ ترک لذات و راحات
و بگفتن از ذکر اغیار معرض شود و از آنچہ
التفات دے بہ کون محظور باشد آنگاہ
بہ عرفات معرفت قیام گیرد و از آن جا
قصد مزدلفہ الفت کرد و از آن جا سر
را بہ طواف حرم تنزیہ حق فرستد و سنگ
ہوا و خاطر ہائے فساد را بہ منائے ایمان
بیندازد، و نفس را اندر منحر گاہ مجاہدت
قربان کردہ بہ مقام خلت رسد پس چون

اپنے شوق و خواہش کی چیزوں کو چھوڑ دے لذتوں
اور راحتوں کو ترک کر دے، غیر اللہ کا تذکرہ
تک زبان پر نہ لائے، اس لئے کہ عالم کون
کی جانب التفات بھی اس وقت ممنوع ہے
اس کے عرفات معرفت میں وقوف کرے
وہاں سے مزدلفۂ الفت کا قصد کرے، وہاں
اپنے قلب کو تنزیہ حق کے طواف کے لئے
روانہ کرے، اور منائے ایمان میں خواہشات
نفس کے سنگریزوں کو پھینک دے قربانگاہ
مجاہدات میں اپنے نفس کی قربانی پیش کرے

مقام تن امن باشد از دشمن و شمشیر ایشان و دخول مقام دل امان بود از قطیعت و اخوات آن،

(کشف المحجوب کشف الحجاب لاہنامن)

اور اس طرح مقام خلت پر فائز ہو جائے، مقام تن میں داخل ہونے کے معنی دشمن و شمشیر دشمن سے امان پا جانے کے ہین، اور مقام دل مین داخل ہونے کے معنی اللہ کی جدائی اور اس کے نتائج سے محفوظ ہو جانے کے ہین،

دل والون نے جب جب حج کئے ہین، اس طرح کئے ہین، کہ محض تن والے دنگ رہگئے ہین، نہ زاد و توشے کی فکر کی ہے، نہ مرکب و راحلہ کا سامان کیا ہے، نہ رفیق و عزیز کو ہمراہ لیا ہے، نہ منزلون پر پہنچ کر قیام کیا ہے، نہ پانی کی صراحیان ساتھ لی ہین، تن تنہا اٹھ کھڑے ہوئے ہین، اور خالی ہاتھ چل دیئے ہین، بادیہ کی جلجلاتی ہوئی ریگ پر ننگے پیر، اور عرب کی تمتاتی ہوئی دھوپ مین ننگے سر، ایک دو دن کی نہین ہفتون اور مہینون کی مسافتین طے کی ہین، روز دن پر روزے رکھے ہین، اور فاقون پر فاقے کئے ہین، کوئی ایک دو مثالین ہون تو درج کی جائین، کس کس کے نام، اور کہان تک گنائے جائین، طاؤس الفقرا شیخ ابو نصر سراج اپنی کتاب اللمع مین اس طرح کی بہت ساری حکایات روایات درج کر کے لکھتے ہین، کہ ان اللہ والون کے آداب حج یہ ہین کہ یہ جب میقات پر پہونچ کر غسل کرتے ہین، تو اپنے جسم کو پانی سے دھونے کے ساتھ ہی اپنے قلب کو توبہ مین غسل دیتے ہین، جب احرام پہننے کے لئے اپنے جسم سے لباس اتارتے ہین تو قلب سے بھی لباس محبت دنیا اتار ڈالتے ہین، جب زبان سے لبیک لا شریک لک لبیک کہنا شروع کرتے ہین، تو حق کو پکارنے کے بعد شیطان و نفس کی پکار پر جواب

دینا اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہین، جب خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگتے ہین تو آیۂ کریمہ و
تری الملٰئکۃ حافین من حول العرش کو یاد کر کے، عرش الٰہی کے گرد طواف کرنے
والے فرشتون کا تصور جماتے ہین، جب حجر اسود کو بوسہ دیتے ہین، تو گویا اس وقت حق تعالیٰ
کے ہاتھ پر اپنی بیعت کی تجدید کرتے ہین، اور اس کے بعد اپنے ہاتھ کا کسی خواہش کیطرف
بڑھانا گناہ سمجھ لیتے ہین، جب صفا پر چڑھتے ہین تو اپنے قلب کی کدورت کو بھی صفائی
سے بدل لیتے ہین، جب سعی کرنے مین تیز دوڑتے ہین، تو گویا شیطان سے بھاگتے ہوتے
ہین، جب عرفات مین حاضر ہوتے ہین تو تصور کے سامنے میدان حشر کا نقشہ جماتے
ہین، جب مزدلفہ مین آتے ہین تو ان کے قلب ہیبت و عظمت حق تعالیٰ سے لبریز
ہوتے ہین، جب کنکریان پھینکتے ہین تو اپنے اعمال و افعال یاد کرتے جاتے ہین جب
سر منڈاتے ہین تو ساتھ ہی حب جاہ و خود پسندی پر بھی استرہ چلاتے جاتے ہین، اور
جب قربانیون کو ذبح کرتے ہین تو ساتھ ہی ساتھ اپنے نفسون پر بھی چھری چلاتے
رہتے ہین، ـــــ جنھون نے یہ آداب حج اپنی کتابون مین لکھے، اور جنھون نے عمل مین
برتے، وہ نور کے بنے ہوئے، اور آسمانون پر اڑنے والے فرشتے نہ تھے، ہماری آپکی
طرح مٹی کے پتلے اور اسی مادی زمین پر چلنے پھرنے والے انسان ہی تھے،

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء مین مناسک حج کی فقہی تفصیل کے بعد ایک مستقل
مفصل باب حج کے دقائق اعمال اور آداب باطنی پر لائے ہین، اور اس کے اندر جتنے
اعمال حج ہوتے ہین اول سے آخر تک ان سب کے اسرار و آداب باطنی بیان فرمائے
ہین، کہ فلان عمل کے وقت یہ نیت رکھنا چاہیئے، فلان عمل کے وقت اس مقصد کا تصور

رکھنا چاہئے، فلان عمل کے ذریعہ سے یون تزکیہ نفس کرنا چاہئے، فلان عمل کو یون اپنی اصلاح کا وسیلہ بنانا چاہئے، اور فلان فلان اعمال سے ان ان مجاہدات کا کام لینا چاہئے، اور پھر ہر ہر مجاہدے کے ساتھ تابعین سے لیکر اپنے زمانہ کے اولیار کبار کی حکایات بھی درج کی ہین، جس حج کے قبول کے لئے مقبولون کو یہ مشقتین جھیلنی پڑی ہون، اس کی مقبولیت کا ہم جیسے تباہ کار کبھی خواب مین بھی گمان نہین کرسکتے ہین؟ جس طاعت کے ادا کرنے مین اللہ والون کو یہ ریاضتین اُٹھانی پڑی ہون اس کے مقبول ہونے کا ہم نفس کے بندے کبھی بھی حوصلہ کرسکتے ہین؟ عارفون نے جس عبادت کا معیار یہ رکھا ہو، ہم تہی مایہ کس منہ سے کہہ سکتے ہین، کہ وہ ہم سے کسی درجے مین بھی بن پڑی! ——— پھر کیا سفر حج کی یہ ساری دوڑ دھوپ خدانخواستہ لاحاصل ہی رہی؟ اور وطن سے بے وطن ہونے، بیسیون اہل وطن سے دور رہنے، سیکڑون روپیہ صرف کرنے، موسم کی سختیان اٹھانے کا نتیجہ خدانخواستہ کچھ بھی نکلا؟

بڑون کی باتین بڑون پر چھوڑیئے، کچھوا دوڑ مین خرگوش کا دم کہان سے لائے، جو مفلس و بے نوا ہے، وہ تاجدارون اور زرین کلاہون کی ریس کا حوصلہ کیون کرے؟ اور مور ضعیف سلیمانؑ وقت کی ہمسری کا سودا ہی اپنے سر مین کیون پیدا کرے؟ جو اللہ کے شیر ہین ان کا معاملہ انھین پر چھوڑیئے، اگر کہین لوازم حج مین وہی سب کچھ داخل ہوتا جو ابھی بیان ہوا ہے، اگر کہین قبول حج کے لئے یہی سب شرطین ہوتین، تو فرمایئے کہ ہم جیسے ضعیفون اور زار دون ہمتون کا کیا حشر ہوتا؟ جنیدؒ و بایزیدؒ، ہجویریؒ و غزالیؒ، تو کہین

صدیون کی مدت مین اور لاکھون کی آبادی مین، دو ہی چار پیدا ہوتے ہین، یہ کروڑہا کروڑ اور ربہا ارب مخلوق جو اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت مین روے زمین کے ہر ہر گوشے مین پیدا ہوتی رہی، اور آیندہ خدا معلوم کب تک پیدا ہوتی رہے، کیا ان سب کی محنت، حج اور سفرِ حج کے لئے سرے سے بے کار و لاحاصل ہی رہتی ہے؟

——— قربان جائیے اس کی رحمت کے جو سب رحم کرنے والون سے بڑھکر رحیم اور سب کرم کرنے والون سے بڑھکر کریم ہی، کہ اس نے ایسے رحمۃ للعالمین کو ہادی و دلیل، حاکم و حکیم، مرشد و معلّم بنا کر بھیجا جس نے اپنے ہر نمونہ عمل مین اقویا سے کہین زیادہ ضعفا کا، حوصلہ مندون سے کہین زیادہ پست ہمتون کا، بڑون سے کہین زیادہ چھوٹون کا اور طاقت والون سے کہین زیادہ کمزورون کا خیال رکھا، اس سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ مقبول حج کرنے والے کے حج و اعمالِ حج و سفرِ حج کی ایک ایک تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابون مین قلمبند ہے، اور وہ جو آخرت مین ہر بےکس کا سہارا، اور ہر بےآس کا آسرا ثابت ہوگا، اس دنیا مین بھی ہر طاعت اور ہر عبادت کی طرح حج کے معاملے مین اپنے ذاتی عمل سے، سختیون اور مشقتون کے بجاے سہولتون اور آسانیون کی راہ کھول گیا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی کے اتباع مین ہر مایوس کو آس کی جھلک اور ہر ناامید کو امید کی شعاع نظر آرہی ہی،

باب ۳۷

رخصتی

مدرسہ صولتیہ کا نام اور مجمل تذکرہ اوپر کئی بار آچکا ہے، تمام ہندوستان میں پہلے سے مشہور ہے مجمل تذکرہ نے دلوں میں اشتیاق بڑھا دیا ہوگا، تفصیل کی نہ ان صفحات میں گنجایش نہ یہ اس کا محل، لیکن اتنا کہہ دینے اور آپ کے سن لینے میں کوئی ہرج نہیں، کہ سرزمین عرب پر ہندوستانیوں کے قایم کئے ہوئے مدارس میں شاید سب سے زیادہ پرانی اور مشہور درسگاہ یہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے باشندہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے قبل ہندوستان کے ایک نامور مناظر عالم تھے، مشہور دشمن اسلام پادری فنڈر کو انہی نے میدان مناظرہ میں شکست دی تھی، سرکار برطانیہ کی نگاہ میں معتوب و مشکوک قرار پائے، ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے آئے، اور یہیں کلکتہ کی فیاض و عالی ہمت خاتون صولت النساء بیگم کی مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں اس دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور اس وقت سے اب تک خدا کے فضل سے یہ مدرسہ بخوبی چل رہا ہے، زمانہ کے انقلابات بھی قابل دید ہوتے ہیں، سلطان عبدالعزیز خان اور سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ میں مولانا کی بڑی قدر و تکریم ہوتی رہی، موجودہ حکومت حجاز، کارکنان مدرسہ کے ساتھ شاید اُن "غلطیوں"

کا کفارہ کر رہی ہی لیکن مدرسہ اب بھی ماشاء اللہ اچھی حالت مین ہی، غالباً بارہ سو
سالانہ کی اعانت سرکار نظام اور سرکار بھوپال دونون سے ہوتی رہتی ہی، ۱۸ سو
سالانہ نواب چھتاری کے ہان سے مقرر ہین، اور متفرق چندے ہین، مدرسہ کی عمارتین
خاصی وسیع و عالیشان ہین، لاکھ سوا لاکھ سے کیا کم لاگت مین تعمیر ہوئی ہونگی، سنا ہی
کہ ۶۵ ہزار کی رقم سرکار آصفیہ سے یکمشت ادا ہوئی تھی، طلبہ مین حجازی، بخاری،
ہندی، جاوی، افریقی، سب ہی قومین شامل ہین، گو افسوس ہی کہ حجازیون کی تعداد
بہت کم ہے، تعلیم شروع مین طلبہ کی مادری زبان مین ہوتی ہی، استاد بھی مختلف قومون
کے ہین، دار المطالعہ مین اس وقت ہمدرد جاتا تھا، پیسہ جارہا ہی، اور بھی ہندوستان
کے مختلف پرچے، بحیثیت مجموعی ہندوستانیون کا ایک اچھا خاصا مرکز ہی، ناظم مدرسہ
مولانا محمد سعید کیرانوی اس وقت رخصت پر اپنے وطن مین ہین، قایم مقام ناظم مولوی
محمد سلیم کے حسنِ اخلاق کا تذکرہ بار بار آچکا ہی، مدرسہ باوجود اپنے موجودہ ذرایع آمدنی
کے اہل خیر کی امداد کی ضرورت سے بے نیاز نہین،

خیر البلاد مین، ہندیون ہی کا ایک دوسرا قابل ذکر مدرسہ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ
ہے، یہ مدرسہ، تاجدار دولت آصفیہ میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ کے اسم گرامی کیساتھ
منسوب ہے، اور حرم سے بالکل متصل، بلکہ کہنا چاہیئے کہ حرم شریف کے اندر ہی
باب ابراہیم کے بالاخانہ کی چھت پر اس کے کمرہ واقع ہین، ان کمرون مین اگر
نماز پڑھی جائے، تو گویا حرم شریف ہی کی نماز سمجھی جاتی ہی، طلبہ مین، ہندی،
حجازی، جاوی سب قومون کے بچے شامل ہین، دوسو روپیہ ماہوار سرکار نظام سے

اور سوا سو روپیہ ماہوار غالباً دربار بھوپال سے امداد ملتی رہتی ہے، کچھ متفرق چندون
سے مل رہتا ہے، موسم حج مین مکانِ مدرسہ کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہے، اور چونکہ حاجیون
کے لئے بہترین موقع پر واقع ہے، اس لئے کرایہ خاصہ معقول وصول ہو جاتا ہے، ۱۳۸۲ھ
۱۳۸۳ھ مین دو ہزار سے اوپر کی رقمین حاصل ہوئین، مجموعی آمدنی اوسطاً ۸۰ ہزار
سالانہ کی رہتی ہے، مصارف بھی ۷۰ ہزار سے کم نہین ہوتے، ۱۳۸۳ھ مین آمدنی بہت
ہی کم ہوئی تھی، مالی حالت قابلِ اطمینان نہین، اہل خیر کی توجہ والتفات کی ضرورت
ہے، مدرسہ کے مہتمم قاری محمد اسحٰق صاحب مدرسہ کی رپورٹ ہمدرد پریس (دہلی) مین
چھپوا لیتے تھے، ان کے نام سے واقفیت اس ذریعہ سے ہوئی، پھر ایکبار غالباً ۱۳۸۴ھ
مین حیدرآباد مین سرسری ملاقات بھی ہوئی تھی، بڑے مستعد، کارگذار، صاحب
ہمت اور خدمت گذار شخص ہین، مدرسہ کی ترقی کے لئے بڑے بڑے منصوبے رکھتے
ہین، لیکن بیچارے بے زری اور تہیدستی سے معذور ہین، مدرسہ کی عمارت اپنی
ذاتی نہین کرایہ کے مکان مین ہے، اور مصارف کی سب سے بڑی مد یہی کرایہ عمارت
ہے، ایک ایک سال مین بارہ بارہ تیرہ تیرہ سو روپیہ کرایہ مین دینا پڑتا ہے،
ہندوستان کے جو اہل کرم مدد کرنا چاہین، وہ حاجی عبدالغفار صاحب
کوٹھی علی جان صاحب مرحوم، چاندنی چوک، دہلی، یا حاجی عبداللہ بھائی،
عبدالرحیم صاحب، ناگدیوی اسٹریٹ بمبئی، کے ذریعہ سے روپیہ مدرسہ کے نام
بھیج سکتے ہین،

مکہ مین ان دونون کے علاوہ اور بھی مدرسے ہین، لیکن ان تک پہونچنے

کا نہ وقت ملا، نہ اُن کے باب میں کوئی مفصل واقفیت حاصل ہوئی، مکہ محض عبادتگاہ نہیں،
اچھا خاصا وسیع متمدن شہر ہے، مدرسے، اسپتال، موٹریں، سائکلیں بجلی کی روشنی اور پنکھے،
برف، پریس، ہوٹل سارے لوازم تمدن موجود، عبادات سے اگر قطع نظر کرکے محض تمدنی
حیثیت سے نگاہ دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہی نہ ہوگا، کہ حجاز کا کوئی شہر ہے، بس یہ معلوم ہوگا
کہ لکھنؤ یا کانپور یا آگرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، بہت وسیع بازار، جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ ولایتی
کپڑا ہر قسم کا موجود، بہتر سے بہتر کھانے کی دوکانیں اور ہوٹل تلاش کیجائے، تو ہر مذاق
کا کھانا مل سکتا ہے، مٹھائیاں، پھل میوے، بہ افراط، تارگھر ہے، ٹیلیفون ہے، اور غالباً
لاسلکی کا بھی اسٹیشن موجود، علاج، ترکوں کے زمانہ سے عموماً ڈاکٹری ہونے لگا ہے، تاہم
یونانی طبیبوں کی بھی کمی نہیں، اور دہلی کے دواخانوں سے آئی ہوئی یونانی دوائیں بھی
اچھی اور قابل اطمینان ملجاتی ہیں، دہلی، اودھ، پنجاب، دکن، بمبئی، گجرات، ہندوستان کے
ہر صوبہ اور ہر گوشہ کے باشندے اچھی خاصی تعداد میں آباد، اور ہندوستان کی یاد کو
تازہ رکھے ہوئے ہیں، حکومت وقت کی عنایت قدرۃً گروہ اہل حدیث پر زائد ہے، اور
جسکا اس گروہ سے کچھ بھی تعلق ہو وہ فی الجملہ صاحب رسوخ و اثر، مصری اخبارات
ورسائل کے علاوہ ہندوستان سے اردو کے پرچے بھی اچھی تعداد میں جابجا آتے
رہتے ہیں، ایک ہفتہ وار اخبار ام القریٰ کے نام سے نکلتا ہے، ہر جمعہ کو شایع ہوتا
ہے، دفتر حرم شریف سے قریب ہے، ولیعہد کے محل کی پشت پر واقع ہے، تیج سے تبادلہ
ہے، وقت ہوتا تو اندر جاکر مدیر سے ملاقات کیجاتی، اور دفتر کے حالات کا مشاہدہ
ہوتا، باہر سے تو دفتر کی عمارت خاصی شاندار معلوم ہوتی ہے، پرچہ کی حیثیت نیم
سرکاری بلکہ کہنا چاہئے کہ سرکاری ہی ہے، بڑی تقطیع کے چار صفحے ہوتے ہیں، ہر صفحہ

مین پانچ کالم، حجاز مین سالانہ چندہ ۳ ریال ہے، اور باہر کے لئے ۶ ریال (ایک ریال
سعودی، انگریزی سکہ مین ۸ ار آنے کا ہوتا ہے، یا کچھ زائد) جو لوگ حج و حجاز کے متعلق
سرکاری اطلاعات سے باخبر رہنا چاہتے ہین، اُن کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہی،

حاجیون کو عموماً، حج سے فراغت کے ساتھ ہی، مکہ سے روانگی کی جلدی پڑجاتی
ہے، کچھ مدینہ جانا چاہتے ہین، اور کچھ وطن واپس ہونا، ٹھہرنے والے بہت ہی کم ہوتے
ہین، بعض بزرگون کے ارشادات بھی اسی قسم کے ہین، کہ حج کے بعد ہی روانہ ہو جانا
چاہئے، زیادہ قیام نہ کرنا چاہئے، حضورؐ نے صحابہؓ سے بھی بعد حج صرف تین دن کیلئے
قیام کے لئے فرمایا تھا، ہم لوگون کو واپسی کی عجلت تھی، اور پروگرام یہ تھا، کہ جدہ سے
پہلے جہاز پر روانہ ہو جائین گے، منشی احسان اللہ خان صاحب نے کہہ رکھا تھا، کہ پہلے جہاز
پر جگہ ملنے کی ذمہ داری صرف اسی صورت مین کیجا سکتی ہے کہ جلد سے جلد یعنی ۱۳ ر کو
جدہ آجاؤ، منیٰ سے ہم لوگ ۱۲ ر کی شام کو مکہ واپس آگئے تھے، اور خیال یہ کئے ہوئے
تھے کہ ۱۳ ر ہی کو کسی وقت جدہ پہونچ جائین گے، موٹر کا دو ڈھائی گھنٹہ کا راستہ ہے،
بات ہی کیا ہے، جس وقت چاہین گے چل کھڑے ہون گے ——— تجربہ سے
معلوم ہوا، کہ یہ محض حسن ظن تھا، واپسی اتنی آسان ہرگز نہین جتنی ہم لوگ سمجھے ہوئے
تھے، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ واپسی کے لئے سواریان اسی وقت مل سکتی ہین،
جب پہلے منشور سلطانی جاری ہولے، بغیر فرمان شاہی جاری ہوئے، کسی سواری
کا ملنا خلاف قانون ہے، اور فرمان کے لئے یہ لازمی نہین، کہ اسکا اجرا ۱۳ ر ہی کو
ہو جائے، بخیر خدا خدا کرکے ۱۴ ر کو فرمان جاری ہوا، اور اس کے بعد اب معلم صاحب کے

بعض عزیزون سے ایکبار پھر سابقہ شروع ہوا،

مدینہ سے روانگی کے وقت، سواری کے دستیاب ہونے مین، جو جو زحمتین پیش آئی تھین، اُن کا تذکرہ اپنے مقام پر آچکا ہی، خیال یہ تھا، کہ مکہ پایہ تخت سلطانی ہی یہان کے انتظامات بہت بہتر ہون گے، اور ہر طرح نظم و باقاعدگی ہوگی، تجربہ سے معلوم ہوا، کہ اس زمین کا بھی آسمان وہی ہی، الحرمین کمپنی جس کی لاریون پر جدہ سے مدینہ گئے تھے، اور مدینہ سے مکہ پہونچے تھے اس کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا، اب نئی سواری کا انتظام کرنا تھا، اور یہ یاد رہے کہ سواری کا انتظام معلم ہی کی معرفت ہوسکتا ہی، براہ راست کوئی حاجی اپنی سواری کا انتظام نہین کر سکتا، کرنا چاہے تو کوئی سواری والا اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کریگا، بلا وساطت معلم، سواری کا انتظام، قانون حکومت کا جرم ہے، ایک تاجر عبدالحمید کپتی ہندی ہین، ان کے نام بمبئی سے چلتے وقت سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی نے تعارف نامہ لکھدیا تھا، ان کی موٹرین چلتی ہین، ان سے درخواست کی اور بار بار کی، پہلے تو بہت اخلاق سے ملے، لیکن یہ خاص غرض جب پیش کی گئی، تو پہلے کچھ گول سے جوابات دیئے، اور کئی مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر انکار فرما دیا، ایک تعارف نامہ دہلی کے مشہور حاجی علیجان والون کی کوٹھی کے شیخ عبدالوہاب صاحب کے نام بھی تھا، ۱۴ کی صبح کو ان سے ملاقات کی، امداد کا وعدہ فرمایا، اپنے بعض بزرگ عزیزون کے نام چٹھیان لکھدین، ان مین سے ایک بزرگ نے جنکا نام غالبًا عبیداللہ صاحب تھا، سواری دینے کا پورا وعدہ بھی کر لیا تھا، ان کے دردولت پر خدا معلوم کتنی بار حاضری دینی پڑی، اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ وعدہ اور ایفاء وعدہ

کے درمیان عدم تطابق صرف ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہین، بلکہ بیت اللہ
کے جوار مین بھی بیٹھکر بہ آسانی ممکن ہو، بہرحال سارے دن کی بے نتیجہ تگ و دو کے بعد
ہمارا کا بھی دن ختم ہو گیا، اور سواری کے بہم پہونچنے کی کوئی صورت نہ نکلی، دار و غہ
حبیب اللہ بیچارے نے اخلاصمندی کے ساتھ بہت کچھ مدد کرنی چاہی لیکن معلّم صاحب
کے داؤ پیچ کے سامنے وہ بے بس تھے،

زائد سامان اونٹون پر لد کر ہمارے شب مین جدہ روانہ ہو چکا تھا، اب ہم لوگ تھے
اور سعیٔ واپسیٔ وطن، صبح و شام کے اوقات اور دوپہر اور سہ پہر کے گھنٹے اسی کام
کے لئے وقف تھے، کہ اُدھر سے اِدھر اِدھر سے اُدھر سواری کی تلاش مین دوڑا جائے
اور ہر در سے محروم و مایوس واپس آیا جائے کیسی نمازین اور کہان کے طواف ایک
سودا تھا کہ سر پر اور ایک چکر تھا کہ پیر ون پر سوار تھا ۱۵ کو جمعہ کا دن تھا، صبح کے
اوقات تو انھین سرگردانیون کی نذر ہوئے، دوپہر کو جب نماز جمعہ کے لئے حرم شریف
کے اندر پہونچے ہین، تو جگہ مطلق نہین، آج حرم شریف ماشاءاللہ نمازیون سے کھچا کھچ
بھرا ہوا ہے، رکوع و سجود کا ذکر نہین، کھڑے ہونے تک کی گنجائش نہین، مجبوراً
حرم شریف کے اندر کی جماعت کا خیال ترک کر کے باب ابراہیم کے بالاخانہ پر مدرسہ
فخریہ عثمانیہ کے جو کمرے ہین، اُن مین جا چڑھ گئے، اور قاری اسحٰق صاحب مہتمم مدرسہ کے
لطف و کرم سے، کسی نہ کسی طرح یہان جگہ مل گئی، فاصلہ اس قدر تھا اور باہر سڑک
پر شور و ہنگامہ اتنا، کہ تکبیر کی آواز تک نہین سنائی دیتی تھی، الٹے سیدھے جس طرح
بن پڑا، کسی طرح نماز ادا ہو گئی، سہ پہر کو مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، اس تقریب سے

یہان بعد عصر پھر آنا ہوا، اور اس وقت ہر طرف سے عاجز و مجبور ہو کر یہین سے اس مضمون کا تار قاری اسحق صاحب کی وساطت سے منشی احسان اللہ صاحب انگریزی وائس کانسل جدہ کے نام دینا پڑا:۔

"سواری سے برابر سواری کی تلاش ہے معلم کے کبھی نہ پورے ہونے والے وعدے اب تک یہان روکے ہوئے ہین"

خدا کی شان، کہ جو قسمی انقلاب "اللہ" سے نڈر تھا، وہ "احسان اللہ" سے ڈر کر فوراً سواری کا انتظام کرلایا، اور آدھ گھنٹہ کے اندر معلم نے خود آکر یہ خبر دی کہ لاری کا انتظام ہو گیا اور اب ہم لوگ جب چاہین، روانہ ہو سکتے ہین!

رخصتی کا طواف، طواف الوداع کہلاتا ہے، مالک الملوک کے دربار کا یہ آخری سلام ہوتا ہے، طواف الصدر و طواف الافاضہ بھی اسی کے نام ہین، یہ طواف وطن واپس جانے والون پر، حنفی مذہب مین واجب ہے، البتہ عورتین اپنے خاص زمانہ مین، اس وجوب سے مستثنیٰ ہین، یہ طواف اسی طرح ہو گا، جسطرح اور سب طواف ہوتے ہین، فرق صرف اتنا ہے کہ اسمین رمل نہین، باقی سات چکر کاٹنا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا، زمزم پینا، حجر اسود کو بوسہ دینا، اور موقع ملے تو ملتزم سے لپٹنا، یہ سب چیزین اسیطرح بدستور، رخصت کے وقت کی بعض دعائین جو حرم شریف کے دروازہ سے باہر نکلتے وقت پڑھی جاتی ہین، کتابون مین لکھی ہوئی ہین، معلم اس وقت پڑھا دیتے ہین، بہتر یہ ہے کہ کعبہ سے جب روانہ ہونے لگے، تو الٹے پاؤن در حرم تک آئے، حج کی مقبولیت کی، اور دوبارہ حاضری کی بار بار دعا کرے، اور کعبہ سے جدائی پر آنکھین روئین یا نہ روئین لیکن کم از کم دل ضرور روتا ہو،

اور حرم شریف سے باہر اگر مساکین کو کچھ صدقہ بھی دیدے، عصر اور مغرب کے درمیان ہم لوگون کا سامان بندھ کر تیار ہوگیا، مغرب کی نماز حرم مین پڑھی، اور بعد نماز طواف وداع کے مراتب سے فارغ ہوئے، مغرب پڑھے ہوئے کوئی پون گھنٹہ گزرا ہوگا، کہ ہم لوگون کے قدم، حدود حرم شریف سے باہر آگئے، یہ وقت بھی عجیب ہوتا ہی، کوئی ہشاش بشاش کوئی غمگین و افسردہ، کسی کا دل امیدون اور امنگون سے لبریز، اور کسی کا قلب غم و حسرت کے بار سے دبا ہوا، کوئی یہ سمجھ رہا ہی، کہ اب دوبارہ ان آنکھون کو یہ دربار اور یہ دیار دیکھنا کاہیکو نصیب ہوگا، کسی کو یہ یقین کہ پھر آئین گے اور بار بار آئین گے، اور سو بار اگر وداع و رخصت کی تلخیان جھیلین گے، تو ہزار بار آمد و وصال کی لذتین اور حلاوتین بھی حاصل کرین گے کوئی مغموم کہ کعبہ چھوٹ رہا ہے، کوئی مسرور کہ کعبہ ساتھ چل رہا ہے، اپنی اپنی نسبت اور اپنا اپنا ظرف کس کو خبر کہ دلون کے مالک کی نظر مین کس کی نذر مقبول، اور کس کا تحفہ قابل قبول!

باب ۳۸

"جملۂ معترضہ"

معلّم عبد القادر سکندر کے مظالم کا تذکرہ بار بار آچکا ہے، عجب نہیں کہ بعض ناظرین اس تذکرہ سے اکتا گئے ہون، لیکن حقیقۃً جو کچھ کہا جا چکا ہے، اس سے کہین زیادہ وہ ہے، جو نہین کہا گیا ہے! آپ بیتی کے یہ چند موٹے موٹے واقعات تھے، جنکا ذکر ناگزیر تھا! باقی اگر وہ کل جزئیات لکھے جائین، جو ہم لوگون کو پیش آکر رہے، یا ہم نے دوسرون کو پیش آتے دیکھے، اور کسی ایک پر نہین، بلکہ امیر احمد صاحب علوی کاکوروی، ڈسٹرکٹ جج تیچ سے لیکر غریب سے غریب، ہر طبقہ کے حاجیون پر گذرتے دیکھے، اگر ان سب کو لکھا جائے، تو یہ سفرنامہ، سفرنامہ کے بجائے اچھا خاصہ "سکندر نامہ" بن کر رہ جائے، اور سکندر نامہ بھی پرانے طرز کا "بری" یا "بحری" نہین، بلکہ نئے طرز کا "ریگستانی"! ——— خوش عقیدہ ناظرین اپنے دلون مین کہہ رہے ہون گے، کہ یہ عجب طرح کا مسافر حجاز ہے، گیا تھا حج کرنے، اور لگا معلّم کے مظالم کا دکھڑا رونے، اگر واقعۃً معلّم کی ذات ایسی ہی ظالم و طامع، خود غرض و بے درد ہوتی ہے، تو آخر دوسرے حجاج یہ شکوے کیون نہین کیا کرتے، اتنا شور و شغب یہی تنہا کیون کر رہا ہے؟ لیکن خوش عقیدہ حضرات کا یہ حسن ظن صحیح نہین، یہ تباہ کار پہلا مسافر حجاز نہین، جس نے معلّمون کے خلاف فریاد برپا کی ہے،

مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ کا نام بالکل غیر معروف نام نہین، حضرت حاجی امداد اللہ کے مرید وخلیفہ تھے، اور تمامتر عشق ومحبت کے رنگ مین رنگے ہوئے اجمیر مین عین حالت سماع مین انتقال فرمایا، اور اس زمانہ مین سارے ہندوستان مین اس واقعہ کی دھوم مچ گئی تھی، آج سے ۳۰، ۳۲ سال قبل ۱۳۱۶ھ مین چوتھی بار حج کے لئے تشریف لے گئے" اور واپسی پر والہانہ ومستانہ زبان مین مختصر سفرنامہ حالۃ المسکین الی البلد الامین کے نام سے شایع فرمایا، داستان سفر کیا ہے، گویا داستان عشق ہے، عرب اور اہل عرب کے ساتھ محبت وشیفتگی مین یہ غلو، کہ ان کے خلاف ایک حرف شکایت سننا بھی گوارا نہین، (ص ۵۰ وغیرہ) باانیہمہ آپ بیتی بیان کرتے وقت یہ لکھنے پر مجبور ہین، کہ مکہ سے ۸ ذی الحجہ کو منیٰ روانہ ہوتے وقت

"اس سال اونٹون کے ملنے مین بہت دیر لگی، اس وجہ سے عصر کے وقت مکہ سے روانگی ہوئی، مغرب حدود منیٰ مین پڑھی، اور عشا کے وقت منیٰ مین قیام ہوا، فجر کی نماز پڑھکر وہان سے چلنا چاہئے تھا، مگر بدو اور مطوف کے ملازمین نے نہ مانا، منیٰ مین قیام بھی بمشکل میرے اصرار سے کیا تھا، اخیر شب مین عرفات کو چل دیئے، اور قبل طلوع آفتاب وہان پہونچ گئے، بدو اور مطوف چونکہ ہمیشہ حج کو آیا جایا کرتے ہین، اور مقصود ان کا حج ہوتا بھی نہین، فقط حاجیون سے تحصیل زر مد نظر ہوتی ہے، اس وجہ سے ان کی نظر مین سنن یا مستحبات چندان باوقعت نہین ہوتے.......

یہ ستم ہمیشہ مطوفین اور ان کے ملازمین اس کا کچھ لحاظ نہین کرتے، اور اپنی تھوڑی سی راحت کے لئے ان کو (یعنی حاجیون کو) رنج بھی پہونچاتے ہین، اور ثواب سے محروم رکھتے ہین" (ص ۶۲، ۶۳)

چنانچہ مولانا مجبوراً آئندہ عازم حج کو مشورہ دیتے ہیں، کہ وہ بجائے مطوفون کے،

"مکہ سے کسی ذی علم سمجھدار کے ساتھ ہو لے .... اور ادائے ارکان

حج مین مطوفون کا پابند نہ رہے" (ص۶۲)

فقہ حنفی مین ۱۲ کو منیٰ سے مکہ کی واپسی بعد زوال ہی درست ہے نہ کہ قبل زوال

لیکن ظالم مطوفون کے ہاتھون مولانا پر کیا گذری، اسے مولانا ہی کی زبان سے سنئے:۔

"... بارہوین کو صبح سے مطوف کے ملازمین نے مکہ چلنے کے لئے تقاضا شروع کیا، او

بدوؤن کو ایسا سبق پڑھایا، کہ ہرگز زوال کے وقت تک ٹھہرنے کو راضی نہ ہوئے، مطوف

کے ملازم کچھ پڑھے ہوئے بھی تھے، ایک کتاب مین سے ایک روایت امام ابوحنیفہؒ

کی دکھائی جس سے اس دن قبل زوال بھی رمی کرنے کا جواز نکلتا تھا، مین نے

کہا یہ روایت ظاہر روایت کے خلاف ہے، اور غیر مفتیٰ بہا ہے، مگر انھون نے ایک

نہ مانا، مجبوری اُن کا ساتھ چھوڑنا پڑا، وہ میرا سارا سامان لیکر چل دیئے، مین مع

اپنے چند رفیقون کے رہ گیا، اور زوال کے بعد رمی کرکے روانہ ہوا، راہ مین مشکل

سواری کے لئے گدھا ملا" (ص۶۵)

مولانا کے مذہب مین عرب و اہل عرب کے متعلق شکایت کا ایک حرف بھی

زبان پر لانا گناہ، کیسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی، جب جاکر دبے لفظون مین اتنا

بھی قلم سے نکلا،

۱۹۲۳ء مین گورکھپور کے مشہور رئیس مولوی سبحان اللہ خان صاحب نے

سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا سفرنامہ میرا سفر حج کے عنوان سے شائع کیا، اس سفرنامہ

کے بھی بعض فقرے سننے کے قابل ہین، مولوی صاحب موصوف جانتے ہین، کہ اس قسم کی کوئی بات زبان سے نکالنا، خوش عقیدگی کے مذہب مین کتنا بڑا جرم ہے، اس لئے بیان کرنے سے قبل تمہید بیان یون اٹھاتے ہین:۔

"اس کے بعد مین مطوّفون کے پورے حالات لکھونگا، مین خوب جانتا ہون کہ اول تو لوگ اس کو باور ہی نہ کرین گے، اور اگر واپس آتے ہوئے حاجی میری اس تحریر کو دیکھین گے، تو یقیناً مجھ پر بیدینی یا اہلِ حرم کی عظمت کا دل مین خیال نہ ہونے کا الزام لگائین گے،...... مگر دو خیالون نے اس گستاخی کا ارتکاب کرایا ہے، اول یہ کہ یہ تحریر نامکمل نہ رہے، دوسرے جانے والے اشخاص آگاہ ہو جائین" (ص۵۴-۵۵)

اس کے آگے مطوّفون کے مناقب سنئے:۔

"اب سنئے، مطوّف آپ کے ساتھ ہرگز ہمدردی سے نہ پیش آئین گے، وہ ظاہری طور پر آپ کو چکنی چپڑی باتون سے خوب خوش کرین گے، مین خادم ہون، کفش بردار ہون، آپ کی مرضی مین میری بھی مرضی ہے، جو حکم دیجئے بجا لاؤن...... لیکن کسی شہر والے سے حتی الوسع آپکو ملنے نہ دیگا، اگر.... جبراً قہراً ملائیگا، تو خود یا اپنے ملازم کو جسے وہان کی اصطلاح مین صبی کہتے ہین، ساتھ کریگا، جب آپ کے ساتھ ان مین سے کوئی ہوگا، تو اگر کوئی صلاح آپ چاہین کہ وہان کے کسی شخص سے لے سکین ناممکن ہوگی،...... یہ برتاؤ عام لوگون کے ساتھ ہے، خاص لوگون کے ساتھ علانیہ تو ایسا نہین کرتے، مگر درپردہ یہی تمام باتین ان کے ساتھ بھی کیجاتی ہین،...... سوجیسے سلف مین تبرکات کی خریداری مین مطوّف کا حق لازمی ہے، جسکا پتہ آپکو نہ چلیگا جیسے بنارس یا لکھنؤ کے دلال ساتھ ہو لیتے ہین، اور اشارہ کے ساتھ خریداری مین حق قائم

ہو جاتا ہی" (صفحہ ۵۵)

آگے مکان کے کرایہ خیمہ کے کرایہ وغیرہ مین معلم صاحبان کے "حقوق" کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر مین کہتے ہین :-

" یہ تو چند ظاہری باتین ہین جن کو مین نے ظاہر کیا ، ورنہ اس کا تو منشا ہی یہ ہوتا ہے کہ دھوکے سے فریب سے منت سے سماجت سے جس طرح ہو آپ سے حاصل ہی کرتا جائے" (ص۵۶)

یہ الفاظ ایسے شخص کی زبان سے نکلے ہین جسکی فیاضیان حد اسراف تک پہونچی ہوئی ہین، اور جس کی داد و دہش کی صوبہ بھر مین شہرت ہے اور جس کو خود اپنے معلم سے متعلق کوئی شکایت نہین پیدا ہوئی تھی ،

خان بہادر عبد الرحیم صاحب نقشبندی، علاقہ پنجاب کے رہنے والے ، اور اس محکمہ سرشتے کے کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے ، ۱۹۱۱ء مین انھون نے سفر حج کیا ، اور سفر حرمین الشریفین کے عنوان سے اپنا مفصل و مبسوط سفرنامہ تین حصون مین شایع کیا ، اس مین معلم صاحبان کے حالات و اسرار خاصی تفصیل سے بیان کئے ہین ، سب کی نقل کی گنجایش نہین جستہ جستہ فقرے کافی ہون گے ، فرماتے ہین :-

"گو یہ امر بدمزہ ہے ، اور طبیعت پر اس کے اظہار سے ناگواری اور گرانی ہے کیونکہ یہ اغیار کی برائیان نہین ہین ، بلکہ خود اپنے عیب دوسری اقوام کے روبرو بیان کئے جاتے ہین ، مگر ان واقعات کا چھپانا جو حجاج کی ایذا کے باعث اور عرب کی بدنامی کے موجب ہین ، اس سے بھی زائد ناگوار ہے ، پس کہنا ہی پڑا کہ علی العموم ان بزرگوارون (یعنی معلمون) سے ہندوستانی حجاج کو سخت ایذا و تکلیف پہونچتی ہے"

"..... جس وقت حجاج جدہ شریف آتے ہیں، تو یہ لوگ خود یا اپنے مطوفون کو جدہ روانہ کرکے حجاج کو اپنے دام مین کر لیتے ہین...... حاجیون کو یہ لوگ کھیتی سمجھتے ہین اور سالانہ پیداوار جہان تک ممکن ہو نکالتے ہین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتے........ جہان تک ان سے ممکن ہوتا ہے، حجاج کو لوٹتے ہین، اور کسی طرح اپنے سال بھر کے گذارے کا مبلغ جمع کر لیتے ہین...... انتہا یہ ہے کہ مطوفین...... امیر حاجی کو لنگوٹی بندھوا کر چھوڑنا زیادہ ثواب سمجھتے ہین، یہ بات عام ہے، شاذ کا ذکر نہین، خوف مین ڈالنا، غلط خبرین سنا کر روحی ایذا پہونچانا تو معمولی باتین ہین،...... ناواقف ہندوستانیون کے لئے یہی کافی ہے کہ فلان مطوف کی ہے، مکہ کے رہنے والے ہندوستانیون کی نظر مین معصوم اور واجب التعظیم ہین خواہ ان کے افعال کچھ ہی کیون نہ ہون........ یہ جو کچھ مین نے لکھا ہے، میرا اور مختلف حجاج کا تجربہ ہے" (ص۲۳۹ تا ص۲۴۱ حصہ اول)

امرتسر کے ایک صاحب محمد شریف ہین، انھون نے ۱۹۲۷ء مین سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا مختصر سا سفرنامہ ۳ جزو کا شایع کیا معلوم ہوتا ہے، کہ بزرگون کی آنکھین دیکھے ہوئے ہین، اس چھوٹے سے رسالہ کے اوراق مین بار بار اس کی تاکید کرتے ہین، کہ جو کچھ گذرے، حاجی کو چاہئے کہ صبر و تحمل کے ساتھ اُسے برداشت کرے، جو امور ناگوار طبع پیش آئین، انھین اللہ کی جانب سے آزمایش سمجھے، قس علی ہذا، لیکن ان مواعظ و نصائح کے باوجود، یہ لکھنے پر مجبور ہین، کہ:-

"عموماً یہ سنا گیا کہ مکہ شریف مین بہت سے معلم لوگ اپنے فرائض پوری طرح ادا

نہین کرتے، جس کی وجہ سے لوگون کو تکلیف ہوتی ہی، یہ شکایت خانۂ کعبہ مین دعا کی جاتی تھی، حرم شریف مراد ہے، لوگون کی زبانی سنی جاتی تھی .... ہم کو بھی اپنے معلّم سے تکلیف ہی ہوئی اور کوئی ایسا آرام اس سے نہین ملا" (ص ۳۵)

اس کے آگے اپنی تکلیف کی تفصیلات لکھی ہین، یہ تکلیفین وہی ہین، جو اکثر و بیشتر حاجیون کو معلّمون کے ہاتھون پیش آتی رہتی ہین، مثلاً عین وقت پر باوجود ہر طرح کے پختہ وعدون کے، سواری کے انتظام سے جواب دیدینا، سواری کا سامان (شغدف وغیرہ) باوجود پوری قیمت لینے کے، بوسیدہ اور تکلیف دہ قسم کا دینا، مکہ سے روانگی کے وقت سواری کے بہم پہونچانے مین مطلق مدد نہ دینا، وغیرہ وغیرہ،

معلّم حضرات اگر صرف اسی پر بس کرتے، کہ حاجیون سے زیادہ سے زیادہ وصول کر لیا کرین، اور اس کے بعد حاجیون کو پوری طرح اعمالِ حج ادا کرنے دیتے، تو بھی زیادہ مضائقہ نہ تھا، معلّم بیچارون کا آخر ذریعۂ معاش بھی حاجیون کی آمدنی ہی ٹھہری، لیکن اصلی رونا ان کی حرص و ہوس کا نہین، بلکہ قیامت یہ ہے کہ رہبری کا دعویٰ کرکے کام رہزنی کا کرتے ہین، مدعی اس کے ہوتے ہین، کہ حج صحیح طریقہ پر کرا دین گے، مگر ہوتا اس کے برعکس عموماً یہ ہے، کہ انھین معلّمین کے باعث خدا معلوم کتنے مستحبات چھوٹ جاتے ہین، سنن رہجاتے ہین، اور کتنی بیش بہا گھڑیان محض ضایع ہو جاتی ہین، پھر ان کی وجہ سے قلب کو جس تشویش وخلجان کا شکار رہنا پڑتا ہی، اور عین شکستگی و فروتنی کے وقت زبان پر جیسے جیسے نالائق کلام آتے ہین، یہ سب مستزاد، مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا خلیل احمد مرحوم و مغفور نے

(شارح ابوداؤد) شریعت وطریقت کے جامع بزرگ، حج کے موقع پر ۹ ذی الحجہ کو منیٰ مین قبل طلوع فجر، اپنے نوافل معمولہ مین مصروف تھے، کہ معلّم صاحب نے آکر شور مچانا شروع کردیا، کہ عرفات کے لئے فوراً روانہ ہون، اس ہنگامہ مین سکون قلب کے ساتھ نماز مین مشغول رہنا مولانا ہی کا کام تھا، سلام پھیرنے کے بعد غصہ کے ساتھ معلّم سے ارشاد ہوا، کہ ہم نے تمھین مطوف قرار دیا ہے، استاد یا پیر نہین قرار دیا ہی ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہین اٹھین گے، جمّالون کو اپنے اونٹون پر اختیار ہے، اپنے اونٹون کو لیجائین، ہم پیدل انشاء اللہ عرفات پہونچ جائین گے" (تذکرۃ الخلیل ص۲۶۔۲۷، ملخصاً) ان چند شہادتون سے اندازہ ہوگیا ہوگا، کہ عالم، عامی، صوفی، رئیس، جس کسی کو بھی حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اسے ساتھ ہی معلّم صاحبون کی ان عنایتون کا بھی لذت آشنا ہونا پڑا ہے، گویا ؎

جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

ان معلّمین ہی کے طائفہ عالیہ کی شان مین ہے، بدوون کی لوٹ مار کے افسانے آج سے چند سال قبل ہر شخص کی زبان پر تھے، معلّمون کے کارنامے اب تک عام نظرون سے مخفی ہین، ــــــــ ظاہر ہے کہ کسی طبقہ کے سب افراد یکسان نہین ہوتے، یہ جو کچھ لکھا جارہا ہے، ایک عمومی اور اکثری حیثیت سے لکھا جارہا ہے، بعض معلّم صاحبان یقیناً کلیہ مین مستثنیات کی حیثیت رکھتے ہین، ناظر یار جنگ بہادر کے معلّم کو (جو شاید حیدرآبادی حجاج کے معلّم ہین،) مین نے خود دیکھا، کہ وہ اپنے حاجیون

کی خدمت گزاری پوری توجہ و تندہی کے ساتھ کر رہے تھے، اور بعض ثقہ بزرگون سے معلوم ہوا کہ سید امین عاصم مرحوم کے پوتے، سید عقیل عطاس معلّمون کے طبقہ مین ایک یگانہ ہستی ہین،

باب ۳۹

جدہ جہاز

"جملہ معترضہ" ختم ہوا، یہ ساڑھے چار کالموں کا "جملہ" صرف نحوی اصطلاح میں نہیں، اپنے لفظی معنی میں بھی "معترضہ" ہی تھا، اور معلّموں کی چیرہ دستیوں سے آئندہ حاجیوں کو آگاہ و خبردار کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ سفرنامہ کا ایک ضروری جزو تھا، اب پھر اصل سفر کی داستان شروع ہوتی ہے، عشا کا اول وقت ہو چکا تھا، جب مجمع کو چیرتے ہوئے، ہم سب لوگ اعرابیوں پر سوار، مکہ کی آبادی سے باہر اُس مقام پر پہونچے جہاں روانگی کے لئے موٹر ملتے ہیں، سوار پہونچ گئے لیکن سواری ندارد، ساری رات میدان میں گذاری، کچھ وقت معلّم صاحب کے ساتھ زق زق بق بق میں گذرا، اور باقی سونے میں، صبح ہوئی، نماز فجر پڑھی، آفتاب نکلا، چاے اور ناشتہ سے فراغت کی، سواری کا اب بھی پتہ نہیں! دیر کے بعد معلوم ہوا کہ فرلانگ دو فرلانگ پر سرکاری تھانہ ہے، صلاح ٹھہری، کہ وہاں چل کر قسمت آزمائی کیجائے، پولیس اگر مسافر دن تک نہیں آتی، تو مسافر تو بہرحال پولیس تک جا سکتے ہیں، ممکن ہے، پولیس کچھ دستگیری کر سکے۔ ——— توکل کا یہ مرتبہ کہاں نصیب تھا کہ اللہ کے گھر میں آکر تو اللہ ہی پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں، خلق اللہ سے استعانت ناگزیر تھی۔ ———

قافلے سے ہم تین آدمی، تھانہ پہونچے، اور بہ مشکل تھانہ دار صاحب کے ہان باریابی نصیب ہوئی، نجدیون کی عام ذہنیت کا کافی تجربہ ہوچکا تھا، پھر یہ تھانہ دار صاحب توماشاء اللہ محکمۂ پولیس کے ایک ذی اختیار عہدہ دار تھے، اور گونسباً نجدی ہون یا نہ ہون لیکن اپنے عہدہ کے اعتبار سے تو بہرحال حکومت سعودیہ ہی کے ایک رکن تھے، ان کے حسن اخلاق کا جو نمونہ دیکھنے مین آیا، خدا نہ کرے وہ آیندہ کبھی کسی حاجی کو دیکھنا پڑے! مولانا مناظر صاحب نے حجاز آکر خوب خوب مجاہدے کئے تھے، لیکن اس سرزمین پر اُن کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ شاید اس سفر کی سب سے اخیر گھڑیون کے لئے اٹھ رہا تھا، گفتگو وہی فرما رہے تھے، ان بیچارہ پر جو زبردست ڈانٹ پڑی ہے، اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرلیجانا انھین کا ظرف تھا،

صبح ۵ بجے ہوچکی تھی، ۷ بجے، ۸ بجے، ۸½ بجے، ۹ بجے خدا خدا کرکے مشکل آسان ہوئی، اور کوکب الشرق کمپنی (ایک مصری موٹر کمپنی کا نام ہے) کی ایک لاری ہم لوگون کے لئے نظر آئی، رفیقان قافلہ اس پر سوار ہوئے، مجھے خود ایک چھوٹے موٹر مین جگہ مل گئی، اس موٹر پر مولانا شوکت علی کے داماد اور بھانجے عثمان علی خان صاحب مع اپنے دو رامپوری دوستون کے آرہے تھے، موٹر اور لاری کے کرایہ مین کچھ زیادہ فرق نہین، لیکن آرام مین اچھا خاصا فرق ہے، موٹر نسبتہً کم وقت لیتا ہے، اس مین جھٹکے کم لگتے ہین، بیٹھنے کی جگہ زیادہ آرام دہ ہوتی ہے، کرایہ اب خوب یاد نہین، فی کس ایک گنی سے غالباً ایک آدھ روپیہ زائد ہے، مدینہ سے روانگی کے وقت بخوبی یاد ہوگا، کہ شہر سے ۲۰ ذی الحجہ کو رخصت ہوئے تھے، اور ۲۷ گھنٹے کے انتظار کے بعد، شہر پناہ کے پھاٹک

سے ۴ بجے کی دوپہر کو نکلے تھے، اسی طرح شہر مکہ سے ۱۵ ذی الحجہ کو بعد مغرب روانہ ہوئے اور ۱۶، ۴ گھنٹے کے انتظار کے بعد ۱۶ کو نماز چاشت کے وقت شہر پناہ سے باہر ہوئے ہندوستانی وقت کے حساب سے کوئی ۸ بجے ہوں گے کہ حدود مکہ سے موٹر روانہ ہو گیا۔ ـــــــ دیکھتے ہی دیکھتے یہ چند روز کا بابرکت زمانۂ قیام ختم ہو گیا، اب عمر بھر اسی کی یاد رہیگی، اور اسی کی حسرتیں، اسی کا دھیان رہیگا اور یہیں کا ارمان! یہیں کی تمنائیں رہینگی، اور یہیں کی آرزوئیں! اسی در کی طلب اور اسی آستان کی تڑپ! ایک خواب تھا کہ چشم زدن مین ختم ہو گیا! اب عمر بھر کی بیداریاں ہوں گی اور تمنائے خواب! ـــــــ لیکن یہ یاس کا غلبہ، اور مایوسی کا ہجوم کیوں؟ جس قادر علی الاطلاق نے بلا کسی حق و استحقاق کے ایک بار ان آنکھوں سے اس کی زیارت کرا دی، اُس کے فضل و کرم سے کیا کچھ بعید ہے، کہ ایکبار پھر، اور ایک ہی بار کی قید کیوں، بار بار پھر جیتے جی، اس جنت ارضی کی سیر کرائے، اور کراتا رہے؟ لائے اور پھر لیجائے، لیجائے اور پھر لائے، لائے اور بار بار لائے، اور ایسا لائے کہ پھر اس جسم ناسوتی کو جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کے احاطہ میں حشر تک کے لیے سلا دے! یہیں سلائے اور یہیں سے اٹھائے! "زندگی" کی طلب رکھنے والوں کو انگلستان و فرانس، امریکہ و جرمنی کی سیر مبارک، لیکن "موت" کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے والا حجاز اور حجاز والے کے سوا، کس کا آسرا لگائے؟ "جنت نظیر" کی آرزو والے کشمیر اور "جنت نشان" کی تمنا والے فرنگستان کی گلگشت میں مصروف رہیں لیکن "جنت نظیر" اور "جنت نشان" کی شاعری کا مفتون نہیں، جنت کی حقیقت کا بھوکا، اگر ادھر نہ آئے، تو کدھر جائے؟

موٹر کا سفر بحمد اللہ ہر طرح خوشگوار و آرام دہ رہا، اور گو مئی کی ۲۵ ر تھی، موسم بہت زائد سخت نہ تھا، موٹر اچھا تھا، مصری شوفر اچھا تھا، ہندی رفقاء اچھے تھے، درمیان مین ذرا کی ذرا بجرہ مین ٹھہرے یہان چائے کی میز پر چند جاوی حاجیون کا ساتھ رہا، ایک دوسرے کی زبان سے یکسر اجنبی، اس پر بھی ملاقات پُر لطف و شگفتہ رہی، ڈھائی گھنٹہ مین جدہ کی عمارتین دکھائی دینے لگین، اور چند منٹ کے بعد موٹر اپنی جگہ پر کر ٹھہر گیا،

آج ہندوستان کی ڈاک کی تقسیم کا دن تھا، وطن چھوڑنے کے بعد یہ پہلی اخباری ڈاک تھی، جو سرزمین عرب پر ملنے والی تھی، عزیزون کی خیریت مین، دوستون کے ذاتی حالات مین، اور ملک کے عام قومی کیفیات مین دل لگا ہوا تھا، اپنی ڈاک پوسٹ ماسٹر جدہ کے پتہ پر طلب کر آیا تھا، موٹر سے اترتے ہی دوپہر مین پیدل ڈاکخانے پہونچا، یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ ڈاک کے جہاز کی آمد ہے، لیکن ابھی آ نہین چکا ہی، مجبوراً واپس ہوا اور اپنے وکیل صاحب بسیونی کے مکان پر پہونچا، بیسیون قافلے اس وقت سے کہین پیشتر جدہ واپس پہونچ چکے تھے، اور اکثرون کے ٹکٹ کا انتظام ہو چکا تھا، وکیل صاحب کے مکان کے اندر ہجوم اور باہر ایک میلہ سا لگا ہوا! ہم لوگون کے پہونچنے مین اچھی خاصی تاخیر ہوئی ——— وہی معلم صاحب کی عنایت! ——— اور اس اثنا مین جہاز کی سب جگہین بھر چکین، بمبئی کے لئے ٹرنر موریسن کا پہلا جہاز، رحمانی کل ہی پرسون روانہ ہونے والا ہے، اس کی گنجائش بھر کے مسافر سب آچکے، اب بھلا اس پر جگہ ملنے کی کیا صورت تا؟ وکیل صاحب نے بھی مایوس کر دیا، اور جہازی کمپنی کے دفتر والون نے بھی، کمپنی کے دفتر ہی مین تھا کہ اتفاق سے منشی احسان اللہ صاحب وائس کانسل وہان آگئے، ٹکٹون کا معاملہ انھین کے ہاتھ مین ہے، مگر انھون نے اپنے ہان کے قاعدے

اور ضابطے ایسے مقرر کر رکھے ہین، کہ اگر کسی شخص کیساتھ خاص رعایت اور عنایت کرنا چاہین بھی، تو آسانی سے نہین کر سکتے، ہر شخص کو اس کے نمبر ہی پر ٹکٹ ملیگا، اس لئے آج جو گفتگو ہوئی وہ بھی کچھ امید افزا نہ تھی،

مین خود تو جدہ پہونچ گیا، لیکن رفقا کہان ہین؟ موٹر پہونچے ہوئے مدت ہو گئی لیکن ساتھیون کی لاری کا اب تک پتہ نہین، موٹر مانا کہ لاری سے قبل پہونچتی ہے، لیکن بس وہی گھنٹہ پون گھنٹہ قبل، اس سے زائد کا فرق تو نہ ہونا چاہئے، گھنٹہ گذرا، ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے مجھے پہونچے ہوئے ہو گئے، مین ظہر کے اول وقت پہونچا تھا، اب عصر کا اوسط وقت ہو گیا، اور لاری کا کہین پتہ نہین، گھبرا کر بار بار وکیل صاحب سے دفتر کوکب الشرق کو ٹیلیفون دلواتا تھا، اور وہان سے کوئی جواب نہ ملتا تھا، جب بالکل شام ہونے لگی، تو استغاثہ لے کر منشی احسان اللہ صاحب کے مکان پر گیا، وہ خود تو موجود نہ ملے، البتہ ان کے ہان مولوی حاجی نثار احمد صاحب کانپوری مل گئے، اور بڑے اخلاق اور تپاک سے ملے، وہ ماشاءاللہ متعدد حج کر چکے ہین، اور یہان کی زبان، جغرافیہ، حالات سب سے خوب واقف ہین، بیچارے ازراہ ہمدردی از خود میرے ہمراہ ہو گئے، اور کمپنی کے دفتر کی تلاش مین نکلے، اور جب اس سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا، تو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ رضا بالقضا پر مجبوراً عمل کرکے، شہر پناہ کے پھاٹک پر کھڑے ہو کر صبر کے ساتھ انتظار دیکھا جائے، اتفاق دیکھئے کہ جون ہی پھاٹک پر پہونچے، پہلی لاری جو دکھائی دی، وہ ہمارے ہی قافلہ کی تھی، عین غروب آفتاب کا وقت تھا، گویا مکہ سے جدہ تک جو فاصلہ میری موٹر نے ڈھائی گھنٹے مین طے

کرلیا تھا، وہ اس لاری نے، ۱۲ گھنٹے مین طے کیا! ساتھیون سے معلوم ہوا کہ راستہ
مین ہر قسم کی افتاد، شوفر کی حرکتون سے لاری کو پیش آتی رہی، یہان تک کہ ایکبار
اس کی سگرٹ کی چنگاریون سے لاری مین آگ بھی لگ گئی، اور کپڑے جلنے شروع ہو گئے،
لیکن بے درد و شقی القلب شوفر، کسی قسم کی مدد و ہمدردی کرنا الگ رہا، لاری کو روکنے
تک کا روادار نہ ہوا! مولانا مناظر صاحب اور دوسرے رفقا برابر النّار النّار الحریق
الحریق پکارتے رہے، اور صراحیون کا پانی ڈال ڈال کر جس طرح بن پڑا، آگ بجھائی،
ورنہ اگر جانین بھی چلی جاتین، تو کچھ بعید نہ تھا! کوکب الشرق کمپنی کی گاڑیون کا ایک ہی
تجربہ ہوا! اور خدا نہ کرے اس تجربہ کے اعادہ کی نوبت آئے،

رحمانی، بمبئی کے لئے ۱۰ ذی الحجہ کو روانہ ہو رہا تھا، اُس پر جگہ ملنے سے بالکل
مایوسی تھی، اور خیال یہی تھا، کہ دوسرے جہاز کے انتظار مین ابھی کئی دن جدہ
مین پڑا رہنا ہوگا، لیکن رحمت باری کو مایوس دلون کو شگفتہ کرتے کیا دیر لگتی ہے،
—— اور اس سفر کے دوران مین تو اس کا مشاہدہ قدم قدم پر کرایا گیا ——
۷ ار کی صبح کو جب منشی احسان اللہ صاحب کے ہان ملنے گیا، تو کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا،
کہ اسی جہاز مین پورے قافلہ کے لئے جگہ نکل آئی ہے! یہ احسان تمامتر اللہ ہی کا تھا،
لیکن احسان کا واسطہ احسان اللہ کی ذات کو بنایا گیا، منشی صاحب کی عنایت و نوازش
کی جب کوئی تعریف کرتا ہے، تو وہ چڑھنے سے لگتے ہین، اور چشم تصور یہ دیکھ رہی ہے،
کہ منشی صاحب سفرنامہ کی ان سطور کو پڑھتے جاتے ہین، اور ان کا استقبال بجائے
تبسم کے، چین ابرو سے کر رہے ہین، لیکن —— دوسرے دن کا تجربہ جو کچھ

ہو، اور جس شخص کو ہزار ہا اہلِ حاجت سے سابقہ رہتا ہو، اس کے لئے سب کو مطمئن و رضامند رکھنا آسان بھی نہین ——— اپنا تجربہ تو ان کے متعلق یہی ہوا کہ انھون نے اپنے اسم بامسمیٰ ہونے کا ثبوت دیا، اور علاوہ ٹکٹ مین مدد دینے کے جس کی اس وقت نہایت درجہ قدر ہوئی کھلانے پلانے مین، چائے پلانے اور کھانا کھلانے مین جس لطف و مدارات کا برتاؤ کرتے رہے، اس سے تو رہ رہ کر دھوکا ہوتا تھا کہ کوئی نئے شناسا نہین بلکہ پرانے بے تکلف دوست ہین، اور (احباب پنجاب معاف فرمائین) پنجاب کے باشندہ نہین اودھ کے رہنے والے ہین، اڈیٹر پارسین کے دفتر کے قاضی عزیز الدین صاحب سے بھی اب کی زیادہ سابقہ رہا، ضلع بارہ بنکی کے قصبہ سیدن پور کے رہنے والے، گویا اپنے ہموطن تھے، انھون نے اگر بالکل عزیزون کا سا برتاؤ کیا تو اُن سے اسی کی توقع بھی تھی، جدہ سے روانگی کے وقت، ہم میان بیوی انھین کے موٹر لانچ پر روانہ ہوئے، کمپنی کے ایجنٹ، اور شہر جدہ کے حاکم، حاجی عبد اللہ علی رضا زینل کے اخلاق کی کیا تعریف ہو، چہرہ کی نورانیت، اندرِ باطن کا آئینہ، پردیسیون کے حق مین آیۂ رحمت، شیخ عبد الرحمٰن الفضل سے بھی ملاقات رہی، ان کی محبتین اور خاطر داریان بھی بھولنے کی چیز نہین، اور شیخ نصیف کا آرام دہ اور پرفضا چبوترہ مئی کے آخری ہفتہ کی گرمی، اور جدہ مین حاجیون کا ہجوم، اگر اب کی بھی فرطِ کرم سے شیخ نے اپنا چبوترہ عنایت نہ کردیا ہوتا، تو خدا معلوم دو راتین کس طرح بسر ہوتین! جدہ مین رہنے والے گویا اللہ کے گھر کے ڈیوڑھی بان ہین، حجاج کی خدمت کرنے اور انھین آسائش پہونچانے کے انھین بہترین مواقع حاصل ہین، خوش نصیب ہین وہ افراد جو ان موقعون کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے اور انھین اپنے لئے توشۂ آخرت بناتے جاتے ہین،

۱۷ ذی الحجہ اتوار کا دن ملنے جلنے، سامان سفر درست کرنے، اور اشیا کی خریداری میں گذرا، ہندوستان سے ڈاک خدا خدا کر کے آئی، سہ پہر کو تقسیم ہوئی، لیکن میری ڈاک کا ایک بہت قلیل جزو آیا، صرف ایک پلندہ تھا، جس کے اندر چند اخبارات لپٹے ہوئے تھے، میرے اندازہ میں ایسے ایسے پندرہ بیس پلندے ہونے چاہئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ ڈاک آیندہ جہاز سے موصول ہوگی، پوسٹ ماسٹر کے پاس اپنا ہندوستان کا پتہ چھوڑے جاتا ہوں، اب جو ڈاک آئیگی، وہ وہیں واپس کر دیں گے، خیال یہ تھا کہ ڈاک یہاں ملجاتی تو جہاز پر اسے دیکھ ڈالتا، اور ہندوستان پہونچتے پہونچتے، پھر دنیا کے حالات سے باخبر ہوجاتا، خیر ۱۸ ذی الحجہ، ۲۲ مئی، دوشنبہ کا دن تھا کہ صبح سویرے اپنا اسباب ٹھیلوں پر لاد کر ساحل کی طرف روانہ کر دیا، سب قافلہ والے ہمراہ گئے، اور ساحل سے کشتی کرایہ کر کے جہاز کے لئے روانہ ہوئے، جو دوڈھائی میل کے فاصلہ پر سمندر میں اور بہت سے جہازوں کے ہجوم میں کھڑا تھا، وکیل صاحب کے مطالبات دے دلا کر، کچھ دیر کے بعد ہم دونوں میاں بیوی، ٹرنر مارسین کے موٹر بوٹ پر روانہ ہوئے، اور بہت جلد جہاز تک پہونچ گئے، جدہ میں کشتی سے جہاز پر چڑھنے کا مرحلہ سخت ہوتا ہے، کشتی برابر ہلتی رہتی ہے، اور اس سے بھی کہیں بڑھکر لوگوں کا دھکم دھکا، سیڑھی پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی چڑھ سکتا ہے، اسباب کے چھوٹ جانے کا اندیشہ مزید برآن، بہرحال ناتوانوں اور ضعیفوں کو اس وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، گو خدا کے فضل سے کوئی حادثہ عموماً پیش نہیں آتا، لیکن اس کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، رحمانی، ٹرنر مارسین کمپنی کا نو تعمیر جہاز ہے، ۲۸ء میں تیار ہوا ہے، اور اس کے کل جہازوں میں سب سے بڑا، سب سے بہتر اور سب سے وزنی ہے، ۵۲۹۱ ٹن کے وزن کا ہے، کمرے اکبر کے کمروں سے بڑے

بھی، اور زیادہ آرام وہ بھی، سکنڈ کلاس مین بھی پنکھے موجود، اکبر پر پندرہ سو مسافر تھے، اس پر سترہ سو مین، جہاز کا عملہ اس کے علاوہ ۹ بجے تک ہم لوگ پہونچ گئے تھے، ۵، ۴ گھنٹے کے بعد سہ پہر کو روانگی کی سیٹی ہوئی، اور جہاز وطن کی طرف روانہ ہوا ــــ "وطن"! کیا خدا کی شان ہے، حجاز کا مسافر ہندوستان کو "وطن" لکھ رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے! یہ وہی مسلم خانمان برباد ہے، جو کبھی حجاز آیا تھا، جس کے باپ دادا کی رگون مین حجازی خون گردش کر رہا تھا، چند صدیون کے بعد آج وطن پردیس ہو گیا ہے، اور پردیس وطن کے حکم مین داخل ہو گیا ہے، حجاز اب اس کے لئے پردیس ہے! اور مکہ و مدینہ کے جوار مین اب وہ اپنے تئین غریب الوطن سمجھ رہا ہے!

باب ۴۰

جہاز - بمبئی - وطن

جاتے وقت اکبر پر گئے تھے ـــــــ اللہ اکبر کی بڑائی اور کبریائی پکارنے والوں کی سواری کے لئے "اکبر" سے زیادہ موزوں جہاز اور کون ہو سکتا تھا؟ ـــــــ

واپسی کے وقت رحمانی پر سوار ہونا نصیب میں آیا، جو ذرہ کو آفتاب بنا دیتا ہے، پھر اگر واپس ہونے والوں کے ساتھ رحم و رحیمیت کے معاملات شروع ہو گئے ہوں، اور تمام رحمت و رحمانیت کے کاروبار ہونے لگے ہوں، تو دل رحمانی کے نام سے کیوں نہ تفاول کرے، اور رحمٰن و رحیم کے مرحمت و غفران کے بیشمار رحیلوں اور بے حساب بہانوں میں ایک تازہ عنوان کا اضافہ کرتے کیوں ہچکچائے؟ "رحمانی" صرف جہاز ہی کا نام کیوں سمجھئے، سواری پر جتنے سوار تھے، اگر وہ سب کے سب رحمانی ہوں، اگر اُن سب کا شمار رحمانیوں میں ہو گیا ہو، تو خدائے رحمان و رحیم کے رحم و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کسی کی بڑائی پکارنے والے دل نہ سہی، بڑائی پکارنے والی زبانیں تو سب ہی کی تھیں، اور خود اس بڑے کا دیدار نہ سہی، اُس بڑے کے گھر کی زیارت کرنے والی آنکھیں تو ہر ایک کی تھیں، پس اگر واپسی کے وقت بحر قدرت کے عبور کے لئے، سفینۂ رحمت و رحمانیت عطا کر دیا گیا ہو، تو اس پر حیرت کیوں کیجئے اور اس جود و نوال فضل و کرم پر تنگدل کیوں ہوجیئے؟

رہائی اس وقت تک، ٹرنر ماریسن کے جہازون مین سب سے بہتر ہے، سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ آرام دہ، اول درجہ کے کیبن دوسرے جہازون سے زیادہ گنجایشی اور آرام دہ، بعض بعض کیبن بجائے دو آدمیون کے چار آدمیون کیلئے سکنڈ کلاس مین پنکھے لگے ہوئے، ہر کیبن کے اندر پائپ مین پانی کے از خود آجانے کا انتظام موجود، نہ یہ کہ پانی والا پانی کے خزانہ مین الگ سے لاکر پانی انڈیل جائے، شروع کے کسی نمبر مین بیان ہو چکا ہے، کہ جاتے وقت اکبر جہاز مین جگہ سب سے اوپر کپتان کے کمرہ سے متصل مل گئی تھی، اس وقت تو مولانا شوکت علی کی عنایت تھی، واپسی مین اس جگہ کے ملنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی، لیکن جو خدا مہربان بمبئی مین تھا وہی جدہ مین بھی تھا، اب کی اس نے کسی بیرونی کرمفرما کے نہین بلکہ خود ٹرنر ماریسن کمپنی کے ایجنٹ اور حاکم جدہ، حاجی عبد اللہ علی رضا زینل کے دل مین نیکی ڈال دی انھون نے کپتان کے نام چٹھی لکھ بھیجی، چنانچہ جب جہاز پر آنا ہوا تو دیکھا کہ وہی سب سے اوپر کے عرشہ مین کپتان کے کمرے کے متصل کمرہ، اس عاجز و گمنام کے لئے محفوظ اور خالی ایکپتان سے قدرۃً ہر وقت کا سابقہ اس کپتان کا نام لک ہے، گو نیکی اور خوش مزاجی مین کپتان وارڈ سے کمتر ہے، لیکن مستعدی، کارگزاری، و خوش تدبیری مین اُس سے بڑھا ہوا ہے جہاز کے دوسرے کارکن بھی مستعد و کارگزار ہین، مسافرون کی خاصی بڑی تعداد حسب معمول بنگالی حاجیون کی ہے، پیشاوری و سرحدی بھی بکثرت ہین، اپنے قافلہ کے علاوہ، پرانے ساتھیون مین چودھری محمد علی ردولوی مع اپنے دولڑکون کے بکس اور اپنی بیمار لیکن نہایت ہمدرد و شریف خصلت زوجہ مکرمہ کے اب کی بھی ہم سفر ہین، خوش مزاجی کی دھوم پہلے ہی سے تھی، اب حج کی برکت سے ماشاء اللہ

علمی ہمدردیوں اور خدمتگزاریوں پر زیادہ مستعد ہو گئے ہیں، ایک ایک کے علاج و تیمارداری کے لئے موجود، نئے ساتھیوں میں ڈپٹی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی، اور محمد اکرم خان صاحب (ایڈیٹر محمدی، کلکتہ) کا ساتھ بھی ہر طرح خوش گوار و دلچسپ رہا،

اب پھر وہی ڈیڑھ ہفتہ کے لئے، لق و دق اور اتھاہ سمندر سے سابقہ، خشکی اور خشکی کی ہر شے سے بے تعلقی، نہ پہاڑ نہ جنگل، نہ شہر نہ دیہات، نہ چرند نہ پرند، نہ باغ نہ مکان، نہ شجر نہ حجر، نہ سڑک نہ دوکان، بس ہر وقت اور ہر سمت عالم آب، اوپر نیلا آسمان اور نیچے نیلا سمندر، نہ کہیں اسٹیشن نہ قیام، دن رات مسلسل روانی ہی روانی، اب کی کامران میں بھی ٹھہرنا نہیں، بس بمبئی تک برابر چلتے ہی رہنا ہے، کچھ تو حج کی برکت، اور کچھ اس لئے کہ طبیعت مانوس ہو چکی ہے، واپسی میں سمندر کی دہشت؛ اور سمندر سے وحشت کسی قدر کم ضرور ہو جاتی ہے، لیکن جاتی نہیں رہتی، وطن کا شوق دل پر غالب، کہ کل کے پہونچتے آج ہی پہونچ جائیں، اور انتظار کی ایک ایک گھڑی طبیعت پر گراں لیکن دن اور رات، گھنٹے اور منٹ تو بہر حال اپنے وقت مقررہ ہی پر پورے ہوں گے، ہر روز خوش خوش حساب لگ رہے ہیں، اور اندازے ہو رہے ہیں، کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت بمبئی پہونچیں گے، فلاں فلاں سے ملیں گے، فلاں ٹرین سے روانہ ہوں گے، یوں وطن کو تار دیں گے، یوں وطن پہونچیں گے، کپتان سے سوالات کی بھرمار ہو رہی ہے، اور جن بیچاروں کی رسائی کپتان تک نہیں، وہ خلاصیوں ہی سے پوچھ پاچھ کر دل کو تسکین دے رہے ہیں، سب اپنے اپنے حال میں مست اور اپنے اپنے منصوبے میں مگن، لیکن سمندر کا تلاطم ہر منصوبے پر غالب، اور ہوا کے ہول انگیز تھپیڑے

ہر تمنیہ کے غارت گر ا،

سمندر مین برسات کا موسم اور برساتی ہوائین بہت قبل سے شروع ہو جاتی ہین، کپتان وارڈ نے بتایا تھا کہ "۱۰ جون تک بمبئی ضرور پہونچ جاتا ورنہ برسات شروع ہو جائیگی، اور بحری سفر مین برسات کا وسط نہین، بلکہ ابتدائی اور آخری حصہ زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے" چنانچہ ہم لوگون نے مکہ سے روانگی مین جو اس قدر عجلت کی تھی، اس کا ایک بڑا سبب یہی تھا جدہ سے ۲۰ مئی کو روانہ ہوئے تھے، اب اطمینان تھا، کہ خطرہ کے وقت سے قبل ہی بمبئی انشاءاللہ پہونچ جائینگے لیکن کیا انسان اور کیا انسان کا ارادہ اور اندازہ ابھی چار دن تو سمندر کی حالت غنیمت رہی اس کے بعد تیز و تند ہوائین چلنی شروع ہو گئین، اور موجون نے بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکرین کھانی شروع کین، اس کیفیت کا پورا اندازہ بغیر بحری سفر کا ذاتی تجربہ کئے ہو نہین سکتا، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ سطح سمندر سے دس دس اور بارہ بارہ، بلکہ پندرہ پندرہ اور بیس بیس فٹ اونچی موجین، ہر سمت سے امنڈ امنڈ کر اور بلند ہو ہو کر جہاز پر حملہ آور ہو رہی ہین! اور ساتھ ہی جہاز ڈانوا ڈول ہونا شروع ہوا، اوپر کے عرشہ پر بیٹھ کر دیکھئے، تو ابھی یہ نظر آ رہا ہے، کہ جہاز کا داہنا پہلو نیچا ہوتے ہوتے بالکل زیر آب ہو جانے کو ہے، اور ابھی یہ نظر آنے لگا کہ داہنا پہلو تو نکل آیا اور اب بایان پہلو جھکتے جھکتے غرق ہونے پر ہے! دلون کی گھبراہٹ کو چھوڑیئے، زبانون کی واویلا کا بھی ذکر نہین، ستم یہ ہوا کہ سرون مین چکر آنے شروع ہو گئے اور متلی کی بیماری پھیل گئی، جسے دیکھئے بستر پر پڑا ہوا، جو اٹھ کر چلا، وہ لڑکھڑا کر گرا،

کوئی دورانِ سفر مین گرفتار، کوئی استفراغ مین مبتلا، اِلّا ماشاءاللہ، کچھ اللہ کے بندے محفوظ بھی رہے! ـــــــ نماز بہترین عبادت ہی، لیکن نماز کے بعد ہی دعا و استغفار کا بھی حکم ہے، روزہ افضل ترین مجاہدہ ہے، لیکن ختم رمضان پر معاً ادائے صدقہ فطر کا بھی ارشاد ہے، حج جیسے بابرکت سفر مین، اپنی کوتاہیون، اور نفس پرستیون سے جو جو آلائشین اور کثافتین جمع ہو جاتی ہین، اُن کے تصفیہ و تنقیہ کے لئے اس اضطراری مجاہدہ سے بڑھکر لطیف و پر اثر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے!

دن جاتے اور فاصلہ طے ہوتے دیر کیا لگتی ہی، ابھی نواح جدہ مین تھے، ابھی کامران کے سامنے سے گذرنے لگے، بحر احمر ختم ہوا، بحر عرب شروع ہوا، سقوطرہ سے گذرے، باب المندب سے نکلے، عدن کو پیچھے چھوڑا، ساحل عمان بھی نظر سے غائب ہوا، بحر ہند کی گہرائیون کے اوپر آگئے، لیکن وطن جون جون قریب آتا جا رہا ہے، سمندر کا تلاطم بڑھتا ہی جا رہا ہے، گرمی کی شدت برسات کی سی اُمس، اس پر مستزاد جسم پسینہ مین شرابور، غسل سے بھی تسکین نہین جاتے وقت مسلم نوڈ سیلانی کمپنی کے کھانے کا انتظام اچھا تھا، اور انتظام مین اگر کچھ کمی تھی بھی، تو منیجر اور اسسٹنٹ منیجر کی خوش اخلاقیان اس کی تلافی کر دیتی تھین، اب کی مرتبہ یہ کوئی صورت بھی نہ تھی، جو چیز مانگئے ہوٹل مین موجود نہین، کھانا اول تو کھایا ہی کس سے جاتا تھا، بھوک غائب تھی، لیکن جو کھانا چاہتے، اُنھین ملتا ہی کیا تھا! جو خوشحال تھے، انھین مجبوراً انگریزی ہوٹل سے انتظام کرنا پڑا! جو بیچارے اتنا خرچ نہین کر سکتے تھے، اور محض مسلم ہوٹل کے بھروسہ پر تھے، اُن کی حسرت نصیبی قابلِ رحم تھی، کھانے سے کہین

بڑھکر مصیبت پانی کی تھی، ٹھنڈا پانی عنقا! فرسٹ کلاس والے تک گو یا نیم گرم پانی پینے پر مجبور! جہاز پر برف تھی، اور روزانہ تیار ہوتی تھی لیکن اتنی قلیل مقدار میں، کہ صرف انگریز افسرانِ جہاز کے لئے کافی ہو سکے، جہاز کے انگریز او نیم انگریز افسر اور ماتحت برف پی رہے ہیں، اور ٹھنڈے پھل (سنترے وغیرہ) کھا رہے ہیں، اور حاجی غریب (بڑے سا بڑا حاجی بھی ہر چھوٹے سے چھوٹے انگریز کے سامنے غریب ہی ہے!) قیمت ادا کرنے کو تیار، اس پر بھی قسمت میں تشنگی و خشک لبی ہی لکھی ہوئی!

واپسی کے وقت جہاز پر عموماً موتیں بھی خاصی تعداد میں ہوتی رہتی ہیں، سفر کی بے احتیاطیاں اور بد پرہیزیاں، خاتمۂ سفر پر رنگ لاہی کر رہتی ہیں، خصوصاً جو لوگ لاغر و نحیف، مریض و ضعیف الجثہ ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے آرام و آسائش کے لئے زیادہ خرچ بھی نہیں کر سکتے، وہ تو ہجوم، غذا، موسم، آب و ہوا، وغیرہ کی سختیوں کو اور بھی برداشت نہیں کر سکتے، زیادہ تر موتیں اسی طبقہ میں ہوتی ہیں، ہمارے جہاز میں غالباً ۱۶، ۱۷ موتیں ہوئیں، دس دن کے عرصہ میں اور سترہ سو کی آبادی میں یہ تعداد کچھ ایسی بہت زائد تو نہیں، تاہم دلوں میں دھڑکن پیدا کر دینے کیلئے کافی سے زائد تھی، ایک پچیس تیس سال کے جوان سرحدی کی موت، جو نمونیا سے ہوئی اور ساحل بمبئی سے صرف چند میل ادھر ہوئی، بہت دردناک تھی، افریقہ کے ایک میمن تاجر مع اپنے حشم و خدم کے، فرسٹ کلاس کے مسافر تھے، ان کی جوان بیوی کی وفات بھی بڑی حسرتناک ہوئی، شیر خوار بچی کو ماں باپ وطن چھوڑ آئے تھے، جہاز پر انتقال کے بعد غسل میں سخت وقت ہوئی، حاجیوں کا جہاز، اور اس پر غسل و تکفین

کا کوئی معقول انتظام نہین! وقت تو مردون کے لئے بھی پڑا کرتی ہے، عورتون کیلئے اس سے بھی کہین بڑھکر پیش آتی رہتی ہے، ——— لیکن ان خوش نصیبون کی موت کا کیا پوچھنا! گناہون سے پاک صاف، تازہ حج کئے ہوئے، عرفات کی حاضری اور دیدار کعبہ سے مشرف، غریب الوطنی کی موت، سمندر کی قبر، جنت کا راستہ سیدھا کھلا ہوا، جی مین آتا ہے، کہ آنسو بہانے کے بجائے، ان مرنے والون اور مرنے والیون کی خوش قسمتی پر جی کھول کر رشک کیجیے، رحمت حق کا نزول ان پر بھی نہ ہوگا، تو اور کس پہ ہوگا!

---

۲۷ مئی (۱۰ ذی الحجہ) کو دوشنبہ کا دن تھا جب سہ پہر کے وقت جدہ سے روانہ ہوئے تھے، ۳ جون کو ایک ہفتہ پورا ہو کر دوشنبہ آگیا، اور وطن کی آتش شوق اب تیز سے تیز تر ہو گئی، دن کے گھنٹے اور رات کی گھڑیاں اب کاٹے نہین کٹتی تھین، ایک ایک دن پہاڑ ہو رہا تھا، بھوک اور پیاس سے حال ابتر ہو رہا تھا، اس پر بھی سہ شنبہ کا دن سامان کے رکھو رکھاؤ، ٹھیک ٹھاک مین بسر ہوا، زائد بستر بندھتے تھے اور کھلتے تھے، اور پھر بندھتے تھے، بکس، صندوق، سوٹ کیس بیگ، ہینڈ بیگ، بار بار بند ہوتے تھے، کھلتے تھے اور پھر بند ہوتے تھے، چہار شنبہ کو طوفانی حالت تیز ہو گئی، سمندر مین تلاطم تو تھا ہی، بارش بھی اچھی خاصی ہو گئی، جہاز پر بارش کا منظر خاصہ مہیب و دہشت انگیز ہوتا ہے، کمزور دل والے بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، ہوا کے زور، بارش کے شور، اور فضا کے اندھیرے گھپ کو دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے تھے، اور جہاز اس فضائے تیرہ و تار مین دوسرے جہازون کو اپنے وجود سے مطلع

کرنے کے لئے بار بار بھیانک سیٹیان دے رہا تھا، کسی کا دل ناخدا سے، اور کسی کا خدا سے اٹکا ہوا، دلون مین ہول و اضطراب، اور زبانون پر دعا و استغفار، پورا طوفان تو نہ تھا، البتہ طوفان کا ایک ہلکا سا نمونہ ضرور دیکھنے مین آگیا، جہاز کے لاسلکی کے ذریعہ سے بمبئی، دفتر خلافت کمیٹی، کو اپنی آمد کا تار دیدیا، اور جی بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ تار ہی مین ناشتہ کی، خصوصاً تازہ پھلون کی بھی فرمائش کر دیجائے،
چہارشنبہ کی شام کیسی خوش آیند شام تھی! جہازون کی شکلین اور دور دور کی عمارتین سہ پہر ہی سے نظر آنی شروع ہوگئی تھین غروب آفتاب کے بعد ساحل کی روشنیان صاف دکھائی دینے لگین، ——— یہ روشنیان کوئی نئی اور انوکھی نہین بارہا کی دیکھی ہوئی ہین، لیکن آج کی سی کشش اور دلکشی ان مین کبھی پیشتر بھی محسوس ہوئی تھی؟ ——— شب کے دس بجے ہون گے، کہ جہاز سمندر مین ساحل سے فاصلہ پر لنگر انداز ہوگیا، اب صبح کو گودی مین داخل ہوگا، اور کہین نو دس بجے تک اترنا ہوگا، اتنا انتظار کس سے ہوگا! اور یہ رات کیسے کاٹے کٹے گی!

بیت اللہ کے زائرون کے صبر و انتظار کا آخری لطیف مجاہدہ خدا خدا کرکے ختم ہوا ۶ رجون، پنجشنبہ کی صبح ہوئی، بندرگاہ کے افسرون اور ڈاکٹر وغیرہ کی آمد و رفت جہاز پر شروع ہوئی، دن نکلا اور کچھ دیر کے بعد جہاز نے آہستہ آہستہ گودی کی طرف کھسکنا شروع کیا، نیچے کے درجون کے مسافر بیچارے اپنی گٹھری مٹری سنبھالے، اپنے کندھون اور سرون پر بوجھ لادے اوپر کے حصہ پر آگئے، اور

فرسٹ کلاس والے سب سے اوپر کے عرشہ پر آکھڑے ہوئے، سب کی نگاہیں شوق واشتیاق کی تصویر بنی ہوئی ساحل کی طرف جمی ہوئیں، لیجئے اب پلیٹ فارم صاف نظر آنے لگا، اور استقبال کرنے والوں کے چہرے دکھائی دینے لگے، ہلکا ترشح ہو رہا ہے، بہت سے سروں پر چھتریاں لگی ہوئی ہیں، اس وقت کی خوشی کا کیا ٹھکانا! کوئی اپنے کسی عزیز کو ڈھونڈھ رہا ہے، کوئی اپنے کسی دوست کو، اور جس کے کوئی دوست یا عزیز موجود نہیں، اس کے لئے اس وقت، وطن کے غیر اور بیگانے بھی کسی دوست یا عزیز سے کم نہیں! "بابائے خلافت" (اس موزوں و دلچسپ لقب کو لوگوں نے خواہ مخواہ طنزیہ مفہوم میں لینا کیوں شروع کر دیا ہے) جناب شوکت صاحب ماشاء اللہ اپنے اس تن و توش کے ساتھ بھلا کسی مجمع میں کسی کے چھپائے چھپ سکتے ہیں! اپنی رنگین چمکدار عبا، اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ، رومال ہلاتے ہوئے، سب سے پہلے نظر پڑے، مولانا عرفان، مولوی شفیع داؤدی، سیٹھ عبداللہ ہارون و مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر (مدراس) کہنا چاہیئے کہ ساری کی ساری خلافت کمیٹی پلیٹ فارم پر موجود، حج کی تحقیقاتی کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں شروع ہو رہا ہے اس کے سارے ارکان جمع ہیں، باہم اشارے ہو رہے ہیں، صاحب سلامت، مبارکباد و مزاج پرسی سارے کام ہاتھوں کی حرکت سے انجام پا رہے ہیں، اور ظالم جہاز ہے، کہ ایک ایک انچ کی رفتار سے سرک رہا ہے!

آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، کوئی نو بجے ہوں گے، کہ جہاز پلیٹ فارم پر آکر رکا، سیڑھیاں لگیں، لیکن ابھی مسافروں کو اترنے

کی اجازت نہیں، جہازی کمپنی کے اعلیٰ افسرون اور حج کمیٹی کے ممبرون نے جہاز پر
قدم رکھا، ٹرنر مارسین کے ایجنٹ بمبئی مسٹر براؤن سے ملاقات ہوئی، اور حالاتِ سفر
پرمنٹ ڈومنٹ کی گفتگو، شوکت صاحب، مولوی عرفان مولوی شفیع داؤدی، سب
اس وقت عزیزون سے بڑھکر عزیز معلوم ہو رہے ہین، جہاز سے اترنے کا مرحلہ بھی جہاز
پر چڑھنے کے مرحلہ سے کچھ کم نہین ہوتا، بھیڑ بھاڑ، دھکم دھکا، چپقلش کے سارے لوازم موجود
مولانا شوکت علی کی مہربانی سے ساتھ کی بیویان فوراً اتر گئین، اور اُسی وقت موٹر پر
"دار الخلافہ" کی طرف روانہ بھی ہوگئین، کچھ دیر کے بعد ہم لوگ بھی اترے، جہاز کے رکتے
ہی قلیون کی ایک پوری جماعت اوپر آجاتی ہے، یہ لوگ خوب سدھے ہوئے اور ہوشیار
ہوتے ہین، اور بڑی بات یہ کہ ایمان دار اور دیانت دار بھی ہوتے ہین، مزدوری
طے کرکے، جو چیز چاہئے، ان کے سپرد کر دیجئے، اترنے کے ساتھ ہی بمبئی کے مشہور خادم
حجاج حاجی بچو علی صاحب کی طرف سے ہر حاجی کی خدمت مین ایک ایک کلچہ نان
اور دو دو کیلے پیش ہوتے ہین، ٹھنڈے پانی اور پھلون کو مدت سے ترسے ہوئے
تھے، اس وقت کیلون کا یہ تحفہ بڑی ہی نعمت معلوم ہوا، اور ایسے محسن کے حق مین دل
دعا نکلی، جہاز سے اترنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ "چنگی خانہ" (کسٹم) کا ہوتا ہے گھنٹون
لگ جاتے ہین، ایک ایک چیز کھول کر دکھانی پڑتی ہے، مین خود تو حسبِ معمول، بغیر
کسی دقت مین پڑے ہوئے موٹر پر اپنے معزز میزبانون کے ساتھ روانہ ہوگیا، اور سامان
کا لانا اپنے رفیق و عزیز، شیخ مشیر الزمان صاحب کے جو بہترین رفیق سفر ثابت ہوئے، نیز
اپنے ہان کے خانہ زاد ملازم، حاجی محب علی کے، جس کی ذات سے سفر کی تقریباً ہر مشکل
آسان ہوتی رہی ہے، سپرد کر آیا، چنانچہ کچھ دیر کے بعد سامان بخیریت پہونچ گیا،

دارالخلافہ پہونچتے پہونچتے ۱۱ بج چکے تھے، مدت کے بعد آج اطمینان و فراغت
سے اپنی مرضی کے موافق غسل کیا، اور جب کھانا سامنے آیا، تو گویا مربھوکون اور ندیدون
کی طرح کھایا، وطن کی قدر سفر کے بعد ہی ہوتی ہے، ہر ہر شے مین ایک خاص لذت
محسوس ہو رہی ہے، خاص خاص دوستون اور عزیزون کے نام تار روانہ کر دیئے
بمبئی مین ڈیڑھ دن، باوجود شدید بارش کے مصروفیت ہی مین گذرا، سیٹھ عمر بھائی
چاند بھائی سے مل کر بقیہ امانت اُن سے واپس لینا، گنیون کو روپیہ مین تبدیل کرانا،
عزیزون دوستون کے لئے تحفہ تحائف خرید کرنا، سارا وقت اسی دوڑ دھوپ مین
بسر ہو گیا، اخبارات کو مدت سے ترسا ہوا تھا، دنیا کے انقلابات، ہندوستان کے
واقعات کی کچھ خبر نہ تھی، دفتر خلافت مین جلدی جلدی اخبارات کی فائلون پر ایک
نظر کر گیا، ۷ رجون کو شب کے وقت پشاور ایکسپرس سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا، قافلہ
کے دوسرے اشخاص اپنی اپنی منزلون کے لئے متفرق ہو گئے، چودھری محمد علی ردولوی
کا ساتھ لکھنؤ تک رہا، بھوپال اسٹیشن پر حیات صاحب (پبلسٹی آفیسر) اور سید مرتضیٰ علی
صاحب جج ہائی کورٹ (حیف ہے آج مرحوم لکھتے ہوئے قلم کا کلیجہ شق ہوتا ہے) سید
الطاف احمد صاحب نیز دوسرے احباب کے موجود تھے، ۹ رجون کو صبح ۷ بجے لکھنؤ
اسٹیشن پہونچا، اور احباب و مخلصین کی ایک پوری جماعت کو موجود پایا، گھر پہونچ کر
والدۂ ماجدہ کی قدمبوسی کی، چھوٹون کے سر پر ہاتھ پھیرا، عزیزون کی خوشی کا کیا پوچھنا
لیکن ان کی مسرت کا رنگ ہی سب سے الگ ہو رہا ہے، ہر لفظ اور ہر عبارت اس کیفیت
کے اظہار سے قاصر ہے، قریب ایک ہفتہ کے لکھنؤ مین قیام رہا، اور سب ملا جلا کر ہوتا
سہا ۳۰ر مارچ کو دریاباد سے روانہ ہوا تھا، اور ۱۶ر جون کو پورے تین مہینے تین دن

کے بعد، پھر وہین واپس پہونچا، پہلے حج کا سفر برسون کا کام تھا، چھ چھ مہینے تو ابھی
چند سال قبل تک لگ جاتے تھے، اب بحمد اللہ تین مہینے کے اندر، بہ اطمینان و فراغت
تمام یہ سارا سفر ممکن ہوگیا ہے، بلکہ اگر جہازون کا انتظار آمد و رفت مین کرنا نہ پڑے
اور مدینہ منورہ مین مختصر قیام پر اکتفا کیا جائے، تو چھ سات ہفتے بھی کافی ہوسکتے ہین

اللّٰھم لک حججتُ وبک آمنتُ وعلیک توکلتُ ولک اسلمتُ وایاک اردتُ فتقبل
نسکی واغفر لی ذنوبی وکفر عنی سیاٰتی واستعملنی فی طاعتک ابداً ما ابقیتنی واعذنی
من النار، اللّٰھم انی استودعت دینی وامانتی وخواتیم عملی فاحفظها علیّ وعلی
کل مومن ومومنة انک سمیع الدعاء، اللّٰھم لا تجعل ھذا آخر العھد من بیتک
وارزقنی العود الیہ واحسن دینی حتی تبلغنی اجلی واکفنی موتی ومونة عیالی
وجمیع خلقک آئبون تائبون عابدون ساجدون ولربنا حامدون صدق اللہ
وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللہ وحدہ
لا شریک لہ،

ضمیمہ (۱)

حکومت حجاز اور خدمت حجاج

حکومت حجاز کی اصلی اور نمایان حیثیت، دنیاے اسلام کی نظر مین خصوصاً حاجیون اور زائرون کی نظر مین خادم حرمین کی ہو، حجاز کا حاکم مکہ و مدینہ کا خادم ہوتا ہو، مناسک حج، آداب زیارت، حاجیون کی خدمت اور اُن کی ضروریات کے سلسلہ مین بہت سے کام اسی کے کرنے کے ہوتے ہین، ان خدمات کا ذکر رودادِ سفر کے ضمن مین اپنے اپنے موقع پر جا بجا آچکا ہی، ذیل مین ان کی پوری فہرست مرتب کر کے یکجا پیش کیجاتی ہے، جن اردو خوان حضرات کو موجودہ حکومت حجاز مین رسوخ و تقرب حاصل ہو، اگر وہ ان معروضات کو سلطان تک پہونچا دین، تو علاوہ خدمت حجاج کے اجر کے، یہ حکومت حجاز کے ساتھ بھی عین ہوا خواہی ہوگی،

(۱) سرزمین حجاز، سالہا سال سے بد امنی کا مرکز بنی ہوئی تھی، حاجیون کا مال الگ رہا، جان تک ہر وقت خطرہ مین رہتی تھی، سعودی حکومت کی سب سے بڑی برکت و سعادت یہ ہے، کہ راستون مین امن و امان قایم ہوگیا، اور بدویون کی لوٹ مار کے واقعات، افسانے بن گئے، اس خدمت عظیم پر موجودہ حکومت کی جسقدر بھی شکر گذاری کیجائے، بجا و درست ہی،

(۲) اب حاجیون کو سب سے زیادہ تکلیف معلّمون کے ہاتھ سے پہونچتی ہی حاجی خصوصًا غریب و ناواقف حاجی معلّم کے ہاتھ مین ایک بے جان آلہ کی طرح ہوتا ہی معلّم اُس پر جو مظالم چاہے کرے جس طرح چاہے اُسے لوٹے، فریاد و دادرسی کا کوئی کھلا ہوا راستہ اُس کے علم مین نہین ہوتا، حکومت اگر حرم شریف کے مختلف دروازون پر نیز عرفات اور منیٰ مین مختلف نمایان و مشہور مقامات مین اپنے عمّال کو متعین کر دیا کرے جنھین معلّمون نیز شُوفرون کی شکایات سننے کے اختیارات ہون اور ان عارضی عدالتون کو خوب اچھی طرح مشتہر بھی کر دیا کرے، (یہ آخری شرط بہت ضروری ہے) تو حاجیون کو ایک بڑی حد تک، شدید تکلیفون سے نجات مل سکتی ہی،

(۳) حاجیون کی بہت سی تکلیفون کی جڑ اُن کی ناواقفیت و اجنبیت ہوتی ہی ملک اجنبی، زبان اجنبی، ہر شے اُن کے لئے اجنبی ہوتی ہے، سواری والے اُن سے جو چاہین کرایہ وصول کر لین، ہر شخص انھین جس طرح چاہے، دھوکا دے لے، ان بیچارون کے پاس چھوٹا کوئی ذریعہ ان دقتون سے بچنے کا نہین ہوتا، حکومت اگر یہ کرے، کہ موسم حج مین، حاجیون کے لئے جدہ، مکہ، مدینہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، وغیرہ کے متعلق ضروری معلومات کے مختصر ہدایت نامے (جنھین مشہور مقامات کے پتے، اہم مقامات کے درمیانی فاصلے، سواریون کے کرایے، اشیا کے نرخنامے وغیرہ درج ہون) لاکھون کی تعداد مین، مختلف زبانون (یعنی عربی کے علاوہ فارسی، اردو، ترکی، بنگلہ، جاوی وغیرہ) مین چھپوا کر شایع کر دے، تو حاجی صاحبان بہت سی زحمتون اور پریشانیون سے بچ جائین، یہ ہدایت نامے زیادہ تر پمفلٹ کی شکل مین ہون، اور بندرگاہ جدہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حاجیون کے ہاتھ مین پہونچ جایا کرین، ان کے علاوہ کچھ بڑے بڑے

پوسٹرون کی صورت مین ہون، جدہ، مکہ، مدینہ، منیٰ وغیرہ نیز راستہ کی منزلون مین نمایان مقامات پر چسپان کر دیئے جائین،

(۴) منیٰ مین ایک یا ڈیڑھ سڑک کا ہونا جیسا اس وقت ہے، سخت ناکافی ہے اور حاجیون کو خصوصاً واپسی کے وقت بڑی ہی شدید زحمت اور کشمکش کا سامنا کرنا ہوتا ہے، تین یا چار راستون کا ہونا ضروری ہے، کم از کم دو راستون کا فوری انتظام ہونا تو از بس ضروری ہے، اس وقت تو حالت یہ ہے، کہ اونٹ، خچر، گھوڑے، موٹر، پیدل اور آنے والون اور جانے والون سب کے لئے کل ایک ہی راستہ ہے، ہجوم کے وقت وہ نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کہ میدان حشر کا نقشہ نظرون کے سامنے پھر جاتا ہے،

(۵) عرفات اور مزدلفہ مین مختلف ممالک کے لحاظ سے الگ الگ کیمپ قایم ہونے چاہیئین، مثلاً ہندی کیمپ، مصری کیمپ، جاوی کیمپ وغیرہ، وقس علیٰ ہذا، ان مختلف محلون کے لئے الگ الگ عارضی سڑکین بھی ہونی چاہیئین، شارع ہندیہ، شارع مصریہ وغیرہ تاکہ بھٹکے ہوئے حاجی بآسانی اپنے اپنے کیمپ تک پہونچ سکین، ہر ہر معلم کیلئے کوئی خاص نمایان علامت یا نمبر ہونا چاہئے، پھر اس کے ماتحت ہر ہر خیمہ کا نمبر ہونا چاہئے، اس وقت خیمون کے جنگل مین بچھڑے ہوئے حاجیون پر جو مصیبت گذرتی ہے اس کا حال کوئی انھین کے دل سے پوچھے،

(۶) بھٹکے ہوؤن کی رہنمائی کے لئے عرفات اور مزدلفہ مین حکومت کی چوکیان بھی جا بجا، اور نمایان مقامات پر قایم ہونی چاہئے، ان مین ایسے افسر رکھے جائین جو مختلف زبانین جانتے ہون، اور شفقت، حلم، و ہمدردی مین ممتاز ہون،

(۷) عرفات و مزدلفہ مین دوکانون کا موجودہ انتظام بھی اصلاح کا محتاج

ہے، بجائے اس کے کہ ایک جگہ بہت سی دوکانیں لگا دیجائیں، جن کے وجود کی خبر بھی دور افتادہ حاجیون کو نہیں ہونے پاتی، بہتر یہ ہوگا، کہ ہر ہر کیمپ کے لیے الگ الگ بازار، اس کیمپ کے مذاق کی مناسبت سے قایم کرایا جائے،

(۸) انتظامات حج کے لئے کوئی کمیٹی اس وقت بھی حکومت کے ماتحت یقیناً موجود ہو گی، اس کمیٹی کے حلقۂ خدمت کو وسیع تر اور اس کی خدمات کو مفید تر بنانے کے لئے ضروری ہے، کہ اس حج کمیٹی مین ہر سال، باہر سے آنیوالے حاجیون کے بھی کچھ نمایندے شریک کئے جائین، جو اپنے اپنے ملک کے حاجیون کی ضروریات کا حتی الامکان پورا انتظام کر سکین،

(۹) شفاخانون اور متعدد شفاخانون کے عارضی قیام کی ضرورت منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور ان کے علاوہ مکہ و مدینہ وجدہ کی درمیانی منزلون مین ہے، اس کی بھی شدید ضرورت ہے، کہ یہ شفاخانے اپنی جگہ اور اپنے رنگ وغیرہ کے لحاظ سے بہت نمایان ہون تاکہ ہر شخص بلا دشواری اور بہ آسانی اُن تک پہونچ سکے،

(۱۰) طواف و داخلۂ حرم شریف کے سلسلہ مین، سلطان معظم کو خود اپنے طرز عمل پر بھی غور و نظرثانی کرنے کی ضرورت ہے، خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کا اسوہ اُن کے سامنے ہے، وہ حضرات جب حرم شریف کے اندر داخل ہوتے تھے اور طواف کرتے تھے، تو نہ اُن کے ہمراہ مسلح غلامون یا سپاہیون کا غول ہوتا تھا نہ اُن کے لئے مطاف خالی کرایا جاتا تھا، نہ اور کسی حیثیت سے وہ اپنے کو عام حاجیون سے ممتاز رکھتے تھے،

(۱۱) مدینہ منورہ کے والی کا طرز عمل جمعہ کے دن، مسجد نبویؐ مین اور بھی

زیادہ رنج دہ ہوتا ہے، گھنٹوں قبل سے روضۂ شریفہ کا ایک بڑا حصہ (یعنی منبر نبویؐ اور محراب نبویؐ کا درمیانی حصہ) والی اور اُن کے رفقاء کے لئے خالی کرا لیا جاتا ہے، اور حکومت کے سپاہی، نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کو بھی اٹھا دیتے ہیں جب یہ سب ہو لیتا ہے، تو عین نماز کے وقت والی مدینہ، مسلح سپاہیوں اور بندوقچیوں کے غول کے ساتھ مسجد میں آتا ہے، سلطان، بدعات کے دشمن ہیں، پھر خدا معلوم یہ سب سے زیادہ کھلی ہوئی "بدعت" اب تک کیونکر روا رکھی گئی ہے؟

(۱۲) مسجد نبویؐ کے موجودہ قالین، بوسیدہ و ادنیٰ، اور موجودہ روشنی ناکافی اور بار بار بجھ جانے والی، ہرگز اس مسجد کے شایانِ شان نہیں، اعلیٰ و بہتر فرش اور بہتر روشنی کی فوری ضرورت ہے،

(۱۳) مسجد نبویؐ کے موجودہ وضوخانوں کے نل ایک تو تعداد میں بہت کم ہیں اور پھر جتنے ہیں، وہ بھی ناقص و از کار رفتہ، بعض اوقات نمازیوں کو وضو کے لئے سخت دقتوں کا سامنا ہوتا ہے،

(۱۴) مسجد نبویؐ کے اندر ستونوں کے پاس، یا صفوف کے درمیان، گندے، بدبودار اور نجاست آمیز جوتوں کو لا کر ڈھیر کر دینے کا نظارہ سخت تکلیف دہ ہے، اس کی قطعی ممانعت ہو جانا چاہئے،

(۱۵) مسجد نبویؐ کے اندر سائلوں پر کوئی روک ٹوک نہیں، عین حالتِ نماز، تلاوت، ذکر و دعا میں اُن کے ہاتھوں، خصوصاً اُن کے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں جو اذیتِ قلب اٹھانی پڑتی ہے، اس کا اندازہ تجربہ کے بعد ہی ممکن ہے، اور اس سے بھی بڑھکر مزدوروں کا شور و شغب، اور عین مقصورۂ شریفہ کے پہلو میں بہ آواز بلند

لین دین کرنا تکلیف دہ ہوتا ہی، سائلوں اور مزوّروں، دونوں کی یہ حرکتیں، ہر مسجد کے ادب و احترام کے منافی ہین، چہ جائیکہ مسجد نبوی ؐ کے! خدا معلوم حکومت اب تک کیون اس باب مین رواداری و چشم پوشی سے کام لے رہی ہی؛

(۱۶) مسجد نبوی ؐ کے پانچ دروازون مین سے ایک دروازہ، باب النساء کے نام سے موسوم، عورتون کے لئے مخصوص کہا جاتا ہی، لیکن عموماً اس دروازہ پر بھی مردون کا برابر قبضہ رہتا ہی، اگر مردون کی آمد و رفت اس دروازہ سے قطعاً روک دی جائے، تو عورتون، اور خصوصاً ہندوستان کی کمزور اور شرمیلی عورتون کو بڑی راحت و سہولت ہو جائے،

(۱۷) ارکانِ حج کے ادا کرنے مین، ہر اسلامی فرقہ اپنے اپنے طریق پر آزاد ہے؛ اور یہی ہونا چاہئے تھا، لیکن ضرورت یہ ہے اس رواداری و فراخ مشربی کو زیارت مدینہ منورہ کے باب مین بھی وسیع کیا جائے، اور آدابِ زیارت مین بھی ہر فرقہ کو اسکے طریق پر آزاد چھوڑ دیا جائے، تاوقتیکہ اُس کی آزادی، دوسرے فرقون کی دلآزاری کا سبب نہ بنجائے،

(۱۸) مسجد نبوی ؐ مین، اور مقصورۂ شریفہ سے متعلق جو سپاہی اور پہرہ دار مقرر رہتے ہین ضرورت ہی کہ وہ خاص طور پر خوش خلق، متحمل، اور شیرین زبان ہون، خلق محمدی ؐ کا نمونہ ہون، اور سب و شتم، بدزبانی، و درشت کلامی کو کسی حال مین بھی کام مین نہ لائین،

(۱۹) جنت البقیع اور جنت المعلّٰی دونون، مسلمانانِ عالم کے محترم ترین اور متبرک ترین قبرستان ہین، ان کی موجودہ حالت دیکھ کر مسلمانانِ عالم کے جذبات کو

سخت اور ناقابل برداشت ٹھیس لگتی ہی، یہ مقصود نہین، کہ ان پر از سرِ نو قبے تعمیر ہون
لیکن ان کو غلاظت اور گندگی سے صاف رکھنا، اور ہر قسم کی توہین اور بے ادبیون
سے بچانا بہرحال لازمی ہے، قبرین بالکل پست اور خام سہی، لیکن یہ تو نہ ہو، کہ صحابۂ
کرام و ازواجِ مطہرات، اولیاء و صالحین کی قبور پر، معاذ اللہ، مزبلہ کا دھوکا
ہونے لگے!

(۲۰) مکہ، مدینہ، اور جدہ، تینون مقامات پر کرایہ کی سواریون کا انتظام فوری
توجہ کا محتاج ہے، موسمِ حج مین، شرحِ کرایہ کی گرانی کا مضائقہ نہین، لیکن اس کے
بعد سواری تو خاصی آسایش و آرام کی ملنی چاہیئے، یہ تو نہ ہو کہ راکب کو خود مرکب
بنکر رہنا پڑے!
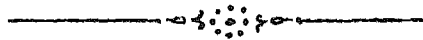
عام ہدایات

(۱) سفر خواہ چند ہی میل کا ہو، بہرحال سفر ہوتا ہے، پھر حج کا سفر تو ہزارون میل کا سفر ہے، ریل، جہاز، اونٹ، موٹر سب ہی سواریون سے سابقہ پڑتا ہے، ملک کی اجنبیت زبان کی ناواقفیت، آب و ہوا کا اختلاف، ہجوم کی چپقلش، اس کے علاوہ ہین، تھوڑی بہت تکلیف پیش آنی ناگزیر ہے، لیکن یہ تکلیف ہرگز ایسی نہین ہوتی، کہ کسی معنی مین بھی ناقابل برداشت کہی جاسکے، خیالی تکلیفون اور اندیشون کا بیشتر حصہ بالکل باطل ثابت ہوتا ہے، اور اسے اس سفر مبارک کی کرامت سمجھئے یا یہ سمجھئے کہ اکثر دقتین عین وقت پر ایک بالکل غیر متوقع طور پر حل ہو جاتی ہین، جن صاحبون پر حج فرض ہے، وہ صعوبات سفر کے اندیشہ سے ہرگز اپنی ہمت کو پست نہ ہونے دین،

(۲) بڑی چیز جذبۂ شوق و ولولۂ عقیدت ہے، جو لوگ اپنے دلی شوق سے اور حج کی اہمیت کو سمجھ کر آتے ہین، انھین کوئی دقت، دقت محسوس ہی نہین ہوتی، سارا سفر ہنسی خوشی، صبر ہی کے ساتھ نہین، شکر کے ساتھ گذار دیتے ہین، بخلاف اس کے، جن کے دل اس سفر کی اہمیت سے خالی ہین، اور وہ محض کسی کے اصرار

یا خاطر سے اُس کے رفیق سفر بنکر آجاتے ہین، اُنھین کو سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے اور بات بات پر پریشان ہوتے دیکھا، اللہ اس ابتلا سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے،

(۳) حجاز مین اب تقریباً سب ہی چیزین ملنے لگی ہین، اس لیے گھر سے زائد سامان لانے کی ہرگز ضرورت نہین، باربرداری وغیرہ کے مصارف اتنے پڑجاتے ہین کہ کفایت کا پہلو بھی نہین نکلتا، ضروری سامان بمبئی مین خرید لیا جائے، جہاز پر اگر عملہ جہاز سے رسم پیدا کر لیا جائے، تو بہت سی مشکلین آسان ہوجاتی ہین، مکہ مین سب کچھ مل جاتا ہے، اور مدینہ مین بھی ضرورت بھر کی چیزین، پہلے لوگ گھی کے پیپے ساتھ لیکر چلتے تھے، اب حجاز مین بہتر سے بہتر گھی ملنے لگا ہے، البتہ اگر کھانے کی خشک چیزین، جو عرصہ تک اچھی رہ سکتی ہون، گھر سے ہمراہ لے لیجائین، تو بہتر ہے کھانا نہ ملنے کی صورت مین وقت بے وقت بہت کام دین گی،

(۴) بخار، قبض، بخش وغیرہ کی چند دوائین، جو اپنے تجربہ مین آچکی ہون، ہمراہ رکھ لینا چاہئے، میرٹھ کے مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب (دارالشفاء مصطفائی میرٹھ) نے شفاء الحجاج کے نام سے ایک چھوٹا سا بکس ایسی ہی مجرب وکارآمد دواؤن کا تیار کیا ہے، چند روپیون مین آجاتا ہے،

(۵) حاجیون کو جہاز کے اوپر نماز با جماعت مین جو دقتین پیش آتی رہتی ہین، وہ تو اپنی جگہ پر ہین ہی، اُن کے علاوہ ایک بڑی دشواری سمت قبلہ سے متعلق پیش آتی رہتی ہے، قطب نما کا ساتھ رکھنا ضروری ہے لیکن محض قطب نما سے بھی کام نہین چل سکتا، مدراس کے ایک صاحب نے (خدا انھین جزاے خیر دے) ایک مستقل "رسالہ دریافت سمت قبلہ" کے نام سے مرتب کرکے شایع کردیا ہے جسمین بمبئی

اور کراچی سے لیکر عدن تک اور پھر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیانی راستہ کی تمام منزلون کے لئے سمت قبلہ کے درجے اور دقیقے درج کر دیئے ہین، رسالہ مذکور حسب ذیل مقامات سے غالباً بلا قیمت مل جائے:-

(۱) مولوی محمد عبداللہ صاحب احقر، مکان نمبر ۲۴ کوچہ حسین الملک، پرانا باغ، ڈاکخانہ رو ولے پیٹ، مدراس،

(۲) منیجر صاحب مظفری کمپنی، مینار والی مسجد بمبئی،

(۶) ہر شخص کی آسایش اور ضرورتون کا معیار دوسرون سے جدا ہوتا ہے، اس لئے کوئی ایک تخمینہ مصارف سب کے لئے نہین بتایا جا سکتا، تاہم عموماً اوسطاً یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ جہاز مین تیسرے درجہ کے ٹکٹ لینے والے اور حجاز مین اونٹ پر سفر کرنے والے، چھ سو روپیہ، اور جہاز مین اونچے درجون کے ٹکٹ لینے والے، اور حجاز مین موٹر پر سفر کرنے والے، ایک ہزار روپیہ فی کس کے حساب سے اپنے ہمراہ رکھین، تو بہتر ہوگا، ہم لوگون کا اوسط خرچ اس تخمینہ سے بہت کم پڑا، لیکن ہم لوگون کو خدا کے فضل سے، بعض غیر معمولی سہولتین حاصل ہو گئی تھین، ہر شخص کو یہ کفایتین نہین حاصل ہو سکتین، بہت سے مصارف ناواقفیت کی بنا پر پڑ جاتے ہین، اگر انسان پہلے حج کر آیا ہے، یا حجاز مین اس کے شناسا موجود ہین تو خاصی کفایت ہو سکتی ہے، کئی شخص مل کر الگ سفر کرین، تو بھی کافی بچت ہو جاتی ہے،

(۷) ہمسفری کی برکتین ظاہر و واضح ہین، اور اگر کوئی واقف کار و تجربہ کار شخص بطور رفیق سفر مل جائے، تو مصارف مین بھی کمی رہتی ہے، اور صعوبات سفر سے بھی ایک حد تک نجات ہو جاتی ہے، تاہم اس سفر کی رفاقت ہے بڑی نازک چیز،

آسانی سے ہر شخص کو رفیق و شریک ہرگز نہ بنا لینا چاہیے، بڑی بڑی پرانی دوستیاں
اور عزیز داریاں اس سفر مین ٹوٹتے دیکھین بھی، اور سنین بھی، محض خلوص اور دوستی کے
بھروسہ پہ ہرگز کام نہ چلیگا، **القیاد دبے نفسی** کو رفاقت و شرکت سفر کا لازمی
معیار رکھنا چاہیے، کھانے پینے کے انتظام مین جتنی علحدگی رہ سکے بہتر ہی،

(۸) حجاز مین، گنیان بہت کام آتی ہین، اس لئے بمبئی سے بجائے نوٹ اور روپیون
کے گنیان ضرور ہمراہ لے لینی چاہیئے، اونٹ کا کرایہ معلم صاحب کے مطالبات، موٹر کا کرا
ان سب مواقع پر گنی ہی کام آئین گی، البتہ جہاز کے مصارف کے لئے، روپیہ یا نوٹ
بھی کچھ ضرور رکھ لینے چاہیئے، اٹھنی، چونی، اکنی وغیرہ ریزگاری کی بھی ایک معقول
تعداد ہر وقت موجود رہنی چاہیئے، حجاز مین چاندی کی ریزگاری آسانی سے چل جاتی
ہے، نکل کے سکون مین دقت ہوتی ہی،

(۹) بمبئی مین حاجی، عموماً مسافر خانون مین ٹھہرتے ہین، تین مسافر خانے
مشہور ہین، ایک مسافر خانہ سیٹھ اسمٰعیل حبیب کا بھنڈی بازار مین ہی، بھنڈی بازار
بڑا بازار ہی، جہان تمام چیزین بہ آسانی مل جاتی ہین، یہ مسافر خانہ عام ہی، حاجی اور
غیر حاجی سب اسمین ٹھہر سکتے ہین، حاجیون کے لئے مخصوص ایک مسافر خانہ ڈاری
بندر مین ساحل سمندر کے قریب، سیٹھ قمو سلیمان کا ہی اور دوسرا مسافر خانہ حجاج
حاجی صابو صدیق مرحوم کا کرناک روڈ پر بڑے اسٹیشن کے قریب، اور کرافرڈ مارکٹ
سے بالکل متصل ہی، مارکٹ مین دنیا بھر کی چیزین ملجاتی ہین، عظیم الشان چھ منزلی
عمارت، ۱۸۰ کمرے ہین، ہر کمرہ وسیع و ہوادار، ۱۰۰۰ مسافرون کے قیام کی
گنجایش، سب سے اوپر کا صحن ایک خوش منظر تفریح گاہ، ہر منزل مین آٹھ آٹھ

پاخانے، اور چار چار غسل خانے مع پانی کے نل اور بجلی کی روشنی کے موجود، دو دو بڑے باورچی خانے، ۱۹۲۱ء مین والد ماجد مرحوم جب حج کے لئے جا رہے تھے، اُن کے ہمراہ، اس مسافرخانہ مین کئی دن قیام کا اتفاق ہوا تھا، اب کی پھر گھوم پھر کر دیکھا، داروغۂ مسافرخانہ مولوی حضرت اللہ صاحب، ماشاء اللہ ایک پیکر نور اور اُن کے نائب منشی عبدالستار صاحب، سراپا خدمت و ایثار،

(۱۰) حاجیون کے لیے جہازی کمپنیان تین ہین، ان تینون مین سب سے بڑی مغل لائن ہے، جو عملاً اب ٹرنر ماریسن کمپنی کے ہاتھ مین ہو، یورپ کے جہازون کے آرام و آرایش کا تو خیال ہی حاجیون کو چھوڑ دینا چاہیے، بہ حالت موجودہ ٹرنر ماریسن کے انتظامات سب سے بہتر ہین، اور انھین کو غنیمت سمجھنا چاہیے، اس کے جہاز رحمانی اور رضوانی حال کے بنے ہوئے، اور نسبتہً سب سے زیادہ آرام دہ ہین، ان سے اتر کر اکبر اور جہانگیر ہین،

(۱۱) مسافر زیادہ تر تکلیف، خود اپنی جلد بازی، گھبراہٹ اور بے صبری سے اٹھاتے ہین، اگر جہاز سے اترتے وقت، یا چڑھتے وقت ذرا صبر و سکون سے کام لیا جائے، اور اس کی کوشش نہ کیجائے، کہ خواہ مخواہ دھکے کھاتے ہوئے، اور ہجوم کو چیرتے پھاڑتے ہوئے بہتر سے بہتر جگہ پر قبضہ ہو جائے، تو بالآخر جگہ سب کو مل ہی جاتی ہو، کوئی رہ نہین جاتا، ضرورت صرف تھوڑے سے صبر و تحمل کی ہے

(۱۲) اگر کفایت، آسائش، اور ہجوم کی کشمکش سے بچنا مدنظر ہے تو لازمی ہو کہ سفر عین موسم حج مین نہین بلکہ اس سے کچھ قبل اختیار کیا جائے، اور واپسی فوراً نہین بلکہ کچھ ٹھہر کر ہو، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، سب کہین زیادہ وقتین اور

گرانیاں عین اُسی وقت ہوتی ہیں جب ہجوم کا شباب ہوتا ہے،

(۱۴) معلّم سے سابقہ پڑنا ناگزیر ہو، حتی الامکان معلّم کو خوش رکھنا چاہیے لیکن اُس پر بہت زیادہ اعتماد ہرگز نہ کرنا چاہیے، مسائل حج سے نیز عربی زبان سے جتنی زیادہ واقفیت ہوگی، اسی نسبت سے معلّم کی محتاجی سے بے نیازی رہیگی، مسائل حج و زیارت کی بہترین وجامع ترین رہنما اردو میں، مولانا منوّر الدین صاحب دہلوی کی ضخیم ومفصل کتاب الحج والزیارت ہے، ضروری مسائل کے لئے، مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کی مختصر اور جیبی زبدۃ المناسک بالکل کافی ہے، عربی میں بیسیوں کتابیں ہیں،

ضمیمہ (۳)

منازلِ سفر از جدّہ تا مدینہ

جدّہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان موٹر جن منزلوں پہ ٹھہرتا ہے، ان میں سے چند کا ذکر سفرنامہ میں ضمناً آگیا ہے، بعض کے ناموں میں کچھ غلطیاں ہوگئی ہیں، ذیل میں کل منزلوں کے صحیح نام مع ان کے درمیانی مسافتوں کے درج ہیں، یہ فاصلہ بحساب کیلومیٹر ہیں، ایک کیلومیٹر تقریباً ۵ فرلانگ کا ہوتا ہے:-

منزل	فاصلہ
جدّہ - ذہبان	۳۵ - کیلومیٹر
ذہبان - ثول	۳۴ "
ثول - القضیمہ	۸ "
القضیمہ - رابغ	۵۵ "
رابغ - مستورہ	۱۴ "
مستورہ - ابیار بنی حسانی	۵۹ "
ابیار بنی حسانی - شقیہ	[illegible] "
[illegible] - [illegible]	[illegible]